مردِ خدا

سوانح حیات

(حضرت قبلہ سرکار مخدوم سیّد علی احمد شاہ قادری گیلانی قدس سرہٗ)

○

آنسہ بلقیس چیمہ

سوانح حیات

حضرت قبلہ سرکار مخدوم سیّد علی احمد شاہ قادری گیلانی قدس سرہٗ

○

آنسہ بلقیس چیمہ

○

سیّد مبین محمود اینڈ کمپنی

۹/۴ - ریٹیگن روڈ - لاہور

نام کتاب ______ مردِ خدا

مصنّف ______ آنسہ بلقیس چیمہ

ناشر ______ سیّد مبین محمود

اشاعت ______ اوّل، اگست ۱۹۹۰ء

تعداد ______ ایک ہزار

مطبع ______ آر۔ ایم۔ ایس پرنٹرز۔ دربار مارکیٹ لاہور

قیمت ______ ۷۵ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ غوثیہ، شاہ علی احمد روڈ، ڈیرہ غازی خان

سلیم بُک کارنر، بلاک "او"۔ ڈیرہ غازی خان

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

مردِ خدا

سوانح حیات

حضرت قبلہ سرکار مخدوم سید علی احمد شاہ قادری گیلانی قدس سرہ

آنسہ بلقیس چیمہ

انتسِاب

مرشدگرامی

حضرت سید مقبول محی الدین گیلانی مدظلہ،

کے حضور

ے پیر باشد نردبان آسمان

تیر پراں از کہ گردد از کمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہوا دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے سنت رسول کی پیروی کرتے ہوئے تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کا کام جاری رکھا۔ بعد ازاں اولیائے عظام اور خاصان خدا نے احیائے اسلام کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر کے نخل اسلام کی آبیاری اور خلق خدا کی روحانی تربیت اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعے جو دلجوئی کی وہ ہماری اسلامی تاریخ کا اہم باب ہے۔ چاروں سلاسل کے اولیاء کرام نے برصغیر پاک و ہند کے لاکھوں بندگان خدا کے دلوں کو نور ایمان کی روشنی سے منور کیا حضرت داتا گنج بخشؒ کے علاوہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ حضرت بختیار کاکیؒ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ حضرت صوفی عبدالرشیدؒ بدھنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہیؒ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی شاہ رکن عالم ملتانیؒ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ حضرت شاہ نعمت اللہ قادریؒ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ حضرت شیخ محمد جیلانی جلیؒ (اوچ شریف)، حضرت سید عبدالقادر ثانیؒ، شیخ الآفاق حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ قطب الاقطاب حضرت شاہ سکندر قادریؒ اور امام ربانی شیخ احمدؒ سرہندی نے اسلام کی جو خدمت کی ہے ان ہی بزرگوں کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت برصغیر میں شجر اسلام بار آور ہوا۔ شام مصر مراکش سوڈان ایران عراق افغانستان ترکستان چین لنکا بھارت پاکستان ترکی کشمیر روس الغرض دنیا کے ہر ملک میں حضرت غوث اعظمؒ کے شیدائی موجود ہیں۔

ہندوستان میں یہ سلسلہ شیخ الآفاق حضرت شاہ کمالؒ کیتھلی اور حضرت شاہ سکندر محبوب الہیٰؒ کے ذریعے پہنچا ان کے بعد ان کے اخلاف اور خلفاءؒ نے اس مسلک کو پھیلایا۔ عصر حاضر کے اولیاء میں حضرت سید علی احمد شاہ قادری گیلانیؒ مقام ولایت پر فائز صاحب باطن روشن ضمیر بزرگ تھے۔ مائل کرنالی اپنی کتاب دربار قادری میں لکھتے ہیں "جن لوگوں نے حضرت قبلہ کی نبض رسانی کے بادلوں کو برستے دیکھا ہے وہ برملا کہتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم کی روحانی توجہ اور جذب نظر میں بجلیوں کے کارنامے ہیں ان کا قلبی تاثر اور تصرف ہواؤں میں کام کر رہا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل کیتھل میں کوئی بھی غیر مسلم ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی ضرورت اور پریشانی کے باعث آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا ہو۔ یہی حال ڈیرہ غازی خان میں رہا۔ صبح شام ضرورت مند آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور دل کی گہرائیوں سے آپ کی روحانی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کے بعد کیتھل سے ہجرت کرنے پر ڈیرہ غازی خان میں مستقل سکونت اختیار کی اور یہیں آپ کا مزار ہے جو مرجع خلائق ہے" میں ان برادران طریقت کی ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی تدوین میں کسی بھی طرح میری مدد فرمائی۔ خصوصاً حضرت سید مقبول محی الدین گیلانی کی رہنمائی مجھے حاصل رہی۔ اس سعی و کاوش کے باوجود اگر کوتاہی نظر آئے تو معذرت خواہ ہوں۔

اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں مس سیدہ آر بانو لیکچرار کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر وہ میری مدد نہ کرتیں تو شاید میں یہ کتاب مکمل نہ کر پاتی۔ ان کے قیمتی مشورہ اور تعاون کی میں بے حد شکر گزار ہوں۔

"میں جناب خورشید حسین بخاری صاحب مصنف الکمال کی بھی بے حد ممنون ہوں ان کے قیمتی مشوروں اور تعاون سے مجھے کافی مدد ملی"

احقرہ
آمنہ بلقیس چیمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ عقیدت

شریف اشرف

تصوّف انسانیت کو اپنی پوری کلیت کے ساتھ فروغ دینے کی ایک فکری روایت اور عملی تحریک ہے جس کے سبب دنیا کے مختلف خطّوں میں اسلامی تعلیمات کو انسان دوستی کی بنیاد پر فروغ ملا۔ صوفی انسان کو کسی طے شدہ معیار پر جانچنے پرکھنے کی بجائے بحیثیت انسان قبول کرتا ہے۔ اور اس کی شخصیت کی تشکیل اور کردار سازی میں اعلیٰ انسانی قدروں کے رچاؤ کے لئے باطنی تجربہ کو زیادہ اہمیت دیتا ہے گو وہ زندگی کے مادی پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کے حق میں نہیں لیکن اس کے ہاں زندگی میں انسان کے معنوی پہلو زیادہ اہم اور توجہ طلب ہوتے ہیں۔ صوفیاء کے ہاں انسان کا باطن یا دل جس کے لئے عربی میں لفظ مواد استعمال ہوتا ہے ایک ایسا آئینہ ہے کہ اگر یہ مصفّا اور شفاف ہو جائے تو حقائق حیات و کائنات کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ دل یا Human mind اس کائنات کے اندر ایک ایسی کائنات ہے جس میں کائنات کے اسرار و رموز اپنی پوری جزئیات کے ساتھ موجود ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ گہرے باطنی تجربے ریاضت اور مجاہدہ سے ذہن انسانی کے ان خوابیدہ منطقوں کو بیدار کیا جائے جو ایک خاص طرح کے (Discipline) سے متحرک ہو کر انسان میں ایسی توانائی بیدار کرتے ہیں جس کے سبب انسانی ذہن حیات و کائنات کی دبڑی، سچائیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور صوفی کا یہ باطنی یا روحانی تجربہ اتنا وقیع اور معتبر ہوتا ہے کہ دوسرے حسیاتی ادراکات اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں ایک جید صوفی بزرگ حضرت ابو سعید ابوالخیرؒ

کی اپنے عہد کے معروف سائنسدان اور فلسفی جناب بوعلی سینا سے ملاقات کا واقعہ خاصی دلچسپی کا حامل ہے۔ ملاقات میں کائنات کے اسرار و رموز اور مابعد طبیعی حقائق پر گفتگو ہوتی رہی۔ ملاقات کے بعد جناب بوعلی سینا نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو ملاقات کے تاثرات اور حضرت شیخ کے علمی اور معنوی مقام و مرتبہ کے بارے میں کہا کہ میں جو کچھ جانتا ہوں شیخ اسے دیکھتا ہے۔ حضرت شیخ کے تاثرات بھی یہی تھے کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں بوعلی وہ جانتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ صوفی کا علم اور مشاہدہ سائنسدان اور فلسفی کے علم و مشاہدہ کے مقابلہ میں زیادہ وقیع اور معتبر تھا۔

صوفیاء اور روحانی بزرگوں نے انفرادی طور پر بھی اسلام کی نشر و اشاعت اور انسانی فلاح و خیر کے لئے کوششیں کیں۔ جن کی افادیت اور ارزش سے صرف نظر کرنا قرین انصاف نہیں۔ لیکن مکتبہ فکر یا سلسلہ در سلسلہ صاحبان روحانیت و اہل عرفان بزرگوں کی اشاعت دین اور فروغِ انسانیت کے لئے خدمات انسانی تاریخ کا ایک ایسا درخشاں باب ہیں جس کے اُجلے حروف ہمیشہ انسان کی امید پسندی، رجائیت اور روشن بینی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے رہیں گے۔

روحانیت کے مختلف سلسلوں اور تصوف کے مختلف مکاتیب فکر میں سلسلہ قادریہ کی اپنی گراں قدر خدمات کے حوالے سے ایک الگ پہچان ہے اور منفرد شناخت ہے حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ جیسی تاریخ ساز شخصیت نے اس سلسلہ رشد و ہدایت کی طرح ڈالی۔ اپنے شخصی وجدان اور تخلیقی عمل کے ذریعے سلسلہ قادریہ کو ایسی جاندار روحانی اساس فراہم کی کہ اس سلسلہ نے ایک زندہ تحریک بن کر عالم اسلام کو نئی فعالیت سے روشناس کرایا۔

تقریباً پانچ سو سال پہلے حضرت غوث اعظم کے عظیم خانوادہ کے عظیم وارث

حضرت شاہ کمال جیلانی قادریؒ جنوب مشرقی ایشیا کو روحانی فیوض و معنوی برکات سے بہرہ مند کرنے کے لئے بغداد سے ہندوستان تشریف لائے اور پھر کیتھل کی اثر پذیری کو دیکھ کر وہیں قیام کا فیصلہ کیا۔ جنوب مشرقی ایشیا اور سرزمین ہندوستان کے لاکھوں ہندو اور سکھ آپ کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مخدوم حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی کا سلسلہ عالیہ سرزمین کیتھل کے اسی بوریا نشین شہنشاہ سے جا ملتا ہے جو روحانیت کی تاریخ میں شاہ کمال کیتھلی کے نام نامی سے موسوم ہیں۔ اور جنہوں نے سرزمین ہند اور پورے جنوب مشرقی ایشیا کو اسلام کی لافانی انسانی قدروں سے روشناس کرایا۔ نشایہ دامن کوہ کے اس بیابانی خطہ ڈیرہ غازی خان کی روحانی تشنگی ابھی باقی ہوگی۔ حضرت سلطان سخی سرورؒ، حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ، حضرت خواجہ غلام فریدؒ، حضرت پیر عادلؒ اور ملا قائد شاہؒ جیسے وفا شیوہ دوستوں سے ملنے کا شوق کہ آپ قیام پاکستان کے بعد ڈیرہ غازی خان تشریف لائے۔ اور اس ذرخیز مٹی میں تازہ تخم کی ضرورت محسوس کر کے یہیں مستقل قیام فرمایا۔ مخدوم حضرت سید علی احمد شاہ گیلانیؒ سے میری عقیدت اور نیاز مندی اس نوعیت کی نہیں تھی جس طرح ان کے فرزند دلپسند مخدوم میاں مقبول محی الدین صاحب سے ہے۔ طلباء کا کالج ان دنوں حضرت کے آستانہء عالیہ کے جوار میں ہوا کرتا تھا۔ بس جی چاہتا تھا کہ کبھی کبھی جمعہ نماز میں یا دوسرے اوقات میں دست بوسی کی سعادت حاصل کی جائے۔ دل نوازی، شائستگی اور محبت کیشی اس انسان دوست خانوادے کے مزاج کا وصفِ خاص ہے۔ آپ ایک بار ان سے مل کر دیکھئے۔ اپنائیت کا ایسا ارلباس رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا محسوس کریں گے کہ پھر بن ملے نہیں بنے گی۔

؎ واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تیری انجمن میں تھی!

حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ گیلانیؒ کے مزاج میں ایک ایسی منزہ سادگی اور

دل میں اترنے والی راستی تھی کہ ان کے قرب میں بیٹھ کر ان کی باتیں سنتے رہنے میں عجیب اور انجانی طمانیت کا احساس ہوتا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت تصوف اور فلسفہ کے پیچیدہ اور ادق مسائل پر گفتگو کرنے کی بجائے زندگی کے روزمرہ اور عام مسائل پر اظہار خیال فرمایا کرتے۔ بے تکلف ماحول میں باتیں سہل اور سادہ ہوا کرتی تھیں مگر اپنائیت کا رس اور سچائی کا انہیں بہت ہی دلنشیں اور موثر بنا دیتا۔ شائستگی میں رچا ہوا یہی حجاب آمیز لہجہ جو میاں مقبول محی الدین کی صحبت میں ملتا ہے ان کے ہاں بھی اپنے تمام قرینوں سے موجود تھا۔ جہاں لہجے میں دودھ اور شہد کی گھلاوٹ کا رس تھا وہاں رویوں میں دلداری اور جاں نوازی کا ایسا بے ساختہ پن کہ ضمیر کہہ اٹھے

؎ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

سچ ہے کہ عظمت، شوکت و شکوہ یا اقتدار و اختیار کا نام نہیں بلکہ شخصی اچھائیوں کے ایسے بے ساختہ اظہار سے عبارت ہے جس پر انسانی قرینہ کی گہری چھاپ ہو۔

پروفیسر شریف اشرف صاحب
گورنمنٹ ڈگری کالج ڈیرہ غازی خان۔

اظہارِ خیال

سید مسعود حسن شہاب دہلوی مدیر ہفت روزہ الہام بہاولپور

آنسہ بلقیس بیگم نے "مردِ خدا" تصنیف کی ہے جس میں کیتھل کی سرزمین کے مشہور خانوادہ حضرت اعلیٰ حضرت شاہ کمال قادریؒ اور ان کے متوسلین کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

خاص طور پر حضرت قبلہ سید علی احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات تفصیل سے درج کئے ہیں۔ یہ کتاب صرف عقیدت وارادت کے تحت نہیں لکھی گئی بلکہ اس کے تمام حقائق تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اندازِ تحریر بہت سادہ اور دلنشین ہے اور واقعات کے بیان کرنے میں حقیقت پسندی سے کام لیا ہے اور ان کی دقتِ نظر کا مشاہدہ کیا ہے۔

ساری کتاب پڑھنے کے قابل ہے یقیناً معتقدین اور بزرگوں کے حالات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سے استفادہ کریں گے۔

میں اپنی بیماری کی وجہ سے تفصیل کے ساتھ لکھنے سے معذور ہوں تاہم یہ کہہ سکتا ہوں کہ کتاب جامع ہے۔

سید مسعود حسن شہاب دہلوی

حرف تحسین

زیر نظر کتاب سجادہ نشین یازدہم کیتھل شریف قبلہ عالم حضرت مخدوم سید علی احمد شاہؒ گیلانی کی سوانح حیات ہے۔ حضرت قبلہ والد محترمؒ ولی کامل تھے۔ خلوص و محبت کا سمندر تھے اور ایک ایسا چراغ تھے جس کی روشنی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ والوں کی محفلوں میں بیٹھنے سے ہمیشہ دلی سکون ملتا ہے۔ اور یہ اللہ والے غنیمت ہیں جو کسی ذاتی منفعت اور امیر و غریب کے امتیاز کے بغیر حق بات کہتے ہیں۔ اہل اللہ نے ہمیشہ انسانی فلاح و بہبود میں بڑھ کر حصّہ لیا ہے اور دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ سچے اہل تصوف اور پیران طریقت کی زندگیوں پر لکھنا لکھانا اور لوگوں کو ان سے روشناس کرانا ایک بڑی انسانی خدمت ہے۔

آنسہ بلقیس جیمہ نے اس لحاظ سے ایک اچھی انسانی خدمت انجام دی ہے وہ ہمارے شکریے کی مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اس کتاب کو حسن قبول حاصل ہو۔

مقبول محی الدین گیلانی

سجادہ نشین کیتھل شریف و آستانہ عالیہ قادریہ

ڈیرہ غازی خان

تعارف

کیتھل کی سرزمین کو ہندو لوگ متبرک خطۂ ارضی خیال کرتے ہیں۔ وہاں مہابھارت کی خونریز جنگ لڑی گئی تھی۔ کورکیشیٹر یعنی تھانیسر، کیتھل، بدایون، ٹھٹھہ اور ملتان کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ کیتھل اور تھانیسر میں قدیم تہذیب کے آثار جگہ جگہ پائے جاتے ہیں یہ شہر دریائے سرسوتی کے کنارے واقع ہیں۔ اسے یدھشٹر نے آباد کیا تھا دوسری جنگ عظیم سے قبل کھدائی کے دوران قدیم سکے اور مورتیاں برآمد ہوئیں۔ ابھی یہ سلسلۂ تحقیق جاری تھا کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں رہنے والا ہر فرد اس تاریخی مقام سے آشنا ہے لیکن اب اس شہر کی پہچان کے حوالے وہ نہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔ آج کیتھل کا نام سنتے ہی ذہن اعلیٰ حضرت شاہ کمال لعل دیالؒ کی جامع صفات شخصیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور کیتھل جو کبھی ہنومان کی پرستش کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ کیتھل شریف کے نام سے رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن گیا۔

اعلیٰ حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی سلطان ظہیر الدین بابر کے عہد میں درہ گومل کی راہ ٹھٹھہ (صوبہ سندھ) میں آئے۔ کچھ عرصہ بعد ملتان میں اقامت اختیار کی۔ ان دنوں شیر شاہ سوری سریر آرائے سلطنت تھا۔ شیر شاہ سوری اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود علماء اور صوفیاء سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ اسے جب ملتان میں آپ کی آمد کا علم ہوا تو محمد فرعلی کو تحفے تحائف دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا اور ملتان میں خانقاہ تعمیر کرانے اور مستقل سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے دونوں مراعات حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کا اسم گرامی شاہ کمال ہے۔ کبیر ملک العشاق فرد الافراد اور لعل دیال کے القاب سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب گیارہویں پشت میں پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی شیخ

عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی کا نام حاجی سید عمرؒ تھا۔ حضرت مخدوم شاہ فضیل قادریؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مرشد کامل کے حکم پر بغداد کو خیرباد کہہ کر ہندوستان کا رُخ کیا دیپالپور، کمالیہ، لاہور، لدھیانہ، پائل، آگرہ، دہلی، اجمیر اور احمد آباد (گجرات)، کی سیاحت کی۔ جب آپ کسی شہر میں قیام فرماتے اور لوگوں کو آپ کی عظمت کا پتہ چلتا تو آپ شہر تبدیل کر دیتے۔ زندگی کے آخری حصہ میں آپ کیتھل (ضلع کرنال) تشریف لائے یہ علاقہ ایک عرصہ سے مبلغین سے خالی تھا۔ آپ کے فیض نظر سے نہ صرف کیتھل بلکہ پورے ہندوستان میں روحانیت کے چشمے پھوٹے۔ شیخ عبدالاحد سرہندی، شیخ اللہ داد رہتاسی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ سکندر رئیس الاولیاء محبوب الٰہی محمد خان تاشقندیؒ شاہ موسیٰ ابوالمکارم۔ سید علیؒ مشہدی شیر شاہ۔ قاضی عبدالرحمان دیپالپوری۔ شیخ سالم برہان پوری، حافظ اسماعیل[۱] ملتانی۔ سید غیاث الدین لاہوری۔ شیخ جلال الدین گھگہ ملتانی۔ شیخ عبداللطیف خوارزمی قاضی صدرالدین لاہوری۔ سید محمد مکی۔ قاضی محی الدین کلانوری۔ سید حسین شاہ۔ قطب الدین عالم دہلوی۔ ابوسعید لاہوری۔ بی بی عائشہ نسلی۔ غیاث الدین لاہوری۔ ملا صدرالدین گجراتی۔ شیخ ابراہیم سرہندی۔ ملا عثمان سامانوی۔ سید علی غواص سرحدی۔ شیخ فضل فضولی۔ سید عیسیٰ بخاری۔ شیخ طاہر بندگی لاہوری۔ اسلام بہاروی۔ شیخ نور محمد پٹنی۔ میراں شاہ غازی رام گڑھی اور سلسلۂ فاضلیہ کے بانی حضرت شاہ فاضل الدین بٹالویؒ قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان میں دوران سیاحت ہندو جوگیوں سے آپ کے بہت سے

۱؎ حافظ صاحب ملتان کے رہنے والے تھے آپ علم قرأت کے امام اور قرآن پاک کے معلم تھے۔ ۱۰۱۱ھ ہجری میں بمقام ملتان وصال ہوا۔ مزار ملتان شہر کے سٹیشن کے قریب ہے۔

روحانی معرکے ہوئے۔ بالآخر وہ جوگی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان میں بابا سیتل پوری[1]

---

[1] بابا سیتل پوری مشہور صاحب استدراج ہندو درویش تھے۔ ایک دن حضرت شاہ کمال کیتھلی کہیں سے تشریف لا رہے تھے کہ دیکھا ایک تالاب کے کنارے خلقت جمع ہے۔ اور بابا سیتل پوری اپنی آنتیں پیٹ سے باہر نکال کر دھو رہے ہیں اور لوگ ان کے درشن کے لئے ارد گرد جمع ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا یہ مظاہرہ شہرت کے لئے خوب ہے مگر اس سے دل کی صفائی ممکن نہیں۔ ایک نظر ڈال کر آپ تشریف لے گئے۔ بابا سیتل پوری جب اپنی آنتوں کو دوبارہ پیٹ میں لے گئے تو وہ حسب سابق درست نہ بیٹھیں تکلیف میں مبتلا ہو گئے کیونکہ بابا صاحب صاحب مجاہدہ اور ریاضت تھے اس لئے سمجھ گئے کہ وہ مسلمان درویش مجھے کیا کہہ گئے ہیں۔ آپ کے آستانہ پر پہنچ کر قدم بوس ہوئے اور دن رات آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔

اعلیٰ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے بابا سیتل پوری کی محبت اور عقیدت کی داستانیں زبان زد خلائق ہیں۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت شیر پر سوار ہو کر بابا سیتل پوری کو ملنے آئے۔ باوا صاحب اس وقت دیوار پر بیٹھے مسواک کر رہے تھے دیوار کو مار کر کہا "چل" دیوار چل دی۔ فوراً آگے بڑھ کر قدم بوس ہوئے بابا سیتل پوری نے پوچھا "شیر کو کہاں باندھا جائے"۔ آپ نے کہا اس کو اپنی گایوں کے ریوڑ میں چھوڑ دو۔ شیر نے کسی گائے کو کچھ نہ کہا۔ باوا سیتل پوری اس کرشمہ پر حیران رہ گئے۔ اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا۔

بابا سیتل پوری کی سمادھی کے قریب وہ جگہ محفوظ ہے جس طاق میں آج بھی

اور بابا گوپال داس کے نام سرفہرست ہیں۔

اعلیٰ حضرت سے عقیدت کی بنا پر بابا سیتل پوری کے گدی نشین چراغ جلاتے ہیں ان دو بزرگوں کے تعلقات محبت وعقیدت کی رسم اب تک اس طرح جاری ہے کہ حضرت کے عرس کے موقع پر بابا صاحب کے جانشین ایک چادر اور پگڑی خانقاہ کے سجادہ نشین کو پیش کرتے ہیں ۔ اسی طرح خانقاہ کے سجادہ نشین کی طرف سے ایک دستار اور مزار مبارک کی چادر بابا سیتل پوری کے ہر گدی نشین کو دی جاتی ہے۔

بابا سیتل پوری نے ۹۸۳ھ میں انتقال کیا۔ بابا صاحب کی سمادھی تالاب کے دوسرے کنارے واقع ہے۔

۱ے باوا گوپال ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جب سن بلوغ کو پہنچے تو فقیری اختیار کی۔ سیر وسیاحت کرتے ہوئے حضرت بابا شاہ کمال کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور ان کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ حضرت شاہ کمال رح ان کو بابا بسم اللہ کہا کرتے تھے۔ فقرا میں مشہور ہے کہ باوا صاحب حضرت شاہ کمال کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ایک دفعہ دہلی میں چند فقیروں کے ہمراہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مست ہاتھی سامنے سے آیا، فیلبان نے احتیاطاً کہا کہ سامنے سے ہٹ جائیں۔ باوا صاحب نے کہا کوئی ڈر نہیں ہم خود مست ہاتھی ہیں۔ مست ہاتھی نے درویش کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ارد گرد چکر کاٹنے لگا۔ بادشاہ وقت تک یہ خبر پہنچی تو لطور نیاز کچھ نقد رقم بابا گوپال کی خدمت میں بھیجی انہوں نے وہ رقم واپس کردی۔ بعد ازاں بدایون ہوتے ہوئے جھجر تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ ۱۵۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ مزار جھجر میں ہے خلفاء میں سید محمود اور سید داؤد بدایونی معروف ہیں۔

ماخذ۔ عزیز الانوار ذکر ابرار قلمی از عبدالعزیز جھجری۔

بیرونی ممالک میں سیاحت کے دوران ترکی کے صدر سلطان سلیمان ذیشان متوکل علی اللہ ثالث کے زمانے میں سمرقند گئے تو حاکم سمرقند براق خان نے مہمان نوازی کی سعادت حاصل کرنا چاہی اور سلطان محمد خان بدخشانی مظفر خاں حاکم قندھار سطان احمد خاں بائیقرا سلطان محمود گجراتی نے بھی خاطر مدارت کرنا چاہی لیکن آپ نے کہیں بھی سرکاری مراعات قبول نہ فرمائیں۔ برصغیر پاک وہند کے حاکمانِ وقت شاہ بیگ ارغوان ہمایوں، شیر شاہ سوری، اکبر شجاع عالی، میراں محمد شاہ تردی بیگ شہاب الدین احمد خان ظفر خان، شہباز خاں، حمید خان، شاہ محمد فرعلی، حسین خاں اور خواص خاں نے آپ کی کفش برداری کو اپنے لیے سعادت عظمیٰ سمجھا۔ اس استغنا میں وہی شانِ فقر ملتی ہے جو حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ میں تھی آپ کو سلطان سنجر نے ایران کے صوبہ نیمروز کی گورنری پیش کی تو آپ نے پروانۂ تقرری پر یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم

زانکہ یافتم خبراز ملک نیم شب!
من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم!

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد ہے کہ "جب ہم کو بزرگانِ قادریہ کا کشف ہوتا ہے۔ تو حضرت شاہ کمال قادریؒ جیسا بزرگ نظر نہیں آتا"۔ آپ کی ایک مشہور کرامت یہ تھی کہ آپ کبھی کبھی سرخ لباس زیب تن فرماتے اسی دوران اگر کوئی سفید لباس پیش کرتا تو اِسے بخوشی قبول کرتے لیکن جیسے ہی وہ لباس پہنتے تو اس کا رنگ سرخ ہو جاتا۔ اسی بنا پر لوگ آپ کو لال دیال کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہی نہیں کہ آپ نے زندگی میں ہی لوگوں کو فیض پہنچایا

بلکہ وصال کے بعد بھی جو بے شمار صوفیأ آپ کے آستان سے رشد و ہدایت پاتے رہے ۔ ان میں حضرت شاہ فاضل الدین بٹالویؒ اور حضرت میراں شاہ بھیکؒ کی ذات بابرکات شامل ہیں ۔ حضرت شاہ بھیکؒ آپ کی درگاہ پر حاضری دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے دردمندی اور عرفان کی دولت حضرت شاہ کمالؒ کے در اقدس سے حاصل کی ہے ۔

فقرأ کا ایک گروہ عاشقان شاہ کمال قادریؒ کہلاتا ہے ۔

منقول تذکرۃ الفقراء

کتاب تذکرۃ الفقراء میں داراشکوہ قادری کا ایک شجرہ[۱] ملا ہے جو مندرجہ ذیل ہے

قادری شجرہ

حضرت میاں میر بالا پیرؒ
حضرت شاہ خضر ابدال سیوستانیؒ
رئیس الاولیأ حضرت شاہ سکندرؒ
شیر الاولیأ حضرت خواجہ حالیؒ
حضرت سید شاہ جمال مجردؒ
حضرت سید علی قادریؒ
حضرت لال شہباز قلندرؒ
حضرت ابو اسحاق ابراہیمؒ

نوٹ ۔ [۱] خاندانی ریکارڈ میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں ۔

حضرت شیخ مرتضیٰ سبحانی رح

حضرت شیخ احمد مبارک رح

حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رح

اعلیٰ حضرت شاہ کمال قادری رح نے ۷۵-۱۵۷۴ء مطابق ۹۸۱ھ ۲۸ جمادی الثانی کو وصال فرمایا۔

کیتھل کے علاوہ ملتان میں میراں شاہ کمال رح، ٹھٹھہ اور ضلع سانگھڑ میں شاہ کمال بغدادی رح سامانہ قصبہ پائل اور لدھیانہ میں بڑے پیر کے نام سے آپ کی چلہ گاہیں موجود ہیں۔ مغل پورہ گنج لاہور کے قبرستان میں آپ کے تربیت یافتہ چند صلحا کی قبور ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جامع مسجد شاہ کمال رح مرجع خلائق ہے۔ کمالیہ ضلع فیصل آباد اور قصبہ کمال پور (بھارت ریاست پٹیالہ) دونوں قصبے آپ کے نام پر آباد ہوئے۔

حضرت شاہ سکندر رؤس الاولیاء محبوب الٰہی

آپ شیخ الآفاق حضرت شاہ کمال کیتھلی رح کے پوتے اور امیر العارفین حضرت شاہ عمادالدین کے نور نظر ہیں۔ حضرت قطب العالم قطب الاقطاب تھے۔ آپ کم سنی میں ہی اپنے دادا بزرگوار سے فیض یاب ہوئے۔ اور فقر و ارادت کا خرقہ بھی انہی سے حاصل ہوا۔ آپ کی ذات سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ابوالحسنات کنیت رؤس الاولیاء محبوب الٰہی کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت شیخ الآفاق نے فرمایا " عمادالدین مبارک ہو۔ تو ایک ایسے بیٹے کا باپ ہے جس کے کمالات روحانی کا ایک زمانہ اعتراف کرے گا۔"

آپ کے بچپن کا واقعہ ہے۔

ایک روز آپ کے جدامجد حوض پر وضو فرما رہے تھے ان کی دستار قریب ہی رکھی تھی۔ آپ کھیلتے ہوئے آئے اور دادا کی دستار سر پر رکھ لی۔ دادا بزرگوار نے فرمایا بیٹا یہ دستار تمہاری ہے۔ تم نے جلدی کی مبارک ہو"۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ کمال وصال فرما گئے اور حضرت شاہ سکندرؒ مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الفؒ ثانیؒ نے آپ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جو سلسلہ جاری ہوا وہ مجددیہ قادریہ کہلاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "میں موسم گرما میں دوپہر کے وقت سورج کو دیکھ سکتا ہوں لیکن حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ کے قلب پر غلبہ اشعاع انوار کی وجہ سے نظر نہیں[1] ٹھہرتی"۔

بہ مصداق ضرب المثل ہر درخت اس کے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے رفیع الشان خلفاءؒ اور اولاد ہی آپ کی عظیم شخصیت اور علوم ترتبت ہونے کی کافی شہادت ہے۔ ایک انگریز اے۔ ایم سٹو نے اپنی کتاب ضلع کرنال کی تاریخ میں ان بزرگوں کے فیضان و کمالات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ کی اولاد کو عزت و شرافت کی یادگار مانا ہے۔

---

(۱) اکبر کے الحاد و بے دینی کے رد کے لئے جہاں کچھ درباری علماء حق پرست آگے بڑھے۔ وہاں شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی اور حضرت شاہ سکندر کیتھلی احیائے دین کیلئے آگے بڑھے ان کی اصلاحی تحریک سے ہندوستان میں اسلام کو ایک بار پھر عروج حاصل ہوا۔ اکبر کا لگایا ہوا زخم اگرچہ اتنا کاری تھا کہ جلدی مندمل ہونا ممکن نہ تھا اس زخم پر مرہم کا کام حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے کیا۔ جنہوں نے احیائے شریعت کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ ان کی بدولت اسلامی معاشرہ کو ہندوستان میں پھر سے استحکام اور عروج حاصل ہوا۔ امام ربانی مسلمانوں کو ایک الگ قوم دیکھنا چاہتے تھے ان کی یہی خواہش نظریۂ پاکستان کی اساس ہے۔

١٠ رجمادی الاول ۱۰۲۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔

آپ کے خاندان کے افراد ہر زمانہ میں خلقِ خدا کے لئے مرجع خلائق رہے ہیں اور آپ کا گھرانہ عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کی محبت کا مرکز رہا ہے آپ کی اولاد امجاد حضرت شاہ گدا رحمان[۱] عباس، حضرت شاہ قطب منور، حضرت شاہ محمد فلحال، حضرت شاہ محب[۲] الیاس، حضرت محمد شاہ علی، حضرت شاہ کبیر الدین[۳] عابد، حضرت شاہ محمد بالا ماہ، حضرت شاہ حسن الدین، حضرت سید محمد[۴] علی شاہ،

(۱) حضرت شاہ گدا رحمان کی اولاد سامانہ میں بھی آباد ہوئی تقسیم ہند سے قبل اس خاندان کے دو فرد عبدالنبی شاہ قادری اور سید محمد صدیق شاہ قادری حیات تھے۔ ان کا شجرہ سید کمال روشن جمال، سید شاہ نور الحسن، سید شاہ عبدالرزاق، سید شاہ قطب منور، سید شاہ محمد کمال ثانی، سید شاہ محمد فلحال، سید شاہ گدا رحمان اور حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہی سے جا ملتا ہے۔

(۲) مکتوبات معصومیہ دفتر اول میں دو مکتوب نمبر ۲۷ اور نمبر ۷۴ میں حضرت شاہ محب الیاس کے نام ملتے ہیں جن میں حضرت خواجہ محمد معصوم نے آنجناب کی بڑی تعریف کی ہے۔

(۳) کنج پورہ کے نواب نجابت علی خان افغان کو آپ سے خاص عقیدت تھی۔

(۴) ان بزرگوں کے تفصیلی حالات تذکرہ شاہ سکندر۔ دربار قادری الکمال اور مجددین سلسلۂ قادریہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مخدوم سید علی، قبلہ عالم سید عبدالعلی[1] قادری اور حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ قادری جیلانیؒ نے ہزاروں گم کردہ راہ لوگوں کو سیدھے راستے پر لگایا۔

حضرت عبدالعلی شاہ قادریؒ کے تین فرزند ہوئے۔ حضرت شاہ محمد شریف (جو کم سنی میں ہی انتقال کر گئے)، حضرت شاہ محمد حنیف قادریؒ[2]، حضرت مخدوم علی احمد شاہؒ قادری اپنے جد امجد حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کی پشت میں بارہویں بزرگ ہیں حضرت شاہ کمال اور حضرت شاہ سکندر کے در پر مسلم اور غیر مسلم ہر وقت حاضر رہتے ہیں یہ امر باعث حیرت ہے کہ تقسیم ہند کے بعد آج بھی ان بزرگوں کے عرس باقاعدگی کے ساتھ ہو رہے ہیں ۲۸ تا ۳۱ مارچ تک لوگ دور دراز سے آکر عرس کی تقریبات میں شامل ہوتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء سے درگاہ شریف کے انتظامات روشن لال گپتا سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۔ ہندوؤں کے تین مشہور خاندان کائستھ، کھتری اور تانون گو اس خاندان سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ان خاندانوں کے بچوں کو کسی مکتب و مدرسہ میں داخل کرانے سے پہلے ان کی رسم بسم اللہ خاندان قادریہ کے بزرگوں سے ادا کرائی جاتی تھی بزرگان قادریہ سے متعلق تقریباً تمام شاہان مغلیہ کے جو فرامین اب تک اس خاندان میں محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خانوادۂ گیلانیہ کی عظمت شاہان وقت کے دل میں کتنی تھی۔

۲۔ حضرت شاہ محمد حنیف شاہ قادریؒ نے ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۵۲ء کو قبولہ شریف میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت شاہ موسیٰ ابوالمکارم کے روضہ مبارک کے قریب دفن ہوئے۔

ایم اسلم اختر صحافی سمہ سٹہ ضلع بہاولپور کے نام کیتھل سے ان کے دوست شانتی سروپ صحافی لکھتے ہیں "جس جگہ تالاب بدھ کیار کے کنارے دو مقبرے شاہ کمال صاحب و شاہ سکندر قادری صاحب کے واقع ہیں اب وہاں میونسپل کمیٹی کی طرف سے سیرگاہ کے طور پر ایک بڑا شاندار پارک بن گیا ہے۔

ان ہر دو مقبروں کی حالت میں اب بڑی بھاری تبدیلی ہو چکی ہے وہاں بہت زیادہ صفائی اور چہل پہل دیکھنے میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں کافی عرصہ سے اب جمعرات کے روز شام کے وقت بے شمار مرد عورتیں اپنی اپنی توفیق کے مطابق پرشاد کے طور پر زیادہ تر بتاشے، کھوئے کی برفی، الائچی دانے اور روپے پیسے باقاعدگی کے ساتھ چڑھانے ہیں اور بانٹنے کے لئے پہنچتے ہیں۔ جس قدر پرشاد وغیرہ آج کل ان مزاروں پر چڑھایا جاتا ہے اتنا منگلوار کے روز یہاں کے ہنومان کے مندر میں بھی نہیں چڑھایا جاتا۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ مقبروں میں داخل ہونے پر قدرتی طور پر کچھ دیر کے لئے دل کو بڑی تسکین ہوتی ہے۔ بہت سے مرد عورتیں، لڑکے اپنی اپنی منتیں مان کر بھی وہاں سجدہ کرنے جاتے ہیں۔ آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے تو ایسا کچھ کبھی نہ تھا چونکہ آپ کی اہلیہ تو غالباً یہاں کے حالات سے قطعی طور پر ناآشنا ہیں اس بارے میں انہیں روشناس کروا کر اگر آپ لوگوں کی کوئی منت ہو تو اس کے متعلق مجھے تحریر فرمائیں آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کا خط آنے کے بعد جو بھی ویروار آئے گا اس شب کو ہر دو مقبروں پر جا کر آپ لوگوں کی طرف سے سلام کر آؤں گا اور پرشاد وغیرہ تقسیم کر آؤں گا۔

دونوں مقبروں کی صحیح ہسٹری مجھے معلوم نہیں، نہ بھائی مقیم صاحب سے ہی کبھی اس کے متعلق تذکرہ ہوا۔ مقبروں میں جو کہ شاہ کمال صاحب کا بتایا جاتا ہے صرف دو قبریں ہیں۔ اور دوسرے مقبرے میں جسے شاہ سکندر قادری صاحب کا بتلایا جاتا ہے تین قبریں اندر بنی ہوئی ہیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ پانچوں قبریں کن کن

بزرگوں کی ہیں اور انہوں نے کیا کیا کارنامے ماضی میں کیئے تھے جن کی وجہ سے ان اصحاب کو یہ شرف ملا۔"

ولادت باسعادت

۱۲ شعبان المعظم ۱۳۱۵ھ مطابق ۸ جنوری ۱۸۹۸ء بروز جمعۃ المبارک حضرت سید عبدالعلی لقب عبداللہ شاہ کے گھر ایسا چراغ روشن ہوا جس کی ضیا سے ہزار ہا انسانی قلوب ایمان کی روشنی سے منور ہوئے۔ آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے یکے بعد دیگرے دو خواب دیکھے تھے۔ والدہ صاحبہ نے دیکھا کہ وہ ایک لق ودق میدان میں ہیں اور ایک بچہ ان کے دائیں کبھی بائیں ساتھ ساتھ چل رہا ہے انہوں نے اپنے شوہر سے جو خود ولیٔ کامل تھے تعبیر پوچھی، موصوف نے فرمایا وہ بچہ ہمارے گھر کا چراغ۔ ہمارے آنگن کا اُجالا، تمہارا لختِ جگر، تمہارا ہونے والا بیٹا ہے۔ لاتعداد لوگ اس سے ہدایت پائیں گے۔ اس کا نام علی احمد رکھنا۔ چنانچہ آپ کا نام علی احمد ہی رکھا گیا۔ آپ کا تاریخی نام مظہر علی تھا۔

حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ قادری نجیب الطرفین تھے آپ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے سیدنا حضرت غوث اعظم سے جا ملتا ہے اور اپنے جدِ امجد حضرت شاہ کمال کیتھلی کی پشت میں بارہویں بزرگ ہیں۔ حسن اتفاق کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا شجرہ نسب[1] بھی حضرت غوث الاعظم کی والدہ ماجدہ کے خاندان سے ملتا ہے۔

ا ۔ قبلہ سرکار کے ننھیالی بزرگوں میں حضرت شاہ محمد شریف ؒ سلسلۂ چشتیہ صابریہ

باقی حاشیہ صفحہ نمبر ۲۱

(بقیہ صفحہ سابق) قبلہ سرکار کی والدہ ماجدہ کی طبیعت پر فقر اور درویشی کا رنگ غالب تھا۔ زہد و عبادت کی وجہ سے دل ذکر الٰہی سے سرشار تھا نماز تہجد سے فجر تک ذکر الٰہی

کے خدا رسیدہ بزرگ تھے حضرت شاہ محمد شریف کے آباؤ اجداد عراق سے بخارا کے راستے ہندوستان تشریف لائے تھے کچھ عرصہ بعد اس خاندان کے ایک بزرگ سید فخر الدین نے اعظم آباد (ترادڑی) ضلع کرنال میں سکونت اختیار کر لی۔ شیخ عطا محمد عطا نے لکھا ہے کہ ایک بار شیخ محمد شریف بو علی شاہ قلندر کے عرس پر پانی پت تشریف لائے۔ جب آپ مزار پر حاضر ہوئے تو حضرت قلندر نے اشارہ فرمایا کہ "محمد شریف تم یہیں ٹھہرو" چنانچہ آپ ایک حجرے میں ٹھہر گئے۔ زاد راہ ختم ہو گیا تو چھ دن فاقے سے گزرے۔ ناچار مزار پر حاضر ہوئے۔ اور عرض کی حضرت آپ نے مجھے بھوکا رکھنے کے لئے ٹھہرایا تھا۔ حضرت قلندر صاحب نے فرمایا "اپنے حجرے میں چلے جاؤ۔ رازق کو خود تمہارے رزق کا فکر ہے"۔

شام کے وقت ایک آدمی موٹی سی دو روٹیاں اور کچھ چٹنی لے کر آیا مگر آپ مرغ کا گوشت اور پراٹھے کھانے کے عادی تھے اس لئے وہ کھانا واپس کر دیا اگلی رات پھر فاقے سے گزری۔ ساتویں روز آستانہ عالیہ پر علی الصبح حاضر ہوئے اور کہا "مجھ سے چٹنی اور روٹی نہیں کھائی جاتی"۔ ارشاد ہوا کیا کھاؤ گے؟ عرض کی "مرغ کا گوشت اور پراٹھے"۔ حضرت قلندر نے آپ کو حجرہ میں واپس جانے کا اشارہ کیا چنانچہ حجرہ میں آ گئے۔ اب ہر روز بلا ناغہ مرغ کا گوشت اور پراٹھے ملنے لگے کچھ عرصہ بعد قلندر صاحب نے فرمایا "محمد شریف! رام پور جا کر خواجہ ابراہیم کے مرید ہو جاؤ کیونکہ طالب کے لئے دست بدست بیعت ہونا سنت نبویؐ کے

باقی اگلے صفحہ پر

یں مشغول رہتیں ذکر اسمِ ذات کی بے حد پابند تھیں بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی معمولات میں فرق نہ آتا۔ آپ کے زہد و اتقا کے سبب ہی عورتیں

مطابق ضروری ہے"۔ چنانچہ آپ رام پور پہنچے اور حضرت خواجہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے وہاں بھی آپ کو مطلوبہ غذا ملتی رہی۔ اس پر خواجہ صاحب کے دوسرے مریدوں نے شکایت کی کہ "ہمیں تو تنوری روٹی اور دال ملتی ہے اور شاہ صاحب کو مرغ کا گوشت اور پراٹھے ملتے ہیں"۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "میاں تم خود آئے ہو اور یہ کسی کے فرستادہ ہیں اس لئے ان کی خاطر مجھے عزیز ہے۔ اسی لئے یہ مجھ سے کچھ لینے نہیں بلکہ دینے آئے ہیں۔ مجھے عرصہ سے آرزو تھی کہ کوئی شہباز میرے دام میں پھنسے۔ اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو بھیج دیا ارے میاں یہ وہ سید ہیں چاہیں تو مجھ جیسے دس ابراہیم بنا دیں"۔ مرید یہ سن کر خاموش ہو گئے بالآخر موصوف نے آپ کو سندِ خلافت سے سرفراز فرما کر پانی پت واپس بھیج دیا اور فرمایا "قلندر صاحب آپ کی امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں"۔ حضرت شاہ محمد شریف صاحب پانی پت آنے کے بعد قلندر صاحب کے حکم پر نیاول تشریف لے گئے زندگی کا بیشتر حصہ نیاول میں گزارا۔ اور وہیں ۱۳ جمادی الثانی ۱۱۳۴ھ کو چھیاسی سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے چھوٹے بھائی شاہ عبداللطیف آپ کی تدفین ترادڑی میں چاہتے تھے آپ کے بھانجے سید غلام محی الدین کی خواہش تھی کہ نیاول میں ہی آپ کی آخری آرام گاہ ہو۔ چنانچہ جسد مبارک کو ترادڑی اور سامانِ حیات کو نیاول میں دفن کیا گیا۔ دونوں جگہیں زیارت گاہ اور مرجع خلائق ہیں۔

حضرت اقدس کے احوال و مقامات، ملفوظات، اذکار و اشغال اور مجاہدات

بقیہ اگلے صفحہ پر

خصوصی دعاؤں کے لئے آتیں۔ خدا نے آپ کی زبان معجز بیان کو تاثیر عطا فرمائی تھی آپ کی دعا سے خدا تعالیٰ لوگوں کی مشکلیں آسان کر دیتا۔

ایک دفعہ محلے کی ایک عورت عبدالوحید ہیڈ کانسٹیبل کی ماں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کا بیٹا تھانیداری کی ٹریننگ کیلئے پھلور جانا چاہتا ہے قبلہ سرکار کی والدہ نے استفسار فرمایا "تمہارے بیٹے کی ٹریننگ کتنے عرصے کی ہوگی" اس نے کہا آٹھ نو مہینے لگ ہی جائیں گے۔ تو انہوں نے فرمایا "بیٹے کو کہو پھلور جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں رہ کر ہاں کی خدمت کرے یہیں خدا اسے تھانیدار بنا دے گا"۔ چنانچہ عبدالوحید پھلور نہ گیا۔ اس کے باقی ساتھی ٹریننگ کے لئے چلے گئے خدا کی قدرت کہ ساتھیوں کی ٹریننگ مکمل ہونے سے قبل ہی عبدالوحید خان ترقی پا کر ہیڈ کانسٹیبل سے تھانیدار ہو گیا۔

ایک بے اولاد عورت آپ کی والدہ کی خدمت میں رہا کرتی تھی ایک دن اس نے کہا میرا شوہر اولاد کے لئے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے کیونکہ علاج معالجے کے باوجود ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوگی اس عورت نے بہت گریہ وزاری کی اس کی تڑپ دیکھ کر قبلہ سرکار کی والدہ کو رحم آ گیا۔ فرمایا "سات چھوہارے لے آ" جب وہ چھوہارے لے آئی تو دم کر کے اس عورت کو دے کر کہا "اپنے خاوند

و مراقبات پر مشتمل ایک کتاب "ملفوظات شریفی" یادگار کے طور پر باقی ہے۔

آپ نے شادی نہیں کی تھی۔ تجرد کی زندگی بسر کی۔ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سید عبداللطیف کو اپنا روحانی جانشین مقرر کر دیا تھا آپ کے پوتے سید عبدالحئ اور ان کے صاحبزادے شاہ غلام بو علی نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو خوب ترقی دی قبلہ سرکار کی والدہ ماجدہ ساتویں پشت میں سید وزیر علی کی صاحبزادی تھیں۔

کو کھلا دے"۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ عورت جلد ہی ماں بن گئی اور اس کے شوہر نے دوسری شادی کا ارادہ ترک کر دیا۔

قبلہ سرکار کے والد ماجد قبلۂ عالم حضرت سید عبدالعلی قادری صاحب ملقب بہ عبداللہ شاہ اپنے زمانے کے لاثانی بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قبلہ عالم کو حضرت علی احمد شاہ کی صورت میں بہترین عطیہ سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی عجب حکمت ہے کہ جنہیں وہ اعلیٰ وارفع مراتب بخشتا ہے محرم خاص بناتا ہے انہیں بچپن میں ہی یتیم کر دیتا ہے، بچاپن ہے۔ قبلہ سرکار تین سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد نے وصال سے کچھ دیر پہلے اپنے چچا میاں غلام رسول شاہ صاحب سے کہا کہ علی احمد کو میرے پاس لائیں۔ قبلۂ عالم نے اپنے کم سن فرزند کو سینہ پر لٹا لیا اور اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈال دی قبلۂ عالم دیر تک اپنا سینہ ان کے سینے سے ملتے رہے اور فرمایا "میں نے اپنی روحانی نسبت اس میں منتقل کر دی"۔

آپ کی پرورش آپ کی والدہ کے علاوہ حضرت غلام رسول شاہ کے سپرد ہوئی لیکن اس نونہال کی پرورش تو قدرت نے اپنے ذمہ لی تھی اس لئے یہ سہارا بھی جلد چھن گیا اور ڈیڑھ سال بعد حضرت غلام رسول شاہ کا بھی وصال ہو گیا اور یوں تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ پرورش کی بھی مکمل ذمہ داری آپ کی والدہ پر آن پڑی۔ خانۂ درویش میں دنیاوی مال و دولت کے لئے جگہ نہ تھی۔ خدا کے برگزیدہ بندوں کے لئے اتنا ہی بہت ہے کہ ضروریات زندگی پوری ہو جائیں لیکن یہاں ضروریات زندگی پورا کرنے کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے دل و دماغ سے جہاد کے ولولہ انگیز جذبہ کو ختم کرنے کے لئے انگریز حکام نے طرح طرح کے لالچ دے کر ضمیر فروش علماء اور مشائخ سے جہاد کے خلاف فتوے لینے شروع کئے تو قبلۂ عالم

حضرت مخدوم سید علی قادری (قبلہ سرکار کے دادا بزرگوار) سے بھی فتویٔ عدم جہاد لینا چاہا لیکن آپ نے اس فتوی پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انگریزوں نے آپ کی آبائی املاک جو شاہان مغلیہ کی طرف سے بطور وراثت آپ کے خاندان میں چلی آرہی تھی، سرزنش کے طور پر ضبط کر لیں۔ آپ کی بے نیازی اور توکل کا یہ عالم تھا کہ کسی انگریز حاکم سے جائیداد واگزار کرانے کے لئے بھی کوئی کوشش روا نہ رکھی اور نہ ہی کوئی درخواست دی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت سید عبداللہ شاہ (قبلہ سرکار کے والد) کو بھی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ نے ایسا کوئی اثاثہ نہ چھوڑا جس پر قبلہ سرکار کی والدہ آسانی سے گذر اوقات کر سکتیں اس لئے ان کو صبر آزما مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود کبھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔ خود ہی گھر کی چار دیواری میں چرخہ کات کات کر اور چکی پیس پیس کر محنت مشقت سے اپنے بچہ کی پرورش کی۔ آپ دعا مانگتیں تو بس اتنی کہ "اے اللہ اس بچہ کو تیری پناہ میں دیتی ہوں یہ تیری عطا ہے اس پر اپنا فضل وکرم خاص کر اور اس کی اولاد پر برکت نازل فرما"۔

ان دنوں کیتھل شہر کی گلیوں میں ایک مجذوب یہ کہتا پھرتا تھا کہ اس خانوادے میں ایک پھول کھلنے والا ہے جس کی رعنائی اور خوشبو سے گلستانِ معرفت مہک اُٹھے گا اس مجذوب درویش کا نام "صفدر علی" تھا۔ گو بندا مست کے نام سے مشہور تھا وہ مجذوب غوثیت کے⁽¹⁾ مقام پر فائز تھا۔ بابا صفدر علی جذب کے عالم میں یہ صدا لگایا کرتا "اس خانوادے میں روحانیت کی خوشبو سے معمور پھول کھلنے والا ہے"۔

بابا صفدر علی جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے آپ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا سخاوت میں سورج کی طرح۔ عاجزی میں پانی کی طرح۔ تحمل میں

---

(۱) لوگوں نے کئی مرتبہ رات کے وقت بابا صفدر علی کا سر ان کے دھڑ سے الگ دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے بزرگ غوثیت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

زمین کی طرح ہونا اور عاجزی اختیار کر کے خلق کے مظالم برداشت کرنا۔ تعلیم و تربیت ہے۔

ے فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہرِ ملکوتی — خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے جن برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کرتا ہے انہیں ملکوتی صفات سے متصف فرما کر دنیا میں بھیجتا ہے اولیاء اللہ سے بچپن اور لڑکپن میں ہی خصوصی صفات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاصانِ خدا کا بچپن عموماً عام بچوں سے مختلف ہوتا ہے وہ بچپن اور لڑکپن کے تقاضوں سے بے نیاز کھیل کود میں منہمک ہونے کی بجائے کائنات کو یوں تکتے ہیں جیسے انہیں کسی کی تلاش ہو۔ یہ تلاش اور تجسس عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے وہ خود کو کھو کر اسرارِ حیات اور کائنات کے رازہائے لبستہ کو پا لیتے ہیں طالبانِ حق کی زندگی کا مقصد و منتہا یہی ہوتا ہے۔

قبلۂ سرکار پیدائشی ولی تھے۔ اوائل عمر سے ہی آپ کی عادات عام بچوں سے مختلف تھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن ہی میں مجھے لوگوں سے وحشت ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی لڑکا آپ کا دوست نہ تھا۔ ایک مست نظام نامی سے آپ کسی حد تک مانوس تھے۔ جب کبھی کسی ضروری کام سے باہر نکلتے وہ آپ کے ساتھ رہتا وہ آپ کا بے حد احترام کرتا۔ تجلیاتِ الٰہی اور عنایاتِ ربانی کے انوار آپ کی روشن پیشانی سے ہویدا تھے اور پیشانی پر چمکنے والا نور ہی اس تعظیم کا باعث تھا۔

آپ بچپن ہی سے بے حد متین سنجیدہ اور مؤدب تھے کھیل کود کی طرف طبیعت قطعاً مائل نہ تھی۔ کم سنی سے ہی پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ دستور زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم مسجد میں حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں

قرآن پاک ختم کیا۔ بعض روایات کے مطابق آپ حافظِ قرآن تھے کچھ درسی کتابوں کے علاوہ گلستان، بوستان ۔ درس نظامی کریما اور پند نامہ وغیرہ مولانا مرتضٰے سے پڑھی اس کے بعد پرائمری سکول میں داخل ہوئے بعدازاں مڈل سکول میں تعلیم حاصل کرنے لگے آپ کی تمام تر توجہ تعلیم کی طرف تھی سکول کا کام گھر پر باقاعدگی سے کرتے سکول کے علاوہ کہیں نہ جاتے ۔

سردی کے موسم میں طالب علم اور اساتذہ موسم کے مطابق گرم کپڑے پہنتے مگر آپ کسی گرم کپڑے کے بغیر ہی سکول پہنچتے ایک دن سکول کے ہیڈ[1] ماسٹر نے سخت سردی کے موسم میں آپ کو جب گرم کپڑے پہنے بغیر دیکھا تو پاس بُلا کر کہا "سردی کے موسم میں گرم کپڑے پہن کر سکول آیا کرو۔ ورنہ نمونیہ ہو جائے گا"۔ آپ نے گھر آکر والدہ سے کہا کہ ہیڈ ماسٹر نے سکول میں گرم کپڑے پہن کر آنے کی تاکید کی ہے۔ والدہ نے ہلکی سی چادر آپ کو اوڑھا دی۔ آپ نے چپ چاپ وہ چادر اوڑھ لی اور سکول جانے لگے تب ہیڈ ماسٹر پر آپ کی مالی حالت ظاہر ہوئی ایک روایت کے مطابق ہیڈ ماسٹر آپ کی کتابوں اور ضروریات کا خیال رکھنے لگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ سرکار کا بچپن کتنے نامساعد حالات میں گزرا۔ اس غربت میں بھی آپ اوصاف حمیدہ، اخلاق جلیلہ، کمالات باطنی اور روحانی اوصاف کی وجہ سے دوسرے بچوں سے بالکل منفرد دکھائی دیتے تھے ۔

آپ کے سب ہی اساتذہ آپ کی روحانی عظمت کے دل سے معترف تھے ۔ لیکن ایک ہندو ماسٹر راج ورج پال اس قدر قائل تھے کہ احترام کی وجہ سے زندگی بھر کسی کو یہ نہیں بتلایا کہ انہیں آپ کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے حالانکہ بڑی شخصیتوں کے استاد عموماً فخریہ انداز میں اپنے ان شاگردوں کا ذکر کرتے ہیں شہر میں اس وقت کوئی ہائی سکول نہ تھا اور طلباء کو مزید تعلیم کے لئے کرنال جانا پڑتا تھا۔ ہاسٹل کے اخراجات آپ کی استطاعت سے باہر تھے اس لئے مزید

۱۔ اس زمانہ میں ہیڈ ماسٹر انگریز ہوا کرتے تھے ۔

تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔
بچپن اور لڑکپن کے نامساعد حالات کا اثر انسان کے دل و دماغ پر ضرور ہوتا ہے بسا اوقات شخصیت نا مکمل اور ادھوری رہ جاتی ہے۔ لیکن نامساعد حالات کے باوجود قبلہ سرکار کی طبیعت میں کوئی احساس محرومی پیدا نہیں ہوا۔

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

باطنی اور روحانی تربیت کا زمانہ

اولیا اللہ کی زندگی اگرچہ دوسروں کے لئے مشعل راہ ہے لیکن خود ان کے لئے مسلسل آزمائش ہوتی ہے یہی آزمائش اور امتحان ان کی باطنی صلاحیتوں کو جلا بخش کر ان کے قلوب کو اس طرح منور کر دیتا ہے کہ اس سے پھوٹنے والی روشنی گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو راہ مستقیم دکھاتی ہے۔

قبلہ سرکار کو اوائل عمر ہی سے مالی مشکلات کا سامنا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لئے بھی مالی وسائل نہ تھے بعض اوقات فاقے کی نوبت بھی پہنچ جاتی۔ مگر توکل کا یہ عالم تھا کہ کسی کو اپنے حالات بتانا گوارا نہ کرتے آپ صحیح معنوں میں صاحبِ فقر تھے۔ صاحبِ فقر کی سب سے بڑی خصوصیت شان استغنا ہے۔

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثلِ حبابِ آب جو رہنا۔

کچھ عرصہ کے لئے ریلوے کے محکمہ میں لدھیانہ ملازمت کی لیکن جلد ہی ملازمت چھوڑ کر گھر آگئے۔ قدرت نے دوسرا ذریعہ بنا دیا۔

جامع مسجد کے خطیب حضرت مولوی شمس الاسلام نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے پرائمری سکول کھولا ہوا تھا۔ یہ سکول انجمن کے تحت تھا۔ سکول میں دینی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مسلمان بچے خاصی تعداد میں پڑھتے تھے مولوی صاحب

قبلہ سرکار کی مالی حالت سے واقف اور آپ کی خاندانی نجابت سے آگاہ تھے اس لئے انہوں نے آپ کو سکول میں بچوں کو پڑھانے کی پیشکش کی جسے قبلہ سرکار نے قبول کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مولانا نے اپنے مرشد کی ہدایت پر قبلہ سرکار کو پیشکش کی تھی۔ (مولانا کے مرشد سائیں توکل شاہ انبالوی تھے) ابتدائی جماعتوں کے بچوں کو آپ بڑی محبت سے پڑھاتے اور بے حد شفقت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ جن لوگوں نے آپ کو تعلیم دیتے دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ آپ بے حد شفیق استاد تھے۔ بچے آپ سے بہت مانوس تھے۔ کیونکہ طبیعت میں روایتی استادوں والی سختی اور درشتی کا شائبہ تک نہ تھا ایک روایت کے مطابق دو سے اڑھائی سال تک ملازمت کی۔ بعد ازاں تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا ملازمت چھوڑنے کے بعد روحانی تربیت اور باطنی کمالات کی تکمیل کے لئے گوشہ نشین ہو گئے آپ کا زیادہ تر وقت ذکرِ الٰہی میں گزرنے لگا۔

قبلہ سرکار عارف کامل تھے۔ قدرت نے آپ کو ایسی ظاہری اور باطنی استعداد عطا کی تھی جو باطنی علوم سیکھنے اور روحانی بصیرت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے آپ بچپن ہی سے تنہائی پسند تھے۔ زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے ابھی لڑکپن ہی تھا آپ بالکل نوعمر تھے کہ ایک پہلوان کشتی کے مقابلہ میں شریک ہونے سے پہلے جلوس کے ہمراہ دعا کے لئے قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے در دولت کی طرف روانہ ہوا۔ لوگوں کا ہجوم شور مچاتا ہوا پیچھے پیچھے آرہا تھا آپ کو لوگوں سے ملنا پسند نہ تھا۔ چنانچہ فوراً ہی صحن سے زنان خانہ میں آگئے۔ پہلوان حاضر ہو کر طالب دعا ہوا تو آپ کی والدہ نے بصد مشکل آپ کو باہر بھیجا۔ آپ نے پہلوان کو نیک دعاؤں سے رخصت کیا۔

اولیائے اللہ کی باطنی تربیت گوشہ نشینی میں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ خلوت نشینی

سے دل کی اصلاح ہوتی ہے۔ جب تک دل کی اصلاح نہ ہو عرفان الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا اور ذکر الٰہی کے بغیر دل میں عشق الٰہی کے لطیف اور پاکیزہ جذبات پیدا نہیں ہو سکتے ۔ نہ ہی عشق الٰہی کے سوتے پھوٹتے ہیں ۔ کائنات کے اسرار و رموز اور فکر کی طرف بھی طبیعت مائل نہیں ہوتی ۔ اصلاحِ قلب اور عرفانِ الٰہی کے لئے اولیا اللہ کچھ عرصہ کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں چنانچہ اس ارفع مقصد کے حصول کی خاطر قبلہ سرکار دنیا سے لاتعلق ہوکر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے کبھی ویرانے اور جنگل کی طرف نکل جاتے ۔کیونکہ ذاتِ حق اور صفات الٰہی کا عرفان مشاہدہ فطرت سے ہی ہوتا ہے ۔جنگل اور ویرانے میں قدرت کی صناعی اپنی اصلی شکل میں نظر آتی تو آپ کو یوں محسوس ہوتا جیسے کائنات کا ذرّہ ذرّہ قدرت کی لازوال کرشمہ سازیوں کی گواہی دے رہا ہے ۔سنت نبویؐ کی پیروی میں اکثر قبرستان بھی جاتے جہاں دنیا کی بے ثباتی بھی آشکار ہوتی ۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان تشریف لے جایا کرتے تھے صحابہ کرام کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی قبرستان جانے کی تاکید فرماتے ۔حدیث پاک ہے ۔ "زیارت قبور کے لئے جاؤ خود عبرت حاصل کرو اور مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا کرو"۔

قبلہ سرکار نے جب تدریس کا سلسلہ چھوڑا تو آپ رات کو حضرت خواجہ صوفی[1] بدھنی عبدالرشید شاہ کے مزار پر جاتے اور پوری پوری رات وہیں ذکر الٰہی میں گزار

---

(۱) حضرت خواجہ عبدالرشید صوفی بدھنی معروف شاہ ولایت ابن خواجہ سید نصیر الدین مکیؒ آپ کے والد شہاب الدین غوری کے عہد میں مکہ معظمہ سے ہندوستان آئے اور کیتھل کو مسکن بنایا ۔صوفی بدھنی یہیں پیدا ہوئے ۔آپ کی پیدائش سے قبل حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بموجب ارشاد حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ آپ کے لئے خرقہ و دستار لے کر آئے اور تین روز کیتھل میں قیام کیا حضرت صوفی نے تمام

دیتے آپ کو صاحب مزار سے بھی اویسی طریقہ پر فیض حاصل تھا۔ لیکن زیادہ
تر فیض اپنے جد امجد سے ہی ملا۔ کچھ عرصہ تو آپ باقاعدگی سے حضرت خواجہ عبدالرشید
صوفی بدھنی کے مزار مبارک پر تشریف لے جاتے رہے لیکن پھر اس معمول میں فرق
آگیا۔ زیادہ تر وقت جد امجد کے مزارات پر ہی گزرنے لگا۔ پندرہ سال بعد جب

عمر شادی نہیں کی چہرہ پر نقاب رہتا تھا۔ حافظ قرآن تھے صبح سے شام تک
دو قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ اور رات کے وقت تین سو نوافل ادا کرتے تھے سبب
وفات یہ ہے کہ آپ کا مرید سوداگر تھا۔ اس نے تجارت میں منافع کی درخواست کی
منافع ہونے پر سوداگر نے ایک اشرفی نذر کے طور پر آپ کے تکیہ کے نیچے رکھ دی
کیونکہ اس وقت آپ سو رہے تھے۔ اچانک آپ کی انگلی اشرفی سے چھو گئی طبیعت
حد درجہ مکدر ہوئی فرمایا ہمارا ہاتھ آج ناپاک ہو گیا۔ انگلی کو اینٹ پر رگڑنا شروع
کیا جس کی وجہ سے انگلی متورم ہو گئی۔ اسی عارضہ میں انتقال کیا۔ وہ ہاتھ آپ کے
وجود سے الگ رہا۔ تدفین کے بعد ہی قبر شق ہوئی اور آپ کا دست مبارک
قبر سے باہر آگیا۔ مخدوم سید امان اللہ خراسانی جو پیر مخدوم کے لقب سے مشہور ہوئے لوگوں
نے تمام ماجرا ان کی خدمت میں عرض کیا حضرت مخدوم نے اپنے لب مبارک سے انگلی کو
پاک کیا تو آپ کا ہاتھ قبر کے اندر گیا۔ پھر باہر نہیں نکلا۔ روایت ہے کہ حضرت
بختیار کاکی اور حضرت صوفی بدھنی حج پر جاتے ہوئے چنگیزی مغلوں کے ہاتھوں بغداد
میں گرفتار ہو گئے۔ زندان میں تمام قیدی بھوکے پیاسے تھے خواجہ بختیار کاکی نے
کرامت کے طور پر تمام قید خانے میں قیدیوں کو اپنی بغل سے تازہ روٹیاں نکال کر
تقسیم کیں اور شیخ صوفی نے اپنے لوٹے سے پانی پلانا شروع کیا تاآنکہ سب کو سیراب
کر دیا۔ اس وقت سے حضرت خواجہ کا لقب کاکی مشہور ہوا۔ کیونکہ ترکی زبان میں
کاک بمعنی روٹی ہے۔ اور شیخ صوفی بدھنی مشہور ہوئے۔ بدھنا بمعنی لوٹا ہے۔

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

آپ کے روحانی کمالات اپنے عروج پر پہنچ گئے اور باطنی بصیرت میں پختگی پیدا ہو گئی تو آپ نے حکم خداوندی سے گوشہ نشینی اور خلوت گزینی ترک کی۔ خلوت نشینی صوفیائے کرام کا مقصد حیات نہیں ہوتا۔ وہ تزکیۂ نفس اور جلائے قلب کے لیے ابتداء میں گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں۔ جب عشقِ حقیقی رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے اور نفسِ مطمئنہ کی وجہ سے ان کی مرضی رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتی ہے اور نورِ ایمانی سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اسلام کی سربلندی کے لیے دنیا کے گوشے گوشے میں پیغام حق پہنچانے کے لیے جلوت میں آتے ہیں۔

بزرگان دین کا مقصدِ حیات دین کی سربلندی اور ایمان کی روشنی سے مسلمانوں کے دلوں کو منور کرنا ہوتا ہے۔ اولیائے کرام بڑی بڑی کڑی آزمائشوں سے گزرتے ہیں آقائے دو جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کو انتہائی سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ آپ کے بعد رسالت کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو رشد و ہدایت کا اہم فریضہ صحابہ اور آئمہ کرام کے بعد اولیاء اللہ کے سپرد ہوا۔ ان کو بھی آزمائش کی بھٹی میں ڈالا گیا۔ جہاں سے وہ کندن بن کر نکلے۔ قبلہ سرکار کو بھی مالی مشکلات اور تنگدستی کے سبب فاقہ کشی بھی کرنا پڑی۔ کئی کئی روز فاقے سے گزر جاتے۔ والدہ صبر کی

حضرت صوفی بدھنی کے وصال پر سلطان علاؤ الدین غوری آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے مقبرہ اور مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ کا وصال ۵۴۰ھ کے لگ بھگ ہوا۔ مزار محلہ سادات کے بالکل قریب ہے۔

تلقین کیا کرتیں۔ ایک دن نقاہت زیادہ محسوس ہوئی تو خلوت میں نماز کے بعد بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو کر عرض کی۔ "اے اللہ! یہ فقیر تیرے در کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے سوال نہیں کرے گا۔"

"کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ فقر کیا ہے انہوں نے فرمایا اپنی حاجت یا ضرورت کا کسی دوسرے سے اظہار نہ کرنا۔ اور اسے دل میں پوشیدہ رکھنا"۔ کسی بزرگ کا قول ہے "درویش مالکِ حقیقی سے صدقہ حاصل کرتا ہے۔ درمیانی واسطہ سے نہیں لیتا۔ اور جس نے درمیانی واسطہ سے قبول کیا وہ برائے نام درویش ہے کیونکہ اس کی ہمت پست ہے۔"[1]

قبلہ سرکار صحیح معنوں میں درویش تھے۔ اس لئے آپ نے خالقِ حقیقی سے ہی عرض کی کہ تو جس حال میں رکھے گا۔ تیرا بندہ اسی حال میں رہے گا۔ تو خود ہی جود و کرم کا در کھولے گا۔ یہ نیاز مندانہ عرض بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ چنانچہ اسی رات آپ نے خواب میں ہاتف غیبی سے سنا "خزانے کی کنجی لے"۔ آپ نے کہا "مجھے خزانہ نہیں خدا کی خوشنودی چاہیئے میری صرف یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے"۔ اس کے بعد آپ کو فاقہ کی کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ اور فتوحات غیبیہ کھل گئیں۔

ع
ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم
آں ساقی و آں پیمانہ ایم

چنانچہ آپ خدمتِ دین اور اصلاحِ انسانیت کے لئے مخلوق کی طرف متوجہ ہوئے ملک کے گوشہ گوشہ سے معتقدین نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر

---

(۱) عوارف المعارف از عمر بن شہاب الدین سہروردی صہ ۱۹۵

ہونے لگے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے ان عقیدت مندوں میں محمد بشیر
نومسلم ٹھیکیدار بھی تھا۔
محمد بشیر حضرت شیخ طیب کی اولادؒ سے تھا۔ ان کا محلہ شیخ طیب کہلاتا ہے
شیخ طیب کا مقبرہ کیتھل میں ہے۔ اس مقبرے کی بنیاد حضرت شاہ سکندر محبوب
الٰہی سے رکھوائی گئی تھی۔ ایک روایت کے مطابق شیخ طیب کی دو بیویاں تھیں۔
ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ مسلمان بیوی سے جو اولاد تھی وہ مسلمان تھی محمد
بشیر ان میں سے تھے۔ اس خاندان کو بزرگان قادریہ سے گہری عقیدت تھی محمد
بشیر قبلہ سرکار کے ظاہری اور باطنی کمالات اور بلند مراتب سے بہت متاثر تھا
وہ معمار تھا۔ اس نے آپ کا مختصر مکان دیکھا جو صرف ایک کمرہ اور صحن پر مشتمل تھا
تو اپنے بھائیوں کی مدد سے آپ کا بڑا کشادہ مکان تعمیر کیا۔
ان ہی دنوں ایک ایسا واقعہ ظہور میں آیا کہ ہر سو شور مچ گیا۔ ایک بنیاء
تھا جس نے آپ کی اراضی پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا قدرت نے اس کو یہ سزا دی کہ
گھر میں ہر طرف غلاظت پھیل گئی۔ بستر، چارپائیاں، کپڑے، الماریاں، برتن
غرض گھر میں کوئی جگہ اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں غلاظت نہ ہو۔ مہاجن
سخت پریشان ہوا جو لوگ قبلہ سرکار کے روحانی مراتب سے واقف تھے انہوں نے مہاجن کو
احساس دلایا کہ تم نے قبلہ سرکار کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے جب تک تم خدمتِ

شیخ طیب کیتھل کے بڑے عابد و زاہد تھے۔ شہنشاہ اکبر کے امراء میں سے
تھے آپ حضرت شاہ کمالؒ قادری کیتھلی کی نگاہ فیض سے مسلمان ہوئے۔ انہوں نے
کیتھل میں ایک مسجد تعمیر کی جو ان کے نام (مسجد شیخ طیب) سے منسوب ہے یہ مسجد
بہت نفیس شاندار اور قابل دید ہے۔

اقدس میں حاضر ہو کر معافی نہیں مانگو گے اس غلاظت سے نجات نہیں ہو گی چنانچہ
بنیا حاضر خدمت ہوا اور معافی مانگ کر زمین بھی واپس کی تب اسے اس غلاظت
سے نجات ملی۔

شادی :۔ قبلہ سرکار ابھی روحانی و باطنی مراحل سے گزر رہے تھے
کہ آپ کی شادی کر دی گئی رفیقۂ حیات آپ کے ماموں کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی
پرورش بھی خاندانی مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ یہ قدرت کا خاص انعام تھا جس
نے آپ کو ایسی رفیقۂ حیات دی جو حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے
بھی متصف تھیں آپ بے حد عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں اس لئے شادی
کے بعد بھی قبلہ سرکار کے روزمرّہ کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا آپ کی اہلیہ
آپ کی عبادات و وظائف کے معمولات میں کبھی حارج نہ ہوئیں۔ وہ سلیقہ شعار
اور سلجھے ہوئے مزاج کی مالک تھیں۔ اپنے گھریلو فرائض بڑی خوش اسلوبی سے
انجام دیتی تھیں قبلہ سرکار کو صفائی اور پاکیزگی کا بدرجۂ اتم خیال رہتا تھا آپ کے مزاج
میں بے حد نفاست تھی رفیقۂ حیات کی طبیعت میں بھی بے حد پاکیزگی تھی۔ صفائی
ستھرائی ہر دم اور ہر آن ملحوظ رہتی۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے کو
جانور پالنے کا بہت شوق تھا جیسا کہ عموماً بچوں کو ہوتا ہے۔ انہوں نے کچھ کبوتر
اور ایک بکری پال رکھی تھی والدہ کو پرندوں اور جانوروں کی گندگی ناگوار تھی
اس لئے کبوتر اور بکری کو گھر میں رکھنے کی اجازت نہ تھی صاحبزادہ نے بکری اور
کبوتر اپنے گھر سے نزدیک اپنے خادم نیاز احمد کے گھر رکھ چھوڑے تھے۔ صبح
شام اس کے گھر جا کر اپنے پالتو پرندوں اور جانوروں کو دیکھ آتے۔ اور شوق
پورا کر لیتے۔

قبلہ سرکار کے گھر مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ دور دراز مقامات سے مرید

آتے ۔مہمانوں کی ہمہ وقتی آمد ورفت سے خاتونِ خانہ کا کام اور مصروفیت بہت بڑھ گئی تھی ۔لیکن اس کے باوجود کبھی حرفِ شکایت لب پر نہ لاتیں ۔بڑی خوش دلی اور خندہ پیشانی سے مہمانوں کی پذیرائی اور تواضع کرتیں ہر وقت کی مہمانداری سے گبھرا کر کبھی ، بیزاری کا اظہار نہیں کیا ۔بلکہ خندہ پیشانی سے سب کی خاطر مدارات کرتیں مہمانوں کے قیام وطعام کا ایسا انتظام ہوتا کہ ان کو گھر کا سا آرام ملتا کوئی باقاعدہ ملازمہ نہ تھی ۔خادم نیاز کی بیوہ ماں یا کوئی اور عورت ہاتھ بٹا دیتی گھر کے سارے کام قبلہ سرکار کی والدہ ماجدہ اور زوجہ محترمہ خود کرتیں ۔

قبلہ سرکار کی حیات پر نظر ڈالیں تو آپ پیکرِ صبر ورضا نظر آتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا کہ اس نے اپنے برگزیدہ بندے کو ایسی شریکِ زندگی دی جس نے نامساعد حالات اور تنگ دستی کے باوجود تمام عورتوں کی طرح دنیاوی آسائشوں کی خواہش کا اظہار کر کے آپ کو پریشان نہیں کیا ۔قبلہ سرکار کا بیشتر وقت ذکر الٰہی اور وظائف میں گزرتا ۔کچھ خدمت خلق کے لئے وقف تھا اس لئے گھر کی تمام تر ذمہ داری کے علاوہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں بھی بیشتر ان ہی کا حصّہ ہے قبلہ سرکار اپنی اہلیہ کے صبر وضبط کی اکثر یت تعریف کرتے تھے ۔

بزرگانِ دین اور مشائخ عظام کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایسے کئی بزرگ نظر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے صبر سے عاری ،جھگڑالو اور زبان دراز بیویاں دے کر آزمائش میں ڈالا ۔یوں زندگی بھر وہ اس دنیا میں امتحان سے دوچار رہے ۔ قبلہ سرکار کو قدرت نے اس آزمائش میں نہیں ڈالا ۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ سخت بیمار ہو گئے ۔ علاج معالجہ کے باوجود بیماری نے ایسا طول پکڑا کہ صحت یاب ہونے کی امید نہ رہی ۔بیماری کے دوران کافی رات گئے بی بی صاحبہ نے دیکھا کہ ایک نورانی صورت بزرگ آپ کی چارپائی کے قریب

کھڑے آپ پر دم کر رہے ہیں۔ بی بی صاحبہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئیں ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھیں کہ بزرگ نے کہا "پریشان نہ ہوں میں عبدالعلی شاہ ہوں" صبح ہوئی تو قبلہ سرکار کی طبیعت کافی سنبھلی ہوئی تھی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدومہ بی بی صاحبہ بڑی برگزیدہ ہستی تھیں جو قبلہ سرکار کے والد ماجد جیسے عظیم المرتبت بزرگ کو ان کے وصال کے بعد یوں کھلی آنکھوں دیکھ رہی تھیں

دستار بندی :۔ قبلہ سرکار نے اگرچہ رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن حسب دستور آپ کی دستار بندی نہیں ہوئی تھی۔ دستار بندی ایک رسم ہے آپ ان رسمی قیود سے آزاد رہنا چاہتے تھے لیکن لوگوں کی زبردست خواہش تھی کہ دستور کے مطابق دستار بندی ہونی چاہئیے۔ چنانچہ شہر کے عمائدین جن میں ذیلدار عبدالشکور خان، قاضی شریف حسین سفید پوش، خطیب عیدین شیخ امام الدین قریشی، فیض الحسن خان اور عبدالواحد وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے دستار بندی کی تحریک چلائی۔ ہندو مسلمان معتقدین نے ان کی ہمنوائی کی۔ اگرچہ آپ اس ظاہری رسم کے قائل نہ تھے لیکن لوگوں کے اصرار اور ان کی خواہش کے پیش نظر اجازت دے دی۔ چنانچہ دستار بندی کے لئے ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۴۵ء کا دن مقرر ہوا۔ مقامی اور بیرون شہر ہندو مسلم متعقدین اور مریدوں کو دعوت نامے بھیجے گئے مقررہ تاریخ سے کچھ دن پہلے دور و نزدیک سے مہمان آنے شروع ہوئے۔ (مہمانوں میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی شامل تھے) ہندو مہمانوں کے لئے کھانے پینے کا الگ انتظام تھا

۱۔ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ شہر کے معروف اشخاص میں شمار ہوتا تھا۔ عیدین کی امامت ان کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔

قبلہ سرکار کے مریدوں اور اس خاندان کے ارادت مندوں کو اس عارف کامل کی دستار بندی سے جو خوشی تھی اس بات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ تقریب میں ہندو مسلمان امیر غریب بلا تفریق مذہب و ملت ہر رنگ و نسل اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں نے شرکت کی تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد محمود علی مائل کرنالی نے تقریب کی مناسبت سے تقریر کی۔ تقریر کے بعد نعت خوانی ہوئی مائل کرنالی نے مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے۔

ع شہا تم صاحب اسرار دیں ہو — رئیس الاولیاء کے جانشین ہو

کمالی مہر کے نقش و نگیں ہو — جناب شہ سکندر کے امیں ہو

ہماری کشتیوں کے ناخدا اب — جناب شہ علی احمد تمہیں ہو

تمہیں پر اب نگاہیں اٹھ رہی ہیں — کہ بزم کیف کے مسند نشیں ہو

یہ حسرت ہے شہا مائل کے دل میں

مرے اشک اور تمہاری آستیں ہو۔

اس کے بعد ڈاکٹر قمر مسعود جنرل سیکرٹری مسلم لیگ نے سجادہ نشینی کا اعلان کیا حضرت شاہ کمال کیتھلی کے وقت سے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ باوا سیتل پوری اور ان کے بعد ان کے جانشین رسم دستار بندی کے وقت پگڑی لے کر آتے ہیں اور جب باوا سیتل پوری کی گدی پر کوئی بیٹھتا ہے تو دربار قادریہ کمالیہ کے سجادہ نشین ٹوپی لے کر جاتے ہیں چنانچہ باوا سیتل پوری کے جانشین مہنت شدھ پوری کو قبلہ سرکار کے سر مبارک پر سب سے پہلے پگڑی رکھنے کا شرف حاصل ہوا شہر کے مسلمان حلقوں کی طرف سے خان عبدالشکور خان[1] اور شیخ محمد شریف نے پگڑی پیش کی۔

ہندوؤں کی طرف سے لالہ گپنت رائے ہانڈا اور لالہ امرناتھ تیواڑی نے پگڑیاں پیش کیں۔

---

(۱) خان عبدالشکور خان پٹھان برادری کے سردار تھے۔ بڑی زمینداری تھی شگفتہ بیان

باقی اگلے صفحہ پر

سید شوکت الحسین ترمذی کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی فرداً فرداً پگڑیاں پیش کیں۔
نواب کنج پورہ اور نوابانِ کرنال کی جانب سے بھی انفرادی طور پر پگڑیاں پیش
کی گئیں۔

ہجرت :- قبلہ سرکار کے بچپن اور جوانی کا زمانہ وہ تھا جب برصغیر پر
انگریزوں کا قبضہ تھا۔ قائدِاعظم نے فرمایا تھا کہ جس دن ہندوستان میں پہلے مسلمان
نے قدم رکھا تھا پاکستان اسی دن بن گیا تھا۔ اسی طرح ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء کو جب ولندیزی
واسکوڈے گاما کی سرکردگی میں برصغیر کی بندرگاہ کالی کٹ میں اترے تو اس وقت سے
ہی غلامی برصغیر کا مقدر بن گئی۔ پرتگیزی تجارت کی غرض سے برصغیر آئے تو ساتھ ہی
مغربی اقوام کے لئے برصغیر کے ساتھ تجارت کا دروازہ کھل گیا۔ ہندوستان کی زرخیز
زمین اور دولت نے مغربی اقوام کی آنکھوں کو ایسا خیرہ کیا کہ وہ یہاں قابض ہونے
کے خواب دیکھنے لگے۔ برصغیر کے نااہل اور عیش پرست حکمرانوں، ملک و ملت کے
غداروں اور مفاد پرستوں نے ایسی فضا پیدا کر دی کہ انگریزوں کے خواب کی تعبیر
ان کے حسبِ منشاء نکلی۔ اور وہ یہاں کے حکمران بن بیٹھے۔ خدائے واحد کا نعرہ لگانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)

زندہ دل اور بذلہ سنج تھے۔ شہر کی اہم شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔

(۲) سادات ترمذی کے فردِ فرید سید شوکت حسین ترمذی جو کہ قبلہ عالم حضرت
سید عبدالعلیؒ سے بیعت تھے۔ اگرچہ عمر میں بڑے تھے لیکن قبلہ سرکار
کا بے حد احترام کرتے تھے۔ محبِ صادق اور ہم جلیس تھے۔ آپ بذلہ سنج اور
خوش فکر تھے۔ سمندری ضلع فیصل آباد میں سکونت اختیار کی اور وہیں
انتقال کیا۔

والے تثلیث کے علمبرداروں کے غلام بن گئے۔ مسلمان فطرتاً غلام نہیں رہ سکتے وہ صرف خدا کے آگے سر جھکانا جانتے ہیں لیکن بدلے ہوئے حالات میں انہیں ایک غاصب جابر اور ظالم اور غیر مسلم حکمران قوم کی غلامی اختیار کرنی پڑی تو صوفیائے کرام اور علمائے دین کیسے خاموش رہتے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے دل میں حصول آزادی کی لگن پیدا کردی۔ اکابر تحریک پاکستان کے مقدمہ میں سید محمد فاروق لکھتے ہیں۔

"جب برصغیر پر فرنگی اقتدار نے پیر جمائے ٹھیک اسی وقت آزادی وطن کے مشن کا بھی آغاز ہوا۔ انگریزی سامراج کی نوآبادیاتی تاریخ کا یہ پہلا موقع ہے کہ ادھر اس نے ایک خطۂ زمین پر قدم جمانے کو رکھا ادھر اس خطۂ ارض کا حساس سینہ کرب سے چیخ اٹھا۔ یہی وہ پہلی چیخ تھی جسے بلاشبہ جنگ آزادی کا پہلا غلغلہ کہا جا سکتا ہے یہ آواز کس طبقہ نے بلند کی اس کا جواب پوری تاریخ میں ایک ہی ہے "علماء و مشائخ نے"۔ نمبر ۱

یہ علماء و مشائخ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کی جدوجہد کا ہی نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں اہل پاک و ہند نے انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہونے کے لئے ایک بھرپور کوشش کی اس جنگ میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ لیکن اہل ہند کو اس جنگ میں ناکامی ہوئی۔ اور مغلیہ خاندان کی برائے نام حکومت کا خاتمہ کر کے ملک پر انگریز قابض ہو گئے۔ لیکن اس شکست کے باوجود مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی۔ ادھر ہندوؤں نے اپنی جانیں بچانے اور انگریزوں کی خوشامد حاصل کرنے کے لئے جنگ آزادی کا سارا الزام مسلمانوں پر عائد کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان انگریزوں کے قہر و غضب کا نشانہ بنتے رہے لیکن ہر قسم کی

۱۔ اکابر تحریک پاکستان صفحہ نمبر ۸

سختیوں کے باوجود انگریز مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی سربلندی اور حصولِ آزادی کا جذبہ نہ مٹا سکے۔

شمع آزادی کی لو علمائے دین اور مشائخ کے دم سے روشن تھی انگریز جانتے تھے کہ علماٗ کا مسلمانوں پر بڑا اثر ہے۔ وہ مسلمانوں کی رہنمائی اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہمہ وقت کوشاں تھے انگریز ہر قیمت پر ان علماؑ سے جہاد کے خلاف فتوٰی حاصل کر کے مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ آزادی وحریت اور جوشِ جہاد کو مٹانا چاہتے تھے تاکہ مسلمان کبھی بھی انگریزوں کے خلاف سر نہ اٹھا سکیں مگر چند نام نہاد علما کے سوا کسی نے جہاد کے خلاف فتوٰی نہ دیا۔ جس کی پاداش میں انگریزوں نے ان مردانِ حر کو تختۂ دار پر لٹکایا۔ اور کچھ کو قید کر کے جائیدادیں ضبط کر لیں مگر ان بزرگوں نے سب سختیاں برداشت کیں۔ مصائب جھیلے لیکن اسلام پر آنچ نہ آنے دی۔

قبلہ سرکار کے جدِامجد حضرت سید مخدوم علی قادریؒ نے جنگ آزادی میں خود حصہ لیا۔ مسلمانوں کے اندر جذبۂ آزادی کو ابھارا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو ختم کرنے اور جہاد کے خلاف فتوٰی لینے کے لئے دیگر علماٗ ومشائخ کے علاوہ حضرت قبلۂ عالم سے بھی رجوع کیا مگر انہوں نے ان کے حسبِ منشا فتوٰی دینے سے انکار کر دیا۔ اس کی پاداش میں آپ کی آبائی جائیداد جو مغلیہ دَور سے چلی آرہی تھی ضبط کر لی گئی۔ سخت مالی مشکلات کے باوجود آپ نے تمام مسائل بڑے صبر وتحمل سے برداشت کئے اور اپنے ارادتمندوں کو حصول آزادی کی جدوجہد جاری رکھنے کا حکم دیا۔

برصغیر کے صوفیاٗ اور علماٗ نے غلامی کے بدترین دَور اور سخت نامساعد حالات میں بھی مسلمانوں کے جذبۂ آزادی کو زندہ اور ان کی ملی غیرت وقومی حمیت کو برقرار

رکھا وہ غلامی کی لعنت سے چھٹکارا پانے کے لئے بے چین رہنے لگے یہی وجہ ہے کہ جب قائداعظم کی آواز "بن کے رہے گا پاکستان" اور "پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الااللہ" برصغیر میں گونجی تو مسلمان گرمجوشی سے اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ تحریک پاکستان کی اصل محرک مسلم لیگ تھی اور قائداعظم جیسے زیرک سیاستدان اور جواں ہمت قائد کی ان تھک کوششوں سے یہ نظریاتی ملک معرض وجود میں آیا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حصول آزادی کی جدوجہد میں اگر علمائ اور صوفیائ شریک نہ ہوتے تو دنیا کے نقشے پر نیا اسلامی ملک پاکستان معرض وجود میں نہ آتا۔ قائداعظم نے آزادی کی جنگ مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد مسلمانوں کے ذریعے جیتی تھی۔ اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے والی طاقت علمائ اور مشائخ کی تھی۔ قائداعظم علمائے کرام اور مشائخ عظام کے اثر و رسوخ سے آگاہ تھے۔ انہیں علم تھا کہ عوام پر ان کا کتنا گہرا اثر ہے۔ چنانچہ لندن سے واپس آنے پر جب مسلم لیگ کی تنظیم نو کا ارادہ کیا

---

(۱) صاحب زادہ صاحب کا کہنا ہے کہ شعور کی آنکھ ہی اس دور میں کھولی جب ہر بوڑھا، جوان، عورت اور بچہ اپنی اپنی بساط کے مطابق کوئی نہ کوئی قربانی دے رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی جوش و خروش کا عجیب عالم تھا قوم کے جوش اور جذبہ کا اس وقت صحیح پیمانہ بچے ہی تھے انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ عید پر بچے اپنی عیدی خرچ نہیں کرتے تھے اور جمع کر کے مسلم لیگ کے فنڈ میں دیتے تھے اور اپنے سینوں پر پاکستان زندہ باد۔ قائداعظم زندہ باد کے بیج لگاتے تھے۔ اور گلیوں اور بازاروں میں بلاخوف وخطر پاکستان کے نعرے لگاتے تھے۔

تو انہوں نے جہاں بااثر سیاسی شخصیتوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہاں مذہبی رہنماؤں سے بھی رابطہ قائم کیا۔ اسلام میں مذہب اور سیاست ایک دوسرے سے جدا نہیں اس لئے مذہبی رہنما راہبانہ زندگی بسر نہیں کر رہے تھے بلکہ اس وقت کی عملی سیاست سے بیگانگی کے باوجود ملک کے سیاسی حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہیں مسلمانوں کی بقا کے لئے آزاد مسلم ریاست کے قیام کا شدید احساس تھا۔ لیکن ریاست کا قیام ہی اسلام کا مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد تو صحت مند اور صالح اسلامی معاشرے کو قائم کرنا ہے جہاں قرآن و سنت کے مطابق ہر شخص امن و امان سے زندگی بسر کر سکے۔ اسے ترقی کے تمام ذرائع میسّر ہوں مذہبی فرائض ادا کرنے کی پوری آزادی ہو۔

لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس قائد اعظم کی قیادت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قرارداد لاہور پیش کی گئی تھی۔ قائد اعظم نے اس سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا

" قوم کی خواہ کوئی بھی تعریف کی جائے۔ مسلمان اس تعریف کے لحاظ سے ایک قوم ہیں اور ان کا اپنا علاقہ اپنا وطن اور ان کی اپنی مملکت ضرور ہونی چاہیئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اپنی پسند اور امنگوں کے مطابق اپنے معیار اور نصب العین کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو بہترین اور بھرپور طریقہ سے ترقی دے سکے۔"

علماء و مشائخ قائداعظم کے نظریۂ پاکستان سے واقف تھے کہ پاکستان کا مقصد صرف خطۂ زمین کا حصول نہیں بلکہ کتاب و سنت کے مطابق نظام اسلام رائج کر کے اسلامی اصول اور قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مثالی ریاست کا قیام ہے یہی وجہ ہے کہ علماء اور مشائخ عظام قائداعظم کے ہمنوا تھے۔ اور ببانگ دہل تحریک پاکستان کو مؤثر اور مقبول بنانے میں مصروف ہو گئے۔ وہ اپنے مریدوں سے سیاسی بحث مباحثہ نہیں کرتے تھے بلکہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے کا حکم دیتے تھے چنانچہ سجادہ نشین حضرات اور علمائے کرام کی ہدایت پر کثرت سے لوگوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔

امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ نے مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی زبردست حمایت کی۔ موصوف تبلیغی جلسوں اور عام اجتماعات میں نہایت کھلے لفظوں میں یہ اعلان فرماتے۔ "لوگو دو پرچم ہیں ایک مسلمانوں کا اور دوسرا کافروں کا۔ بتاؤ کس پرچم کے نیچے رہنا چاہتے ہو"۔

ان کے علاوہ خواجہ عبدالرشید نعمانی پانی پتیؒ، مولانا ابوالحسناتؒ پیر صاحب مانکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا عبدالغفور ہزارویؒ، حضرت خواجہ محی الدین گولڑویؒ، حضرت خواجہ محمد فخرالدین سیالویؒ اور دوسرے بزرگان دین اور صوفیائے کرام نے تحریک پاکستان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

قبلہ سرکار بھی اگرچہ عملی سیاست سے دور تھے لیکن ملکی حالات سے بے خبر نہ تھے مسلمانوں کو آزاد قوم کی حیثیت سے سربلند دیکھنا چاہتے تھے اور اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی وہ واحد سیاسی جماعت ہے جو قائداعظم کی قیادت میں مسلمانوں کی آزادی کے لئے بھرپور اور مخلصانہ جدوجہد کر رہی ہے، ۱۹۴۵ء اور ۴۶ء کے انتخابات کی اہمیت بھی آپ کی بصیرت افروز نگاہوں سے

پوشیدہ نہ تھی آپ جانتے تھے کہ مسلم لیگ کے جیتنے کی صورت میں مسلمانوں کی کوششیں بار آور ہوں گی۔ اگرچہ مسلم لیگ کی اکثریت مسلمان تھی لیکن کچھ لوگ نظریاتی اختلافات کا شکار تھے جس کی وجہ سے مسلم لیگ کے مقابلے میں خود مسلمانوں کی کئی پارٹیاں مثلاً احرار جمعیت علماء ہند یونینسٹ مومن کانفرنس وغیرہ انتخابات میں حصہ لے رہی تھیں آل انڈیا کانگریس ان پارٹیوں کی پشت پناہ تھی کانگریس نے چند ناعاقبت اندیش مفاد پرستوں اور خود فریبی میں مبتلا علماء کی حمایت بھی حاصل کرلی تھی۔ جس سے مسلمانوں کی ملی وحدت کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا قبلہ سرکار مسلمانوں کو یہ تاکید فرماتے رہے کہ جملہ اختلافات کو پس پشت ڈال کر انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے سب متحد ہو جائیں اس سلسلہ میں آپ کے بیان شائع ہوتے رہے۔ ایک بیان ڈاکٹر قمر مسعود جنرل سیکرٹری مسلم لیگ کیتھل نے روزنامہ نوائے وقت کو ارسال کیا۔ نومبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں درج ذیل بیان درج ہے۔

"میرے مرید مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ کیتھل کے سجادہ نشین کا اعلان"۔

حضرت قبلہ میاں سید علی احمد شاہ گیلانی سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت شاہ سکندر رؤس الاولیأ محبوب الہی نبیرہ ملک العشاق حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی نے سلسلہ عالیہ قادریہ کمالیہ سکندریہ کے معتقدین مجیین اور عقیدت مندوں کی ہدایت کے لئے درج ذیل اعلان برائے اشاعت ارسال فرمایا ہے نمائندہ نوائے وقت

برادران ملت! السلام علیکم! آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ نازک دور میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کس قدر اہم ہے۔ اور تمام برادران اسلام کا اخوت اسلامی کی بنا پر اتفاق اور اتحاد کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہونا کس قدر ضروری ہے آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ملی وحدت پارہ پارہ کرنے کے لئے کتنی مخالف قوتیں کام کر رہی

ہیں آپ جانتے ہیں کہ قومی اور ملی حقوق کی حفاظت ایک منظم قومی جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مسلمانان ہند کی سب سے بڑی اور منظم قومی جماعت مسلم لیگ ہے۔ جس کا نصب العین ہندوستان میں ایک آزاد مسلم حکومت قائم کرنا ہے جو دینی و دنیاوی حقوق کی محافظ اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معاشرت کی علمبردار ہوگی۔ پس ہوشیار اور بیدار ہو جائیں۔ اپنی تحریروں، تقریروں اور دعاؤں سے محبت و اخلاق سے مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں۔ اور اس کی آواز پر لبیک کہیں اس کی امداد کریں اور پاکستانی حکومت قائم کرنے کا اپنے دل میں پختہ ارادہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے کامیابی عطا کرے آمین" قبلہ سرکار نے یہ بیان دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وابستگان قادریہ کو تلقین کرتے رہے کہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر اسے کامیاب کرانے کی بھرپور کوشش کریں۔

آپ نے بخشی شفقت علی سابق وزیر ریاست جنید کو لکھا " قائداعظم محمد علی جناح ملت اسلامیہ کے احساس محرومی کے کامیاب وکیل ہیں انہوں نے وہ کام کر دکھایا جو بظاہر ناممکن تھا۔ اور جس کی جدوجہد ۱۸۵۷ء سے شروع ہو چکی تھی کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جمعیت العلماء ہند جو خود اسلامی تہذیب کے داعی ہیں ایک ایسے مشرک کو مسلمانوں کا رہنما بتا رہے ہیں اور اس کے کہنے پر دل و جان سے عمل پیرا ہیں جو دیوی دیوتاؤں کا پجاری ہے۔" اسی طرح آپ نے ہالنسی کے مرزا شمع بیگ کو لکھا کہ "قائداعظم کی روز افزوں کامیابی سے دشمن مخالف قوتوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ مسلمان بیدار ہو چکا ہے۔ مسلمان زندہ قوم ہے اور ان کے جذبات سے کھیلنا کوئی آسان کام نہیں۔ محمد علی جناح جیسے مسلمان رہنما کی قیادت میں اسلامیان ہند کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ اور یہ جس اخلاص کے ساتھ دس کروڑ مسلمانوں کا مقدمہ لڑ رہے ہیں وہ ہمارے لئے متاع فخر و ناز ہے۔

سلطان ٹیپو شہید کے بعد ایسا عظیم اور باوقار راہنما قوم کو آج ملا ہے"۔

چنانچہ آپ کی کوششوں سے بخشی صاحب، مرزا شمع بیگ اور ان جیسے کئی بااثر افراد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے آپ نے عامتہ المسلمین اور اپنے ارادتمندوں کو تلقین کی کہ قیام پاکستان کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہیں۔ آپ کی تلقین عقیدت مندوں کے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ چنانچہ لاتعداد لوگ مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ اس وقت لوگ یہ جاننے کیلئے بے تاب تھے کہ ان کی جدوجہد آزادی اور قربانیوں کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے ڈاکٹر محمد لیٰسین، سید عظمت علی واسطی ایڈوکیٹ صدر مسلم لیگ ضلع کرنال، نوبزادہ ولایت علی خان جنرل سیکرٹری مسلم لیگ ضلع کرنال۔ انبالہ سے میاں عبدالصمد خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا "آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ کس قدر داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ رہی ہیں اور اللہ کے مقبول بندے دن رات اللہ کے حضور کتنی التجائیں کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان ضرور بنے گا"

قائداعظم کو بھی ان دعاؤں کی ضرورت تھی وہ جانتے تھے کہ مشائخ اور صوفیاء لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں اس لئے مشائخ عظام اور اولیائے کرام سے رابطہ کیئے ہوئے تھے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان قائداعظم کے دست راست تھے انہوں نے ایک طرف اپنی شعلہ نوائی سے عوام کو اپنی ہمنوا بنانے میں قائداعظم کا پورا پورا ساتھ دیا دوسری

۱۔ شیخ ابوالفتح ساماتوی اعلیٰ حضرتؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے اصل نام محمود ہے۔ مگر آپ کے مرشد آپ کو شیخ مودود کے نام سے پکارتے تھے منڈل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ نسب نوشیرواں عادل سے ملتا ہے۔ ان کے بزرگ ایران

باقی اگلے صفحہ پر

طرف علمائے سے بھی رابطہ قائم رکھا۔ لیاقت علی خان کا خاندان اعلیٰ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے زمانہ سے اس خاندان سے وابستہ تھا شہید ملت بھی اس خاندان سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی عقیدت کے تحت انہوں نے اپنے بڑے بھائی نواب سجاد علی خان اور صاحبزادہ ولایت علی خان کو قطب الاقطاب حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ کے عرس اور گیارہویں

(بقیہ صفحہ سابق) سے ہندوستان آئے تھے یہ منڈل خاندان جمنا کے مشرقی کنارے آباد تھا۔ مغلوں کے عہد میں اس خاندان کو بڑا عروج حاصل رہا۔ مرتضٰے پور اور پہیوہ میں ان کے قلعے اور محلات تھے۔ سترہویں (۱۷) صدی میں بندہ بیراگی کے ہاتھوں تنگ آکر کچھ افراد سامانہ سے نقل مکانی کے بعد سنہارنپور اور کرنال میں آباد ہو گئے۔ ابوالفتح سامانوی درویش صفت انسان تھے۔ فقراء اور اہل اللہ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے خصوصی عقیدت تھی ایک دفعہ اعلیٰ حضرت شاہ کمالؒ نے خوش ہو کر فرمایا "شیخ مودود تمہاری پیشانی میں وہ چمک ہے کہ دنیا تمہارے دروازے پر دستک دے گی اور تمہارا یہ بچہ ازل سے ہماری دعا کے سایہ میں ہے"۔ ۹۹۹ھ میں انتقال کیا مزار پٹیالہ میں ہے ان کی اولاد میں حسام الدین غلام محمد خان۔ جلال الدین، غلام محی الدین، یار محمد خان اور عطر خان بہت نامور گزرے ہیں۔

نوابان کرنال اسی منڈل خاندان سے تعلق رکھتے تھے نواب محمدی خان کے بیٹے نواب احمد علی خان (قائد ملت لیاقت علی خان کے دادا) انگریزی عہد میں کرنال میں اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے۔ ۱۸۸۷ء میں انتقال ہوا۔ حضرت شاہ کمالؒ کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ نواب احمد علی خان کی رحلت کے بعد نواب عظمت علی خان جانشین ہوئے وہ لاولد تھے۔ ان کے بعد (احمد علی خان کی دوسری بیوی لاڈلی بیگم کے بطن سے) نواب رستم علی خان مسند آرا ہوئے۔

شریف کے موقع پر بھیجا۔ تاکہ قبلہ سرکار سے مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دعا کی
درخواست کریں۔

جب قائدِاعظم نے قومیت کی بنا پر جداگانہ حکومت کا نظریہ منوانے میں
کامیابی حاصل کی تو قبلہ سرکار نے قائدِاعظم کو کامیابی کا تار اورنگ زیب روڈ دہلی
کے پتہ پر ارسال کیا تھا۔ تار کا مضمون تھا۔ "میں معہ وابستگان سلسلہ قادریہ کمالیہ کی
طرف سے اس شاندار کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور آپ کی ترقی درجات
اور صحت کے لئے دعاگو ہوں۔" اس تار کے علاوہ بھی آپ نے قائدِاعظم کو اپنی مکمل
تائید و حمایت کا یقین دلایا۔ جس پر نواب زادہ لیاقت علی خان نے آپ کا شکریہ
ادا کرتے ہوئے یہ پیغام بھیجا۔ نواب زادہ ولایت علی خان کی زبانی آپ کی نیک
تمنائیں اور دلی ہمدردی کا پیغام ملا۔ علماء اور مشائخ کی سرپرستی سے قائدِاعظم بہت
مطمئن ہیں اور فرماتے ہیں آزادی کی منزل اب دور نہیں کیونکہ علماء اور مشائخ گوشہ
نشینی چھوڑ کر میدانِ عمل میں آچکے ہیں۔ اور وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں ہمیں
یقین ہے کہ ہم جلد اپنی منزل کو پالیں گے۔ کیونکہ آپ جیسے شفیق بزرگوں کی دعائیں
ہمارے شاملِ حال ہیں۔

نواب زادہ لیاقت علی خان نے اپنے دوسرے خط میں لکھا۔

مکرمی معظمی مرشد گرامی!

السلام علیکم۔ آپ کی خصوصی توجہ کا شکریہ۔ آپ کے تعاون کے لئے ممنون ہوں
امید ہے آئندہ بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور آزادی کے حصول کی کوششوں میں
آپ کی دعائیں اور ہمدردیاں ہمارے شاملِ حال رہیں گی۔

نیاز مند لیاقت علی خان۔

خاصانِ خدا کی دعائیں قبول ہوئیں اور قائدِاعظم کی سیاسی بصیرت، اخلاقی جرأت

اور بے مثال قیادت نے برصغیر کے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا مسلمان آزاد سلامی ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو نیا اسلامی نظریاتی ملک معرض وجود میں آیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا سورج طلوع ہوا تو آسمان پر شفق کی سرخی جھلملا رہی تھی۔ اور برصغیر کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار تھی۔ مسلمانوں کے قافلے بھارت سے ہجرت کر کے اپنے ہی خون میں تیرتے ہوئے پاکستان پہنچ رہے تھے۔ ہندوستان میں ان کے گھر جل رہے تھے۔ گھروں سے اٹھتے ہوئے شعلوں کی روشنی میں وہ نئی منزل کی طرف گامزن تھے۔ عصمتیں لٹ رہی تھیں۔ بچوں کو نیزوں پر اچھالا جا رہا تھا۔ ماؤں کی گودیں سونی تھیں۔ گردنیں اڑائی جا رہی تھیں کہ کوئی اللہ کا نام نہ لے۔ لیکن فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہی تھی اور جذبہ حریت کشاں کشاں پاکستان لیے جاتا تھا ہندوؤں اور سکھوں کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی تمام ملک فسادات کی لپیٹ میں تھا ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی قتل عام ہو رہا تھا لیکن کیتھل شہر ایسی جگہ تھی جہاں نہ گھروں میں آگ لگی نہ دلوں میں نفرت کی چنگاریاں بھڑکیں۔ ایک مرد خدا کی نظر کرم سے یہ شہر بدامنی کے باوجود امن و امان کا گہوارہ بنا رہا۔ اور قرب و جوار کے لوگوں نے بھی پناہ لینے کے لئے کیتھل ہی کا رخ کیا یقین کی دولت سے مالامال اللہ کی رحمت کے یہ امیدوار شہر میں جمع ہو رہے تھے جس محلہ میں قبلہ سرکار کی رہائش گاہ تھی وہ محلہ سادات کہلاتا تھا۔ جو ہندوؤں کی آبادی سے ملحق تھا۔ اس لئے بعض خیرخواہوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ بھی مسلمانوں کے محلہ میں منتقل ہو جائیں لیکن آپ رضامند نہ ہوئے اور آخر وقت تک وہیں رہائش پذیر رہے۔ محلہ سادات کے لوگ مطمئن تھے کہ ہندو قبلہ سرکار کا احترام کرتے ہیں اس لئے انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ واقعی ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے گھر

کے سامنے سے احتراماً جھک کر گزرتے تھے۔ اور آپس میں بات تک نہیں کرتے تھے بدلے ہوئے حالات میں بھی ان کا رویہ جوں کا توں تھا۔ بلکہ ان دنوں مسلمانوں سے ان کا سلوک پہلے سے کہیں زیادہ ہمدردانہ ہوگیا۔ یہ سب آپ کے فیض محبت کا اثر تھا کہ فسادات کے دنوں میں بھی ان کی عقیدت کا وہی عالم رہا۔ یکسر بدلے ہوئے حالات اور ملک کی بدلی ہوئی فضا کے باوجود ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ رواداری مروت اور محبت کا سلوک روا رکھا۔ ان کے جان و مال کی حفاظت کی یہی کرامت کہلاتی ہے کہ تمام شہر میں مکمل امن و امان رہا کسی کو تخریبی کاروائی کی جرأت نہ ہوئی بعض اوقات ہندوؤں نے مسلمانوں کا سامان لوٹنے کی بجائے نقد رقم ادا کرکے خریدا۔ آپ کے صحبت یافتہ وکیل پنڈت امرناتھ تیواڑی ایم اے ایل ایل بی اور لالہ گپنت رائے ہانڈا ایڈوکیٹ ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار تھے۔ ان سے برملا ہمدردی کا اظہار کیا اور ظلم و جور کی مذمت کی۔ جب انخلاء شروع ہوا تو وہ لوگ اپنی نگرانی میں مسلمانوں کو ٹرین پر سوار کراتے تھے۔

قبلہ سرکار کی عظیم شخصیت سراپا سکون تھی۔ آپ کا دولت کدہ گویا دارالامان تھا یہاں ایک واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ کیتھل میں جیونا نامی بس ڈرائیور کی ایک سکھ ٹرانسپورٹر پہلوان جگت سنگھ سے ذاتی دشمنی تھی۔ وہ اس کا جانی دشمن تھا فسادات کے دنوں میں ایک مرتبہ جیونا آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ جگت سنگھ (جو اکثر آپ کی خدمت میں عقیدت سے آیا کرتا تھا) سلام کرنے حاضر ہوا۔ جگت سنگھ ابھی باہر ہی تھا کہ اس کی آواز سن کر جیونا سمجھا کہ اب میری خیر نہیں، چنانچہ لرزتے ہوئے قبلہ سرکار سے عرض کیا کہ جگت مجھے یہاں پاکر زندہ نہیں چھوڑے گا۔ آپ نے فرمایا کہ "فکر نہ کرو اللہ کارساز ہے"۔ جگت سنگھ کرپان میان میں رکھ کر خدمت میں حاضر ہوا۔ کچھ دیر بیٹھا خیریت معلوم کی اور کہا کہ "کسی چیز کی ضرورت ہو تو بندہ حاضر ہے اور چلا گیا"۔ اس

کے دل سے جیونا کے قتل اور دشمنی کا خیال ہی جاتا رہا۔

شہر میں جگت سنگھ اور جوتی پرشاد جیسے سیوک سنگھی متعصب لوگوں کی کمی نہ تھی۔ سیوک سنگھیوں نے دیہات میں دورہ کر کے جاٹوں اور سکھوں کو خوب بھڑکا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ شہر کے مسلمانوں پر باہر سے حملہ آور ہوں۔ پھر اندرون شہر حملہ میں وہ شریک ہو جائیں گے۔ اس کاروائی کے لئے ۱۱ ؍ مارچ ۱۹۴۷ء کی تاریخ مقرر ہوئی جو ہندوؤں اور سکھوں نے مغربی پنجاب میں پہلے سے مقرر کر رکھی تھی شہر سے دس بارہ میل دور موضع ہرسولا میں جاٹوں کا اجتماع شروع ہوا ریاست پٹیالہ کے فوجی دستے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ سرکاری اندازہ کے مطابق یہ تعداد پندرہ سولہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ سیوک سنگھیوں کا منصوبہ تھا کہ شہر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ مسلمان بھی جاٹوں کی سرگرمیوں سے بے خبر نہ تھے اس لئے صورت حال سے نمٹنے کے لئے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے اگر غیر مسلم حملہ آوروں اور مسلم آبادی میں لڑائی چھڑ جاتی تو کشت و خون کا بازار گرم ہو جاتا۔ اللہ کے فضل سے جاٹوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے یا کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی۔ جن سنگھی شہر میں فساد کرانے میں خود کو بے لبس پاتے تھے مذہبی تعصب انہیں دشمنی پر اکساتا تو وہ قرب و جوار ٹوہانہ حصار روہتک جیند اور پٹیالہ کے ہندوؤں کو خفیہ پیغام بھیجتے کہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کا سنہری موقع ہے۔ یہ پیغام بیرون شہر پہنچتے تو جاٹوں اور سکھوں کے مسلح جتھے جن کا مقصد لوٹ مار اور قتل و غارت گردی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جے ہند کے نعرے لگاتے ہوئے شہر کا رخ کرتے لیکن جیسے ہی تخریب پسند شہر کے قریب آتے ان پر کچھ ایسی دہشت طاری ہو جاتی کہ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ دشمنوں کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے انہیں شہر کے چاروں طرف سبز عماموں والے نظر آتے اور یوں ان کے پاؤں اکھڑ جاتے

متعصب ہندوؤں کو پھر جوش آتا۔ از سر نو تخریب کاروں کو پیغام بھیجتے وہ پھر کشت وخون اور لوٹ مار کی غرض سے آتے۔ سبز عماموں والے پھر ان کا راستہ روک لیتے۔ یہ بات خود حملہ آوروں نے مسلمانوں کو بتائی کہ سبز عماموں والے کھڑے نظر آتے ہیں ان سے دلوں پر دہشت طاری ہوتی ہے۔ اور قدم آگے نہیں بڑھتے مسلمان اللہ پر بھروسہ کئے قبلہ سرکار کے ساتھ حوصلہ سے بیٹھے رہے۔ آپ کے پاس بحفاظت پاکستان جانے کے کئی مواقع آئے لیکن آپ نہیں گئے۔

تقسیم کے وقت کرنال کا ڈپٹی کمشنر چوہدری روشن لال تھا یہ جنوئی ضلع منظفر گڑھ کا رہنے والا تھا۔ ۴۵ء۱۹۴۴ء میں کیتھل میں بطور اے ڈی ایم رہ چکا تھا تصوف سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس نے ایک کتاب بھگوت گیتا لکھی تھی جس میں مولانا روی اور اقبال کے اشعار کا حوالہ بھی دیا تھا۔ جن دنوں میں وہ کیتھل میں اے ڈی ایم تھا قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اس نے اپنی تصنیف کردہ کتاب بھی پیش کی تھی۔ تصوّف کے اسرار و رموز پر آپ سے گھنٹوں گفتگو کیا کرتا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں وہ کرنال کا ڈپٹی کمشنر تھا اس کے خاندان کے لوگ جتوئی (منظفر گڑھ) میں تھے۔ جب ہندوستان سے فسادات کی خبریں پاکستان پہنچیں اور بھوک پیاس سے بلکتے بچے خستہ حال اور بے یار و مددگار عورتوں سے بھری ہوئی گاڑیاں، غمزدہ مفلوک الحال اور غم واندوہ سے نڈھال مہاجرین کو پاکستان کے مسلمان دیکھتے تو مشتعل ہو جاتے۔ بدقسمتی سے روشن لال کے خاندان کے لوگ جو جتوئی میں تھے اس اشتعال کا شکار ہو گئے روشن لال کو جانی اور مالی نقصان کی خبر پہنچی تو اس کے جذبۂ انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور امن وامان کا یہ ذمہ دار افسر شرپسندوں کو ترغیب دیتا رہا۔ جو شخص قانون کا محافظ تھا۔ اسی کے ایماء پر فسادات کی آگ بھڑکائی گئی۔ کرنال میں بے شمار مسلمانوں کو شہید کرانے کے بعد بھی اس کا جذبۂ انتقام سرد نہ ہوا۔ کیتھل کے مسلمانوں کو محفوظ دیکھ

کمر روشن لال بے چین ہو رہا تھا۔ یہاں بار ہا حملے کرانے کی کوشش کی گئی۔ دیوان چند مہتہ سپرنٹنڈنٹ پولیس پوری طرح روشن لال کا ساتھ دے رہا تھا شہر کے ایس ڈی ایم چوہدری رتن چند۔ ڈی ایس پی کہنیا لال' سردار اجمیر سنگھ کوتوال شہر تینوں افسران شریف الطبع انسان تھے۔ اور قبلہ سرکار سے گہری عقیدت رکھتے تھے اس لئے امن کی کوشش میں مصروف رہے۔ لہٰذا روشن لال اور دیوان چند کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ شہید ملت لیاقت علی خان اپنے مرشد گرامی کے لئے متفکر تھے انتہائی مخدوش حالات کے پیش نظر انہوں نے آپ کے لئے ملٹری کانوائے بھیجا تاکہ آپ کا خاندان بحفاظت پاکستان پہنچ جائے۔ لیکن آپ کو افراد خاندان کے علاوہ ان مسلمانوں کا بھی خیال تھا جو ہندوؤں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو بے لبسی اور کس مپرسی کے عالم میں چھوڑنا گوارا نہ کیا اور یہ کہہ کر جانے سے انکار کردیا کہ " جب تک مسلمانوں کا انخلاء اور انہیں پاکستان بھیجنے کا تسلی بخش انتظام نہیں ہوتا ہم نہیں جائیں گے"۔

مہاجرین کے قافلے پاکستان جانے لگے تو کیتھل سے مسلمانوں کے لئے سپیشل گاڑیاں آنا شروع ہوئیں۔ جب مسلمانوں کا تسلی بخش انخلاء شروع ہوگیا تب آپ نے بھی سپیشل ملٹری کانوائے سے جانے کا فیصلہ کیا۔ جسے بلوچ رجمنٹ چلا رہی تھی اس میں سرکاری ملازمین کے علاوہ غیر سرکاری لوگ بھی شامل تھے۔

کیتھل میں مکین مسلمان آپ کے ارادۂ ہجرت کے متعلق سن کر سخت پریشانی کے عالم میں آپ کے گرد جمع ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ " آپ کی موجودگی سے ہم مطمئن تھے اب آپ جا رہے ہیں تو ہمارا کیا ہوگا" آپ نے سب کو تسلی دی اور فرمایا " اس میں شک نہیں کہ ہمارے جانے کے بعد آپ لوگوں کو کچھ مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا مگر گھبرانا نہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا"۔

شہر کے ہندو بھی نہیں چاہتے تھے کہ آپ کیتھل سے جائیں۔ چنانچہ پنڈت امرناتھ تیواڑی لالہ گنپت رائے ہانڈا۔ سیٹھ امرناتھ۔ دلیپ سنگھ نروانیہ کنہیا لال وغیرہ نے عرض کی کہ "آپ یہاں سے نہ جائیں ہم آپ کی حفاظت کا پورا انتظام کریں گے یہاں کی ہندو آبادی سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں سب آپ کی بزرگی اور عظمت کے قائل ہیں شرنارتھیوں سے خطرہ ہو سکتا ہے اس کے لئے پولیس کی گارڈ ہر وقت آپ کی حفاظت کے لئے موجود رہے گی رفتہ رفتہ انہیں بھی آپ کی روحانی عظمت کا علم ہو جائے گا"۔ لیکن آپ نے فرمایا "جب یہاں کوئی مسلمان ہی نہیں رہے گا پھر ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے"۔ ہندوؤں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ پنڈت امرناتھ تیواڑی نے اپنے دوست سے کہا "بزرگان دین زمین پر خدا کا سایہ ہوتے ہیں جہاں وہ رہیں خدا کی بخشش اور رحمت ہوتی ہے۔ آپ کے جانے کے بعد شہر میں بد امنی ہو جائے گی"۔ چنانچہ اس ہندو وکیل کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

آپ کے جانے کے بعد مسلمانوں پر آفت ٹوٹ پڑی۔ ایک ہفتہ بعد ہی مسلمانوں سے جن میں شہر کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ کرنال، ریاست پٹیالہ اور ریاست جیند کے لوگ تھے شہر خالی کرا لیا گیا۔ انتظامیہ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسلمان رات کے ۱۲ بجے سے پہلے شہر خالی کر دیں اور حضرت شاہ کمال رح کی خانقاہ کے قریب کرنال والی سڑک پر مسلمانوں کا کیمپ قائم کر دیا گیا اس کیمپ میں دو فوجی جوان اپنی جواں سال بہن کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے رات کے وقت گورکھے سپاہی کیمپ میں ڈیوٹی دے رہے تھے انہوں نے لڑکی کو چھیڑا تو بھائی اُلجھ گئے سپاہی نے گولی چلا دی اور کیتھل کا پہلا مسلمان بہن کی ناموس پر قربان ہوا۔ دوسرے بھائی نے گورکھے کو مار ڈالا اور کافروں کو بتلا دیا کہ

۱۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔

مسلمان کی تلوار کبھی اور کسی موقع پر کند نہیں ہوتی اس واقعہ پر گور کھے مشتعل تو بہت ہوئے لیکن وہ مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے ۔ دوسرے ہی روز مسلمانوں کو کیتھل سے کوچ کرنے کا حکم مل گیا ۔

ہجرت کے بعد پاکستان میں آمد

لاہور پاکستان کا دل اور قدیم تاریخی شہر ہے ۔اس کی سرحد بھارت سے ملتی ہے پاکستان آنے والے سب قافلے اول اول اسی شہر میں داخل ہوئے ۔ یہ مہاجرین کا پہلا عارضی مسکن بنتا رہا ۔قبلہ سرکار نے ہجرت کے بعد پاکستان آنے پر چند روز یہیں قیام فرمایا ۔لاہور میں آپ شیخ ارشاد کے ہاں کرشن نگر میں فروکش ہوئے ۔ ایک ہفتہ بعد آپ فیصل آباد تشریف لے گئے ۔ اور سید رشید احمد کے ہاں پندرہ روز قیام فرمایا ۔ پھر کچھ دنوں کے لئے ملتان تشریف لے گئے ۔ وہاں حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی اور حافظ سیف الرحمان صاحب نے میزبانی کا شرف حاصل کیا ۔ روہتک کے لوگ بھی آپ کے منتظر تھے ۔ پروفیسر چوہدری کرم شاہ نے ملتان میں مستقل قیام کے لئے عرض کی مگر آپ نے تبولہ (ضلع ساہیوال) جانے کو ترجیح دی ۔ وہاں دیوان غلام دستگیر صاحب نے رہائش کے سلسلہ میں انتظامات کئے ہوئے تھے ۔اور آپ کی آمد کے منتظر تھے آپ ڈیڑھ سال وہاں رہے ۔تبولہ میں شہری سہولتیں مفقود تھیں کیونکہ قصبہ تھا ۔ بچوں کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا ۔ ملتان سے مولانا احمد علی حصاردی حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان سے تذکرہ کیا ۔ مولانا نے اس کی تائید کی اور فرمایا "میں اسی غرض سے یہاں آیا ہوں ۔ رہتک والوں کا اصرار ہے ۔ آپ ملتان تشریف لے آئیں ۔ انہوں نے آپ کو ملتان چلنے کے لئے رضامند

کرلیا

خدا کا اپنی مخلوق پر یہ بڑا احسان ہے کہ جہاں طالبانِ حق راہنمائے حق کے لئے عشق سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہاں ان کے دل میں بھی طالبانِ حق کے لئے شفقت کا بے پایاں جذبہ موجزن ہوتا ہے اور وہ طالب کی بے قراری کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں آپ نے بھی اپنے متعقدین کی درخواست کو رد نہ کیا۔ قبولہ والوں نے اس بات کو محسوس تو بہت کیا مگر وجوہات ہی ایسی تھیں کہ وہ کچھ نہ کر سکے اور خاموش ہو گئے ملتان میں ایک بڑی حویلی آپ کے لئے خالی کی گئی۔ آپ اس میں اقامت گزیں ہوئے۔ اس طرح ملتان والوں کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی یہاں حضرت مخدوم سید مصطفیٰ شاہ گیلانی سجادہ نشین حضرت موسیٰ پاک شہید نے ہر طرح سے تعاون کیا ملتان کے ایک رئیس سید گل جہانیاں ایڈوکیٹ آپ کی خدمت میں پیش پیش رہے اگرچہ وہ فقہ جعفریہ سے تعلق رکھتے تھے اس کے باوجود آپ کے بڑے عقیدت مند تھے علامہ سید احمد سعید کاظمی اور ان کے چچا افق کاظمی صاحب نے قبلہ سرکار کے باطنی کمالات کا تذکرہ سنا تو آپ سے آکر ملے۔ افق کاظمی صاحب کو آپ سے اس قدر محبت اور عقیدت ہوئی کہ اکثر آپ کے پاس آنے لگے اور صحبت سے فیض یاب ہوئے ملتان میں آپ کا حلقۂ اثر وسیع تھا۔ امیر غریب سب ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

کیتھل کے ۸۰ فیصد لوگ ڈیرہ غازیخان میں مقیم ہیں جب انہیں یہ علم ہوا کہ آپ ملتان میں سکونت پذیر ہیں تو وہ آپ سے ملنے آئے اور انہوں نے عبدالرحمٰن خان شیخ محمد شریف اور محمد عمر صاحب کے ذریعے آپ سے ڈیرہ غازی خان میں مستقل قیام کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا شہر کے لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ والدہ کی منظوری کے بعد جنوری ۱۹۵۰ء میں آپ

نے ڈیرہ غازیخان میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ملتان والوں کے لئے یہ فیصلہ بڑا پریشان کن تھا عقیدت مندوں کا جی چاہتا تھا کہ آپ کے پاؤں پکڑلیں مگرادب مانع تھا اس لئے حسرت دیاس کی تصویر بنے کھڑے رہے۔ آپ نے انہیں تسلی دی کہ دنیاوی فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے دوری اور نزدیکی کا تعلق دل سے ہے چنانچہ آپ ڈیرہ غازیخان تشریف لے گئے۔

ڈیرہ غازیخان کا تعارف۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ اولیا اللہ کی تعلیم و تبلیغ کے مراکز بے آب وگیاہ، بنجر اور ویران علاقے ہوتے ہیں اوچ شریف، پاک پتن، سخی سرور، تونسہ شریف وغیرہ یہ علاقے تہذیب وتمدن سے دور تھے یہاں کے مکین اُجڈ اور جاہل تھے خود عربوں کی مثال سامنے ہے۔

ڈیرہ غازی خان کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے بیشتر علاقہ بنجر اور ویران ہے اس کے باوجود یہ سرزمین صوفیاء کا مسکن رہی۔ یہاں ایسی ہستیوں کے مزارات ہیں جنہوں نے ظلمت میں ایمان کی شمعیں فروزاں کیں اور دلوں کی دنیا بدل ڈالی۔ ڈیرہ غازیخان اور اس کے گرد و نواح سے رشد و ہدایت اور محبت و معرفت کے ایسے چشمے پھوٹے جن سے آج بھی تشنگانِ حق سیراب ہو رہے ہیں۔

سخی سرور میں حضرت سلطان سخی سرور و تونسہ شریف میں حضرت سلیمان تونسوی، کوٹ مٹھن میں حضرت خواجہ محمد عاقل حضرت خواجہ غلام فرید اور ان کے بزرگوں کے مزارات مرجع خلائق ہیں حضرت ملا شاہ قائد کا مزار ڈیرہ غازی خان میں واقع ہے اس کے قریب ہی غازی خان کا مقبرہ ہے جس نے اپنے وزیر کی باتوں میں آکر ملا قائد شاہ کو زہر دیا تھا اس کے بعد غازی خان کی ساری زندگی پشیمانی میں گزری۔ اس کے مقبرہ پر عجب طرح

کی ویرانی اور وحشت ہے ۔ جبکہ ملا قائد شاہ کا مزار اہلِ دل اور اہلِ نظر کو اپنی طرف کھینچتا ہے شہر کے شمال میں حضرت نورنگ شاہ قادری کا مزار قابلِ زیارت ہے اس سرزمین پر حضرت پیر سید عادل شاہ کا مزار سب سے قدیم ہے آپ حضرت شرف الدین ابو اسحاق شامی کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ آپ نے اس غیر آباد اور ویران علاقہ میں پہلے پہل روحانیت کی مشعل روشن کی آپ کا وصال ۷۳۰ھ میں ہوا قصبہ عادل پیر کے نام سے جو جگہ مشہور ہے وہیں آپ کا مزار ہے ۔

ڈیرہ غازیخان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ بزرگوں کی نظروں کا مرکز رہا ہے قبلہ سرکار نے بھی اس سرزمین کو مستقل سکونت کے لئے پسند فرمایا اور یہاں کے لوگوں نے جس طرح آپ کی پذیرائی کی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوتا ہے ۔ آپ کو ڈیرہ غازیخان آئے ہوئے چند دن ہوئے تھے کہ پیند خان بزدار کو خواب میں ان کے مرشد حضرت خواجہ میاں غلام حسینؒ[۱] سہاگ لعل نقشبندی نظر آئے اور فرمایا ۔

---

۱ ۔ حضرت غلام حسین سہاگ لعل نقشبندی اضلاع مظفر گڑھ، ڈیرہ غازیخان اور بہاول پور کے علاقے میں زبردست صاحب جذبہ بزرگ ہوئے ہیں آپ پر ہر وقت ایک خاص کیفیت طاری رہا کرتی تھی جب کبھی کہیں سے گزرتے تو راہ چلتے غیر مسلم مسلمان ہو جاتے علاقہ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ مظفر گڑھ میں کسی جج کی عدالت میں ایک ہندو نے درخواست دی کہ مسلمان درویش غلام حسین جہاں سے گزرتے ہیں لوگوں کو مسلمان کر لیتے ہیں لہٰذا ہندو آبادی میں ان کا داخلہ بند کیا جائے ۔ اتفاق سے جج بھی ہندو تھا اس نے صفائی پیش کرنے کے لئے حضرت کو عدالت میں طلب کیا آپ تشریف لائے جج نے الزام دہرایا ۔ آپ نے جذبہ کی حالت میں فرمایا کہ " میں نے تمہیں بھی اور اسے بھی مسلمان کر لیا " الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہی جج اور دیگر غیر مسلم کلمہ پڑھ کر مسلمان

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

" تمہارے شہر میں ایک بہت بڑے بزرگ قطب زماں تشریف لائے ہیں ان کی خدمت میں حاضری دو اور میری طرف سے ان کی خدمت میں دو سیر آٹا ایک بکرا اور گھی لے کر جاؤ"۔ ساتھ ہی قبلہ سرکار کی زیارت بھی کرا دی اور آپ کے خادم نیاز کی شکل بھی دکھلادی چنانچہ صبح ہوتے ہی پیند خان بزدار اپنے مرشد کے فرمان کے مطابق ایک بکرا آٹا اور گھی لے کر آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کو یہاں تشریف لائے چونکہ چند ہی روز ہوئے تھے اس لئے ابھی بہت کم لوگوں کو آپ کے متعلق علم تھا پیند خان دن بھر شہر کی گلیوں میں آپ کی تلاش میں پھرتا رہا۔ مگر کوئی پتہ نہ لگا سورج غروب ہونے کو تھا مایوس ہو کر لوٹنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک مکان کے کھلے دروازے سے قبلہ سرکار پر نظر پڑی۔ دیکھتے ہی فوراً بے تابانہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور تمام ماجرا بیان کیا اور خورد و نوش کا جو سامان ساتھ تھا وہ پیش کیا۔ پیند خاں بزدار کی اولاد آج بھی بڑی عقیدت کے ساتھ آستانہ عالیہ پر حاضری دیتی ہے۔ مہاجرین تو حاضرِ خدمت ہوتے ہی تھے مقامی باشندے بھی آپ کی بزرگی کا شہرہ سن کر دن رات حاضر ہونے لگے۔

قبلہ سرکار کو ڈیرہ غازی خان آئے چند ماہ گزرے تھے کہ قائد ملت لیاقت علی خان کو ڈیرہ غازیخان میں آپ کے قیام کا علم ہوا انہوں نے برقیہ کے ذریعے استدعا کی کہ مستقل رہائش کے لئے کراچی تشریف لے آئیں مگر آپ نے معذرت کی۔

ہم عصر علماء اور بزرگانِ دین کے علاوہ حضرت سلطان سخی سرور، حضرت خواجہ سلیمان

ہو گئے۔ ان بزرگ کا وصال غالباً ۱۹۴۵ء میں ہوا مزار شریف کروڑ لعل حسین تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ میں ہے۔

از ہفت روزہ "الہام" بہاولپور مشائخ نمبر ۱۹۷۵ء مضمون تذکرۂ مشائخ

تونسوی، ملا قائد شاہ، حضرت سید پیر فتح شاہ بخاری نے اپنے اپنے مزارات پر حاضری کے لئے آنے والے بعض زائرین کو بذریعہ کشف قبلہ سرکار کی روحانی عظمت سے آگاہ کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہدایت کی۔

حضرت سلطان سخی سرور کا اتنا لطف و کرم تھا کہ ان دنوں جو اہل نظر یا طالب راہ حق ان کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا، اسے اشارہ ہو جاتا کہ وہ ڈیرہ غازیخان (حضرت) علی احمد شاہ سے دعا کرائے۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے ایک زائر کو جو معتکف تھا ارشاد ہوا کہ تمہارا فیض حضرت علی احمد شاہ صاحب کے پاس ہے ڈیرہ غازی خان جاؤ۔

صوفی عطا محمد خطیب مسجد ملا قائد شاہ کو چلہ کشی کے دوران حضرت ملا قائد شاہ صاحب نے فرمایا "تمہارا حصہ سید علی احمد شاہ جیلانی کے پاس۔ ہے ہم نے تمہیں ان کے سپرد کیا ان کی خدمت میں رہا کرو"۔

حضرت سید پیر فتح شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار شریف قصبہ سمینہ کے پاس ہے کئی مریضوں کو جو ۹ رات گزارنے ان کے مزار پر آتے تھے انہیں بشارت دی کہ وہ ڈیرہ غازی خان سید علی احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

قبلہ سرکار کو ڈیرہ غازی خان آئے ہوئے چھ سات سال ہوئے تھے کہ پیشاب رکنے کی تکلیف ہو گئی یہ درد بڑا شدید ہوتا ہے اور تکلیف کی شدت سے مریض تڑپنے لگتا ہے آپ کو بھی اتنا شدید درد ہوتا کہ ایک طرف جھک جاتے۔ تکلیف کے آثار چہرہ سے ظاہر ہوتے مگر زبان سے اف نہ کرتے۔ ڈیرہ غازی خان کے ایم ایس ڈاکٹر عبدالقیوم کچھ دن آپ کا علاج کرتے رہے جب افاقہ نہ ہوا تو آپ کو نشتر ہسپتال ملتان سے علاج کرانے کا مشورہ دیا۔ ان دنوں آپ کی والدہ ماجدہ بھی علیل تھیں ان کی علالت اور کبر سنی کے پیش نظر انہیں چھوڑ کے جانا قرینِ مصلحت نہ تھا آپ کی والدہ کو کوئی عام

عورت نہ تھیں بلکہ ایک برگزیدہ ہستی تھیں دل پر ہمہ وقت عشق الٰہی کا غلبہ رہتا بیٹے کو جدا کرنے میں شاید یہی حکمت ہو کہ آخری وقت میں ان کا دھیان صرف اپنے پروردگار کی طرف ہو۔ ان حالات میں آپ نے والدہ سے اجازت چاہی، روانہ ہونے سے قبل آپ نے بڑے صاحبزادے کو ہدایت فرمائی کہ میری عدم موجودگی میں والدہ انتقال کر جائیں تو نورنگ شاہ کے قبرستان میں ان کے متولی کو کہہ کر وہاں دفن کرنا آپ نے اپنے خادم سے فرمایا "والدہ صاحبہ سے یہ ہماری آخری ملاقات ہے"۔ اس میں شک نہیں کہ غیب کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے۔ انبیاؑ کرام میں سے کبھی کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انبیاءؑ اور اولیاءؑ اللہ حکم خداوندی کے تحت ہی لب کشائی کرتے ہیں یوں وہ بات درست ہو جاتی ہے حدیث نبویؐ ہے۔

"مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نورِ باطن سے دیکھتا ہے"۔

اپنی والدہ سے رخصت کی اجازت لے کر غلام محمد بٹ کے ہمراہ ملتان کے لئے عازم سفر ہوئے۔ ان دنوں تونسہ بیراج اور غازی گھاٹ کا پل نہیں بنا تھا۔ اس لئے پل کی سہولت نہ تھی۔ اور گرمی کے دنوں میں غازی گھاٹ پر جہاز چلا کرتے تھے آپ نے جہاز پر گھاٹ عبور کیا ہی تھا کہ درد کی تکلیف ختم ہو کر طبیعت دفعتاً بحال ہو گئی آپ سمجھ گئے کہ منشائے ایزدی یہی ہے کہ والدہ ماجدہ کے آخری وقت آپ ان کے پاس نہ ہوں آپ ملتان پہنچ گئے نشتر ہسپتال کے سرجن نے معائنہ کے بعد لاہور جا کر آپریشن کرانے کا مشورہ دیا۔ آپ کے مرید خاص داروغہ جی آپ کو ملتان سے لاہور لے گئے ڈاکٹروں کو دکھلایا۔ انہوں نے آپ کی جسمانی کمزوری کے سبب آپریشن کی بجائے صرف دوائیں تجویز کیں۔ چنانچہ دوا کے استعمال سے خاطر خواہ افاقہ ہوا اور تدریجاً آپ کی صحت بہتر ہو گئی۔ لاہور تشریف لے جانے کے کچھ دن بعد والدہ کے انتقال کی خبر ملی عجب

اتفاق ہے کہ اس دن آپ خلاف معمول اداس اور بے حد مغموم تھے۔ مجلس میں آپ کی گفتگو کا موضوع ماں کی محبت اور ماں کے حقوق تھے اسی شام کو رحلت کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا علاج ابھی جاری تھا۔ اس لئے بٹ صاحب کو ڈیرہ غازی خان بھیج دیا۔

آپ کی ہدایت کے مطابق والدہ کو نورنگ شاہ کے قریب ہی سپرد خاک کر دیا گیا شہر کی خواتین کو ان سے اتنی عقیدت تھی کہ غسل کا پانی بطور تبرک گھر لے گئیں ان کی لحد تیار کی گئی تو قبر کی مٹی سے خوشبو آرہی تھی۔ لوگ مٹی بھی بطور تبرک گھروں میں لے آئے۔ اس مٹی سے کئی دن تک خوشبو آتی رہی۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام مولانا فضل حق نے پڑھائی۔ حضرت نورنگ شاہ کے قریب ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

آپ ڈیرہ غازی خان تشریف لائے تو قدرت کی طرف سے ایک اور امتحان درپیش تھا۔ والدہ ماجدہ کے وصال کو چند ماہ گزرے تھے کہ آپ کی شریک حیات بھی داغِ مفارقت[۲] دے گئیں۔ شریک حیات بھی وہ جو ہمہ صفت تھیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھتیں۔ دکھ سکھ کی شریک بیوی کے انتقال سے آپ کو شدید صدمہ ہوا والدہ اور زوجہ کی دائمی جدائی کے صدمات برداشت کئے۔ بیماری کی تکالیف بھی اٹھائیں لیکن قضائے الٰہی کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ رضائے محبوب کے سامنے اس کا بندہ سربسجود تھا۔

لاہور کے دوران قیام اگرچہ آپ کو خاصا افاقہ ہوا تھا مگر یہ عارضی ثابت ہوا ایک

۱۔ تاریخ انتقال یکم اکتوبر ۱۹۵۴ء ہے۔

۲۔ تاریخ انتقال ۱۹ جولائی ۱۹۵۵ء ہے۔ قبولہ شریف ضلع ساہیوال میں حضرت شاہ موسیٰ ابوالمکارم کی خانقاہ میں مدفون ہیں۔

سال بعد اچانک تکلیف شروع ہوگئی۔ ایک ماہ ڈیرہ غازیخان ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ وہیں آپ کا اپریشن ہوا۔ بیماری اور اپریشن کی صبر آزما تکالیف کے بعد صحت یاب ہوئے بمشکل تین سال ہوئے تھے کہ سب سے بڑے جواں سال فرزند سید مسعود محی الدین گیلانی کے اچانک انتقال کی اطلاع ملی۔ وہ ان دنوں کراچی میں تھے ان کے بچے اپنے ماموں سے ملنے کراچی گئے ہوئے تھے صاحبزادہ صاحب انہیں لینے کے لئے کراچی گئے تھے اس وقت وہ بالکل صحت مند تھے۔ ۱۴ستمبر ۱۹۵۸ء کو فالج کا حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور چند گھنٹوں میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[1]

اس جانکاہ صدمے کو بھی آپ نے حوصلہ سے برداشت کیا آپ نے کسی بے قراری کا اظہار نہیں کیا۔ زبان مبارک سے اتنا فرمایا۔ "یہی رضائے الٰہی تھی"۔ تعزیت کے لئے آنے والوں سے بھی آپ یہی کہتے۔ "مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ"۔ صاحبزادہ صاحب کی آخری آرام گاہ کراچی میں ہے۔

شدتِ غم سے آپ کی بینائی بھی کمزور ہوگئی اور آنکھوں میں موتیا اتر آیا ڈاکٹر نے اپریشن کا مشورہ دیا۔ چنانچہ سید نسیم احمد جو ان دنوں رحیم یارخان میں تھے۔ (آج کل کراچی میں کوکا کولا فیکٹری میں ڈائریکٹر ہیں) اور ان کے چچا سید طفیل احمد کا اصرار تھا کہ قبلہ سرکار کی آنکھوں کا علاج کراچی میں کسی ماہر امراضِ چشم سے کرایا جائے۔ آپ کراچی جانے کے لئے نیم دلی سے رضامند ہوئے۔ چنانچہ نسیم صاحب نے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے وقت لے لیا اور تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد اطلاع دی کہ آپ دسمبر کی جس

---

[1]۔ ہوائی اڈے کے نزدیک ڈرگ روڈ پر پیر شمار شاہ کے مزار کے قریب آپ کا مزار بارہ دری کی صورت میں واقع ہے۔ سلسلہ قادریہ سے نسبت رکھنے والوں اور اہل اللہ سے محبت کرنے والوں کی زیارت گاہ ہے۔

تاریخ کو بھی علاج کے لئے آنا چاہئیں تحریر فرمائیں تاکہ اس کے مطابق آپ کے لئے جہاز میں سیٹ ریزرو کرا سکوں۔ پھر خود آپ کو لینے کے لئے ڈیرہ غازیخان آؤں گا مگر قبلہ سرکار کو ادر سفر درپیش تھا۔ ایسا سفر جس سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ آپ نے جواب لکھوا دیا کہ اپریشن کے لئے طبیعت ابھی آمادہ نہیں اور یہاں سے باہر جانا ابھی مناسب نہیں۔ تا اطلاع ثانی کوئی پروگرام نہ بنائیں۔ آپ نے صرف نسیم صاحب کو ہی وصال سے متعلق مبہم سا اشارہ نہیں کیا بلکہ اپنے صاحبزادگان اور کئی مریدوں کو اشاروں کنایوں میں بتا دیا تھا لیکن اس وقت ان اشاروں کو کوئی نہ سمجھ سکا۔ وصال سے چند دن بیشتر اپنے صاحبزادہ سے فرمایا "میری یہ سبز چادر اب بکس میں رکھ دو اس کا وقت ختم ہو چکا ہے"۔ اور انہیں دو روز بیشتر لاہور بھیج دیا۔ خود گھر میں تنہا رہ گئے

ملک نیاز محمد آڑھتی (جام پور) کو وصال کے روز ہی اشارۃً اپنے وصال کی خبر دی تھی۔ جسے وہ سمجھ نہ سکا۔ ملک نیاز راوی ہے کہ میں جمعہ کے دن صبح ۹ بجے حضرت کو سلام کرنے کی غرض سے گھر پہنچا۔ آپ نے پوچھا "کیسے آئے ہو" میں نے عرض کی "سرکار کچھ تعویذ لکھ دیں"۔ کیونکہ میں دس بیس تعویذ سرکار سے لے کر اپنے پاس رکھ لیا کرتا تھا۔ کسی کو کوئی تکلیف یا بیماری ہوتی تو دے دیا کرتا بفضل خدا مریض کو آرام آجاتا۔ حضرت نے فرمایا "کچھ دیر کے بعد آکر لے جانا شہر میں ضروری کام ہو تو کر آؤ"۔ میں نے عرض کیا "سرکار میں جمعہ کی نماز کے بعد حاضر ہو کر تعویذ لے جاؤں گا"۔ آپ نے دو دفعہ فرمایا "کہ نہیں تعویذ جمعہ سے پہلے مل سکیں گے۔ نماز جمعہ کے بعد میں تم سے نہیں مل سکوں گا"۔ لہذا میں تقریباً گیارہ بجے پھر حاضر ہوا آپ نے دس بارہ پینے کے تعویذ مجھے دیئے۔ اور ساتھ ہی فرمایا "یہ تعویذ آخری ہیں انہیں سنبھال کر رکھنا اور نماز جمعہ کے بعد واپس جام پور نہ جانا۔ ایک دفعہ دوبارہ مل کر جانا"۔ قبلہ سرکار کی یہ بات سن کر میں پریشان ہو گیا۔ کہ خلافِ معمول ایسا کیوں فرمایا۔ نہ جانے

کی اجازت نہ ہی جمعہ کے بعد ملنے کی اجازت ہے۔ صبح یہ فرمایا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد میں نہ مل سکوں گا۔ اب فرما رہے ہیں کہ جمعہ کے بعد ضرور آنا۔ اسی پریشانی کے عالم میں جمعہ کی نماز قبلہ سرکار کے آستانہ عالیہ سے قریب کی مسجد میں ادا کی نماز سے فارغ ہوتے ہی حضرت کے در پر پہنچا تو ایک ہنگامہ تھا۔ ایک قیامت تھی اندر آہ و بکا اور سسکیوں کا طوفان تھا کہ قبلہ سرکار رحلت فرما گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ خوابیدہ ہیں یقین نہیں آرہا تھا سکتہ سا ہو گیا۔ دل کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ایسا صدمہ جس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

آپ کے خادم خاص حبیب الرحمٰن نے جمعہ کے روز جب آپ سے رات کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا "رات کا کھانا ہم نہیں کھائیں گے تم رات کے کھانے کی فکر نہ کرو"۔ پھر آپ نے اسی روز حبیب سے کہہ کر اپنی چارپائی کا رخ شمال اور جنوب کی طرف کروالیا۔ تب بھی کوئی نہ سمجھا کہ آپ چارپائی کا رخ کعبہ کی طرف کیوں کر رہے ہیں۔

قبلہ سرکار نے حافظ ایوب مرحوم کو بھی اشاروں کنایوں سے اس سانحہ سے آگاہ کیا تھا۔ گو وہ سمجھ نہ سکے۔ حافظ صاحب کو ۱۸ دسمبر کو کسی ضروری کام سے فیصل آباد جانا تھا۔ چنانچہ انہوں نے فیصل آباد جانے کی اجازت چاہی آپ نے خلافِ معمول ذرا تامل کے بعد فرمایا۔ "حافظ صاحب ذرا جلدی لوٹ آنا۔ زیادہ دیر نہ ٹھہرنا"۔

مولانا احمد حسن صاحب خطیب جامع نعمانیہ ڈیرہ غازیخان بیان کرتے ہیں۔

آپ کے وصال سے چند روز بیشتر میں کسی لڑکے کی فیس معاف کرانے کی سفارش کے لئے پروفیسر قادری صاحب کے مکان پر گیا بارش ہو رہی تھی میرا جی چاہا کہ میں حضرت کی خدمت میں سلام و نیاز کرتا جاؤں مگر بارش کی وجہ سے گھر لوٹ آیا۔ دوسرے روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا "مولانا کل ہم سے

سے ملے بغیر ہی چلے گئے ہم نے اس روز انتظار بھی کیا مگر آپ نے کچھ اور ہی خیال کیا"۔ میں نے گذشتہ روز کا تمام واقعہ بیان کیا اور عرض کیا کہ "موسم کی خرابی کے پیشِ نظر کہ آپ کو تکلیف ہوگی حاضر نہ ہوا"۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا "مولانا ہم تو مہمان ہیں"۔ میں نے عرض کیا" اگر اتوار میں ہی کوئی خصوصیت ہے تو بندہ آئندہ اتوار کو ہی حاضر ہوگا"۔ آپ نے فرمایا "آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا"۔ چنانچہ آئندہ جمعہ کو آپ کا وصال ہوگیا اور اتوار کو آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ جمعہ کے روز حضرت صاحب کے وصال کی خبر سن کر مجھے اس دن کی گفتگو سمجھ میں آگئی۔

عبدالواحد خاں[2] صاحب کا بیان ہے کہ میں اور شہزادہ سلطان احمد صاحب ایڈووکیٹ ڈیرہ غازیخان اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ہماری عرصہ سے خواہش تھی کہ حضرت قبلہ ہمیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمائیں مگر ہر دفعہ آپ کے رعب و جلال کے مارے زبان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک رات خواب میں حضرت قبلہ تشریف لائے اور مجھے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ دفعتہً میری آنکھ کھلی وقت دیکھا تو رات کے پونے دو بجے تھے صبح کے وقت اٹھتے ہی نماز و تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہو کر شاداں و فرحاں شہزادہ صاحب موصوف کو اپنا خواب سنانے ان کے گھر جانے لگا وہ راستہ ہی میں ملے اور فرمانے لگے کہ خان صاحب میں آپ کے پاس آرہا تھا رات حضرت قبلہ نے مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کے دیدار سے مشرف فرمایا۔ ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ میں نے اپنی کیفیت سنائی پھر ہم دونوں نے ارادہ کیا کہ بعد نماز جمعہ چل کر حضرت قبلہ کی اس مہربانی اور شفقت کا شکریہ ادا کریں گے۔

۱۔ از تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی، صہ ۲۱۵ ۲ ایضاً صہ ۲۱۳

چنانچہ بعد نماز جمعہ ہم راستے میں ہی تھے کہ حضرت قبلہ میاں صاحب کے وصال کی خبر مل گئی۔

آپ کی صاحبزادی نے قبلہ سرکار کے وصال سے ڈیڑھ سال پہلے خواب دیکھا کہ ان کے چھوٹے بھائی موجودہ سجادہ نشین کا انتقال ہوگیا ہے اور بہت سی مخلوق کا اژدھام ہے۔ بھائی کے متعلق خواب دیکھ کر گھبراہٹ اور بے چینی سے ان کی آنکھ کھل گئی بہت پریشان ہوئیں۔ ڈی جی خان سے خیریت معلوم کرائی۔ مگر دل کو اطمینان نہ ہوا چنانچہ پاکپتن کے حضرت میاں علی محمد خان چشتی کے پاس قاصد بھیجا حضرت علی محمد چشتی نے خواب سن کر فرمایا "آپ کے والد بزرگوار کامل بزرگ ہیں ان کے بعد سجادگی آپ کے اس بھائی کو ملے گی اُن کی عمر دراز ہوگی۔ کوئی فکر نہ کریں وہ زندہ ہیں"۔ اسی دوران حضرت صوفی احمد دین اِدھر آنکلے۔ بی بی صاحبہ نے اندوہناک خواب خادمہ کے ذریعے کہلوایا تو انہوں نے خواب سن کر کہا کہ "بی بی صاحبہ سے عرض کریں وہ افسردہ اور غمگین نہ ہوں ان کے بھائی کی عمر بڑی ہے اور یہ خواب آپ کے والد ماجد کے بعد آپ کے بھائی کی سجادہ نشینی کی نشاندہی کرتا ہے۔ میں آپ کی تسلی اور اطمینان کی خاطر آیا ہوں"۔

عبداللہ بہاولپوری نے آپ کے وصال سے دو ہفتہ پیشتر خواب دیکھا ان کا بیان ہے "میں نے دسمبر کے پہلے ہفتہ میں خواب دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آگرا۔ میں اس خواب کی تعبیر جاننے کے لئے حضرت مولانا محمد نذیر صاحب الوری خلیفہ حضرت فضل الرحمان گنج مرادآبادی کے دولت کدہ کچل پورہ میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے توقف کے بعد فرمایا "تم کہاں سے بیعت ہو" میں نے حضرت کا نام لیا۔ انہوں نے فرمایا "تمہارے پیر قطبیت کے مقام پر فائز ہیں اب وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں گے"۔ دوسرے ہی ہفتے اس خواب کی

تعبیر ظاہر ہوگئی۔

۲۲ ؍ رجب ۱۳۸۲ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء جمعہ کا مبارک دن تھا۔ قبلہ سرکار جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے ایل بلاک کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ مسجد میں آپ نے فرض پڑھے باقی نماز گھر میں ادا کی۔ قبلہ سرکار کے رخسار پر کچھ دنوں سے پھنسی نکلی ہوئی تھی۔ عبدالشکور خاں ڈسپنسر دیکھنے کے لئے آیا۔ اس نے پھنسی دیکھ کر کہا آپ پنسلین کا ٹیکہ لگوالیں۔ پھنسی جلد خشک ہو جائے گی۔ آپ پنسلین سے الرجک تھے عبدالشکور خان کو اس کا علم تھا مگر اس سے بھول ہوئی۔ اس نے پنسلین کا ٹیکہ تیار کیا۔ عبدالشکور ٹیکہ لگانے لگا تو اس نے بتایا کہ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے آپ کسی سے ہم کلام ہوں۔ مگر وہ کوئی بات سمجھ نہ سکا۔ انجکشن کا لگنا تھا کہ آپ نے دو مرتبہ آہستہ سے "اللہ اللہ" فرمایا اور خالقِ حقیقی سے جا ملے خاصانِ خدا کی روح خالق سے ملنے کے لئے بے قرار ہوتی ہے۔ اسے قرار آگیا یہ کیسا قرار تھا جو لاکھوں کو بے قرار کر گیا۔

عبدالشکور خاں فوراً ہی کیپٹن ڈاکٹر عبدالرحیم کو بلانے چلا گیا۔ حاجی امین اور حاجی بندو آکر قبلہ سرکار کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر عبدالرحیم ڈاکٹر پیر بخش، ڈاکٹر ارشاد نوحی اور ایم ایس بھی آگئے۔ سب کی نگاہیں ڈاکٹروں کی طرف لگی تھیں۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد ایک دوسرے کو مایوسانہ نگاہوں سے دیکھا اور وہ اندوہناک خبر سنائی جس کو سن کر ہر دل مضطرب اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔ آپ کی اچانک انتقالِ پر ملال کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی کہ ڈیرہ غازیخان میں محفل قادریت کی وہ شمع بجھ گئی جو طالبانِ حق کی زندگیوں میں اضافہ کرتی تھی وہ ہستی رخصت ہوگئی جو حاجت مندوں کی دست گیری کرتی تھی شہر میں کہرام مچ گیا مرید معتقد اور خادم غم و اندوہ سے کلیجے مسوس کر رہ گئے۔ ان کا ہمدرد دکھ درد

سن کر ، مدا داکرنے والا ان سے جدا ہو چکا تھا۔ لوگ حسرت و یاس کی تصویر بنے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ یہ گھر یا خاندان کا غم نہ تھا۔ ایک مشفق ہمدرد مربّی اور محسن کی جدائی کا غم تھا۔ ہر دل سوگوار تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی ہر شخص بے قرار تھا۔ لوگوں کو آپ سے کتنی عقیدت اور محبت تھی اس کا اندازہ آپ کی زندگی میں کئی مرتبہ ہوا۔ لیکن آپ سے والہانہ محبت کے جذبات کے جو مناظر آپ کی رحلت کی خبر سنتے ہی دیکھنے میں آئے وہ دلوں پر ہمیشہ نقش رہیں گے۔

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنتے ہی لوگ کام کاج چھوڑ کر آہ و زاری کرتے پروانہ وار اس مردِ مومن مردِ خدا کے آخری دیدار کو پہنچے، جس نے مردہ دلوں کو زندگی بخشی تھی۔ چند ہی ساعتوں میں آستانہ عالیہ پر ہجوم ہو گیا تھا۔ صحن اور ملحقہ کمروں میں قرآن پاک کی تلاوت اور درود شریف کا ذِرد بھی جاری تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو بھی۔ ہر آنکھ میں آنسو تھے۔ عقیدت اور محبت کے آنسو۔ خواتین گھر بار چھوڑ کر روتی، اور یہ کہتی ہوئی پہنچ رہی تھیں کہ "خدا کرے یہ خبر صحیح نہ ہو۔" مرد و زن پیر و جوان سب کی ایک سی کیفیت تھی کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ رُخ انور جس سے پھوٹنے والی کرنیں دلوں کو منور کرتی تھیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہونے کو ہے۔ سب کے لئے وہ قیامت کی گھڑی تھی۔ دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کرنے والا ان کا دینی و روحانی رہنما ہمدرد و غمگسار، دکھ درد سننے والا، باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان آج انہیں چھوڑے جا رہا تھا۔ شدت غم سے ان کے دل ٹکڑے ہو رہے تھے بے قراری بڑھ رہی تھی۔ مگر ان کا روحانی رہبر بڑے سکون سے ابدی نیند سو رہا تھا چہرہ مبارک متبسم تھا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست۔

صاحبزادگان کو اسی وقت یہ المناک خبر دی گئی مریدین و معتقدین کو بھی تار و ٹیلی فون کے ذریعے مطلع کیا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مریدین و معتقدین کو یہ خبر دینی ممکن نہ تھی۔ اس لئے ریڈیو و اخبارات کے ذریعے سب تک یہ خبر پہنچائی گئی۔ ریڈیو پر مقامی خبروں میں آپ کے انتقال کی خبر نشر ہوئی۔ روزنامہ نوائے وقت امروز، کوہستان، سوادِ اعظم تقریباً تمام اخبارات میں آپ کے انتقال پر ملال کی خبر شائع ہوئی۔

"نامہ نگار ڈیرہ غازیخان ۲۲ر دسمبر"

"سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ کمال آف کیتھل (ضلع کرنال) پیر طریقت حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی اچانک حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ آج کپڑا مارکیٹ کی تمام دکانیں آپ کے سوگ اور احترام میں بند رہیں۔"

دیگر اخبارات میں بھی اس سے ملتی جلتی خبریں شائع ہوئیں۔

۲۲ر دسمبر کی صبح کو صاحبزادگان کی موجودگی میں حافظ ایوب صاحب نے غسل دیا اس وقت جو کپڑے آپ نے پہنے ہوئے تھے وہ حافظ صاحب کو عنایت ہوئے۔ حافظ صاحب کا بیان ہے کہ ان کپڑوں کی برکت سے انہیں بہت سے دینی اور دنیاوی فائدے حاصل ہوئے۔ کسی مقدمہ کے سلسلے میں وہ کپڑے پہن کر عدالت میں گئے تو انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کی تدفین کے سلسلہ میں قبولہ بھی زیر غور تھا دیوان غلام دستگیر صاحب کی یہی رائے تھی وہاں وہ انتظامات بھی کر چکے تھے۔ اسی دوران حضرت حاجی سلیمان نقشبندی جماعتی خلیفہ حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری کو اشارہ ہوا۔

جماعتی محمد سلیمان نقشبندی جماعتی (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ڈیرہ غازی خان) اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "میں حضرت سید علی احمد شاہ کے انتقال پر مغموم تھا (ی) عالم

میں میری آنکھ لگ گئی۔ دیکھا میرے مرشد حضرت محدث علی پوری نے فرمایا۔
"سلیمان اٹھ حضرت مخدوم کیتھلی کی تجہیز و تکفین میں شامل ہو جاؤ۔ ان کا مزار ان کے احاطہ کے جنوب مغربی گوشے میں بنایا جائے"۔

میں نے بیدار ہوتے ہی صاحبزادگان کو یہ خواب سنایا۔ ایک طرف یہ اشارہ غیبی دوسری طرف اہالیان شہر نے اشارہ کیا کہ اگر قبلہ سرکار کو ہم سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ سڑک پر لیٹ کر راستہ روک لیں گے۔ زبانِ خلق نقارۂ خدا لوگوں کا جوش جذبہ اور عقیدت دیکھ کر صاحبزادگان نے ڈیرہ غازی خان میں ہی تدفین کا فیصلہ کیا۔

آپ کے گھر کے قریب سڑک کے پار ایک بڑا قطعۂ زمین تھا جہاں گیارہویں شریف کی تقریب ہوا کرتی تھی۔ عرس گاہ اُس زمین کا شمالی حصہ آپ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ سیر کے لئے ٹہلتے ٹہلتے نکلتے تو اُسی جگہ آ کھڑے ہوتے۔ اکثر وہیں بیٹھ جاتے۔ کئی بار اس قطعۂ زمین کی طرف اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے "یہ جگہ ہمیں بہت پسند ہے"۔ آپ اکثر اس جگہ کی صفائی کا اہتمام کراتے۔ جس جگہ آپ کا مزار مبارک ہے وہ جگہ نشیب میں تھی۔ آپ نے وصال سے چند روز قبل وہاں مٹی ڈلوا کر اس جگہ کو ہموار اور صاف کرایا۔ اب لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ آپ کو یہ جگہ کیوں پسند تھی۔

مولانا حاجی محمد سلیمان فرماتے ہیں کہ ان کے مرشد پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے کیتھل شریف میں درگاہ حضرت شاہ کمال قادری کے اس حجرے میں چلہ کشی کی تھی جہاں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے چلہ کشی کی تھی۔ یہی روحانی رابطہ و قادری نسبت حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ قادری کی تجہیز و تکفین اور مزار مبارک کی نشاندہی کا موجب بنی حضرت مولانا محمد سلیمان نے مکاشفہ بیان کیا کہ حضرت سید علی احمد شاہ کے مزار مبارک کے سرہانے کی وسطی جالی کے دائیں بائیں بالمقابل حضرت غوث اعظم، حضرت خواجہ

شہاب الدین سہروردی اور ایک بزرگ ہستی میرے پیر بھائی حضرت سید ولی محمد شاہ صاحب چادر پوش کی بھی دوسری طرف حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور امیر ملت محدث علی پوری تشریف فرما تھے اس لئے وسطی جالی نشست گاہ اولیاء کا درجہ رکھتی ہے اور میرے نزدیک یہ قبولیت کی جگہ ہے۔"

۲۳ دسمبر ۱۹۶۲ء کو صبح دس بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بے شمار صفیں بندھیں نماز جنازہ ادا ہوئی لیکن لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی لہذا نماز جنازہ دوسری اور تیسری بار پڑھائی گئی۔ پہلی بار نماز جنازہ حضرت مولانا غلام جہانیاں امیر اعلیٰ پاک سنی تنظیم نے پڑھائی۔ دوسری نماز جامع نعمانیہ کے خطیب حضرت شیخ الاسلام مولانا فضل حق اور تیسری نماز جنازہ حافظ حاجی کریم بخش صاحب نے پڑھائی۔

آپ کی نماز جنازہ میں علمائے کرام مشائخ عظام کے علاوہ ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں نے شرکت کی حتیٰ کہ عیسائی بھی موجود تھے۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی کثیر تعداد نے اپنے مربی اور محسن کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

ڈیرہ غازیخان میں تین دن تک غم واندوہ کی ایسی کیفیت طاری رہی جسے بیان کرنا ممکن نہیں۔ تعزیتی قراردادیں منظور ہوئیں۔

اداریہ روزنامہ کوہستان لاہور

موتُ العالِم موتُ العالَم

ملک کے ایک ممتاز بزرگ اور سلسلہ قادریہ کے روحانی پیشوا حضرت سید علی احمد شاہ ۶۴ سال کی عمر میں اچانک ڈیرہ غازیخان میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت اپنے دور کے ایک کامل درویش تھے تصوف میں سلسلۂ کمالیہ قادریہ

سے تعلق تھا۔ جدوجہد آزادی اور حصول پاکستان کے لئے کھل کر مسلم لیگ کی حمایت کی۔ دامے درمے سخنے ہر طرح سے اس میں حصہ لیا۔ انہوں نے ہزاروں افراد تک دین کی روشنی پہنچائی۔ وہ تصوف کے پیکر تھے۔ اپنے علم و عمل کے ذریعے اندرونِ ملک اور بیرون ممالک میں اس مسلک کو فروغ دیا۔ آپ کی زیارت سے لوگوں کے دل منور ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور وابستگان سلسلہ اور پسماندگان کو صبر وجمیل عطا فرمائے۔

روزنامہ کوہستان لاہور رجب المرجب سنہ ۱۳۸۲ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء

جن حضرات نے تعزیتی پیغام بھیجے ان میں سے چند خطوط اور پیغامات پیش کئے جاتے ہیں۔

علامہ سید احمد سعید کاظمی آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ایک عارف کامل اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔

خلیفہ سید **مقبول احمد سرہندی سجادہ نشین سرہند شریف انڈیا** ہے۔ آپ کی ذات بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے مشعل راہ تھی۔ آپ قطب زمانہ بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں اضافہ کرے۔

دیوان سید صولت حسین سجادہ نشین اجمیر شریف

حضرت سید علی احمد شاہ قادری انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے بزرگ تھے افسوس وہ ہم سے بچھڑ گئے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مخدوم سید شوکت حسین گیلانی سجادہ نشین ملتان ہے۔ آپ کا تمام مشائخ میں یکساں

احترام کیا جاتا تھا۔ آپ کے اوصاف اسلاف کی عظمت کا نمونہ تھے۔

خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسوی نے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"حضرت خواجہ سید علی احمد شاہ صاحب کیتھلی کے وصال کی خبر سن کر ازحد افسوس ہوا انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا ایک صادق العمل درویش سے محروم ہوگئی"۔

دوسرے موقع پر فرمایا حضرت شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات تمام سلاسل کیلئے ایک سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں باوجود خواہش کے شاہ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ وہ تونسہ تشریف لائے تو فقیر کراچی گیا ہوا تھا۔

حضرت خواجہ غلام نظام الدینؒ تونسوی

حضرت سید غلام محی الدینؒ شاہ قدس سرہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ گولڑہ شریف نے اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت علی احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ قادریہ کی آخر دم تک گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی کے حقیقی وارث اسلاف کی نشانی اور اپنے بزرگوں کا عکس جمیل تھے۔ آپ کی زندگی اتباع رسول صلعم کا نمونہ تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے خاص جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ اور متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت سید ولی محمد شاہ صاحبؒ چادر پوش نے فرمایا۔ حضرت سید علی احمد شاہ خانوادہ قادریہ کیتھل شریف کے چشم وچراغ اور قطب زمانہ بزرگ تھے ہمارے پیشواؤں کے پیشوا شیخ الآفاق حضرت شاہ کمال کیتھلی کی اولاد تھے۔

صوفی احمد بخش محمودی سلیمانی نے کہا کہ شہر ڈیرہ غازی خان ایک قطب کے سایہ

سے محروم ہوگیا ہے۔ ایسی بزرگ ہستیاں جو کہ اپنے عمل سے مسلم و غیر مسلم پر اثر ڈال کر اسلام کی صداقت منوالیں ہمارے درمیان خال خال ہی رہ گئی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج کے پیروں میں خدمتِ خلق کے وہ اوصاف پیدا کرے جس کی شمع فروزاں علی احمد شاہ کی ذات تھی۔

شہید ملت لیاقت علی خان کے فرزند نواب زادہ ولایت علی خان اور بیگم لیاقت علی خان نے بھی تعزیتی خطوط لکھے۔

حضرت صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر بڑا دکھ ہوا۔ قبلہ اس دنیا کی تاریکی میں ایک قندیل کی مانند تھے مجھے تقسیم ہند سے قبل کیتھل میں عرس مبارک کی وہ محفلیں یاد ہیں جن میں تایا جان محترم کے ہمراہ حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے حضرت کی ذات محفل کی رونق تھی۔ آج بھی آپ کی ذات بزم عشاق پر محیط ہے اور عقیدت مندوں کے لئے روح کی تسکین کا باعث ہے۔ دعا ہے یہ خانہ یونہی آباد رہے۔

نوابزادہ ولایت علی خان

محترم سجاد بھائی کی زبانی پیر صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا۔ ان کی ذات محروم دلوں کے لئے ایک شفا خانے کی حیثیت رکھتی تھی۔ ایک دلی کامل کا سایہ ہم پر سے اٹھ گیا۔ خدا انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔

بیگم جہانگیرہ لیاقت علی خان

افسوس ہم آپ کے ظاہری و باطنی فیضان سے محروم ہو گئے۔ ان کی یاد ان کے عقیدت مندوں کے دلوں سے کبھی محو نہ ہوگی۔ آپ کی ذات علم و عرفان کا دریا تھی۔ آپ کی پوری زندگی تقویٰ و پرہیز گاری کا نمونہ تھی۔ ان کو دیکھ کر قدیم بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

نواب سجاد علی خان

حضرت صاحب ایک مشفق بزرگ تھے مجھے کئی مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ کی ذات ہمارے لئے رحمتوں اور برکتوں کا خزینہ تھی۔

سردار میر بلخ شیر مزاری

حضرت قبلہ شاہ صاحب صاحب تقویٰ بزرگ تھے ان کی وفات سے بڑا روحانی نقصان ہوا ہے۔ میری بیعت حضرت سید غلام حسن صاحب نقشبندی کروڑ لعل عیسن سے تھی۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ حضرت صاحب ہمارے مشائخ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی صحبت میں اولیائ اللہ کی مجلسوں کا لطف حاصل ہوتا تھا۔ افسوس ہم ان کی دعاؤں اور شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ ڈیرہ غازیخان کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں ہر دور میں بزرگ تشریف لائے ہیں۔

سردار محمد خان لغاری

حضرت شاہ صاحب اوصاف و کمالات میں سلف کی یادگار تھے۔ ان کی ذات علم و عرفان کا دریا تھی۔ آپ کی پوری زندگی تقویٰ و پرہیزگاری کا نمونہ تھی۔ ان کو دیکھ کر قدیم بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

سردار محمود خان لغاری۔

حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ صاحب انتہائی بااخلاق متواضع، ملنسار اور کامل درویش تھے۔ میں اکثر سردار محمود خان کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں ان کی وفات سے مجھے قلبی دکھ ہوا ہے۔

سردار تگیہ خاں لغاری۔

اشکوں بھرا سلام! سمجھ نہیں آ رہا کہ اس موقع پر آپ کو کس طرح مخاطب کروں۔ اور کس طرح اظہار افسوس کروں۔ ہم پر غم کا جو پہاڑ گرا ہے جب اس کا خیال آتا ہے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ حضرت قبلہ سرکار کا وہ نورانی چہرہ اب

تک آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔ جب پچھلی مرتبہ ہم سب بہنیں مسعود صاحب کے ہمراہ ڈیرہ غازی خان آئی تھیں تو کیا معلوم تھا کہ یہ چاند جلد چھپنے والا ہے پھر کبھی نظر نہیں آئے گا۔

۱۹۵۸ء میں قبلہ سرکار غریب خانہ پر کھیوڑہ تشریف لائے۔ رشید احمد صاحب بھی ہمراہ تھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حق کی رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ چاروں طرف سے سکون و اطمینان کا احساس ہوتا تھا۔

ان دنوں کھیوڑہ میں آپ کی موجودگی نے ذرّوں کو رشک چمن بنا دیا تھا حقیقت میں اب آپ ہی ہماری امیدوں کا مرکز ہیں۔ بہن فاطمہ کا تو برا حال ہے وہ بہت یاد کرتی ہیں۔

قبلہ سرکار کے مزار پر ہمارا سلام عرض کیجیے۔

ڈاکٹر صابرہ اسماعیل

کھیوڑہ

مزاج مبارک۔ کل مورخہ ۲ جنوری ۱۹۶۳ء کو حضرت قبلہ میاں صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر از حد رنج ہوا۔ میں نے دار وغہ صاحب کے مرسلہ کارڈ کو جو "لاہور" سے آیا تھا دو تین بار پڑھا۔ کیونکہ اس غیر متوقع خبر کا یقین نہ آتا تھا ابھی چند روز ہوئے کہ آپ نے مجھے میرے خط کا جواب دیا تھا کہ "آپ اس مقدمے کے متعلق جو آپ کے خلاف دائر ہے۔ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ کیونکہ قبلہ میاں صاحب کی توجہ خاص آپ کی جانب ہے۔" میں اس اطمینان کی کیا تشریح کروں۔ جو آپ کے خط کو پڑھ کر مجھے حاصل ہوا۔

برادرم! اس میں شک نہیں کہ قبلہ کی وفات آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے اور اب آپ پر کس قدر ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے

سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ سبھی کو اس راستے سے گزرنا ہے۔ اور کس کے والدین تمام عمر اس کے ساتھ رہے ہیں۔ بہر حال صبر کرنا ہی پڑے گا۔

آپ تو ہر وقت ان کی حضوری میں رہتے تھے۔ ہم جیسوں پر غور کیجئے کہ اتنی دور بیٹھے ہوئے آن قبلہ کو پشت پناہ سمجھے ہوئے تھے۔ اور ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ اگر کوئی آفت آئی تو میاں صاحب کو اطلاع دے دیں گے۔ اور وہ آفت دور ہو جائے گی۔ فرمائیے ہمارا کیا حال ہوگا۔ اور ہماری امیدوں کا کس طرح خون ہوا ہے۔

اس کارڈ میں یہ بھی تحریر تھا کہ غالباً ۲۱ جنوری ۱۹۶۳ء کو دستار بندی ہوگی۔ یہ تو فرمائیے آپ دونوں صاحبزادوں میں سے کس کے سر پر دستار رکھی جائے گی اور کیا یہ تاریخ پختہ طور پر مقرر ہو چکی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ دستار بندی کے موقع پر حاضر ہو جاؤں۔

برادرم! یہاں آکر میں کسی قابل نہ رہا۔ اور گوجرانوالہ سے ڈیرہ غازی خان میرے لئے اتنی مسافت رکھتا ہے جیسے دوسری دنیا ہے۔ اور وہاں جانے کے لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے جو مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ خدا گواہ ہے کہ جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ آن قبلہ کی عدم موجودگی آپ پر کس قدر شاق گزری ہوگی۔ تو مجھ کو انتہائی قلق ہوتا ہے۔

افسوس میں بہت دور ہوں آپ کو کس طرح دلاسے دوں۔ اور صبر و ضبط کی تلقین کروں۔ میرے اختیار میں بس یہی ہے جو کر رہا ہوں۔ یعنی صبر سے کام لیجئے۔ اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آن قبلہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اب آپ صاحبان ہمارے لئے آن قبلہ کے جانشین ہیں ہمارے دلوں میں آپ کا وہی احترام ہے جو آن قبلہ کا تھا اور اب جب ہم کسی پریشانی میں مبتلا ہوں گے تو آپ ہی سے دعائے خیر کی التجا کریں گے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور آپ کی ریاضت اور مجاہدہ آپ کو

بلند سے بلند مقام پر سرفراز کرے (آمین)

مائل کرنالی گوجرانوالہ

میرے سرکار عالی! خداوندکریم ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ اور یہ نقصان کبیرہ کو برداشت کرنے کی توفیق دے۔ خدا معلوم کس منحوس گھڑی میں قبلہ حضور کی رحلت کی اطلاع موصول ہوئی۔ یہ خبر ہمارے لئے طوفان قیامت سے ہرگز کم نہ تھی۔ سب کو سکتے کا عالم ہوگیا۔ کیا ہوگیا قیامت آگئی۔ بہت دیر تک تو خبر غلط کے خیال میں رہے۔ میاں نسیم بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوئے اور کوئی نہ جاسکا۔ والدہ صاحبہ جو کہ گذشتہ منگل کے دن ہسپتال سے واپس آئی تھیں ان سے یہ خبر پوشیدہ رکھی۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ خبر سن کر ان پر کیا گذرے گی ان کی کمزوری اور آنکھ کا تازہ اپریشن حائل ہے۔ اور لکھنے سے قاصر ہوں دل جانتا ہے کہ سب کو کس قدر صدمہ پہنچا ہے۔

نہ معلوم خدا کو کیا منظور تھا کہ ہم کو بے سہارا کر دیا۔ خدا معلوم اس میں کیا راز ہے اچھا سرکار اب تو یہی دعا ہے کہ خداوندکریم ہمارے سرکار عالی مقام کو ان کا مقام عالی بخشے۔ اور ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے ان کا فیض جاری رہے۔ اور ہم پر عنایت رہے۔

ہم سب شریک غم ہیں۔

بدنصیب۔ سید عبدالحمید

اسسٹنٹ سیکریٹری وزارت اطلاعات کراچی۔

احوال یہ ہے کہ آپ کی چھٹی پڑھ کر ازحد افسوس ہوا کہ اس صدمۂ عظیم پر صبر ہی دل کو نہیں آتا۔ کس طرح سے صبر کروں وہ میرے خاص دوست تھے۔ ہم دونوں

پانچویں جماعت سے اکٹھے تعلیم پاتے تھے شروع سے ہی ان کے ساتھ میرے تعلقات بہت گہرے تھے۔ مجھے کسی طرح سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ خدا کی مرضی ایسی ہے اس کے حکم کے آگے کوئی مداخلت نہیں کر سکتا کہ ان کی ایسے وقت میں کوئی مدد نہ کر سکا۔ بلکہ درشن بھی اپنے دوست کے نہیں کر سکا۔ آپ نے ان کی بیماری کی بھی اطلاع نہیں دی۔ ان کی زندگی میں ایک بار یاد تو کر لیتے۔ اور ان کی تصویر چہرے کے سامنے آجاتی۔ میں عزیز من کیا کروں میرے لئے ایک اس قسم کا خلاء پیدا ہو گیا ہے کہ اس کو سوائے خدا کے کوئی اور پُر نہیں کر سکتا۔ خدا ان کی روح کو شانتی دے۔ میں تو خدا سے دعا ہی مانگ سکتا ہوں عزیز من حوصلہ کرو۔ آپ کے والد بزرگوار کبھی دنیا سے دور نہیں ہو سکتے وہ خداوند کریم کے سچے پوتر ہیں۔ وہ ہر وقت ہمارے لئے موجود ہیں آپ لوگ صبر سے کام لیں اور اپنے دل کو تسلی دیں رونے دھونے کے لئے تو ہم ہیں۔ ہماری موجودگی میں آپ کوئی فکر نہ کریں۔

سب صاحبان کو میری طرف سے سلام عرض کر دیں۔ میرے سے کچھ تحریر نہیں ہوتا۔ میرا دل گھٹا جاتا ہے۔ معاف کرنا میں حاضر خدمت نہیں ہو سکتا۔

کرم چند ایڈوکیٹ

کیتھل انڈیا

حضرت کا سفر آخرت

رجب کی ۲۳ تاریخ تھی جمعہ کا مبارک دن اور عصر کا وقت کہ اچانک حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی الکمالی نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور اپنے خالق و مالک سے جا ملے اور اس طرح ڈیرہ غازی خان میں محفل قادریت کی ایک روشن شمع گل ہو گئی وہ شمع جو ہماری زندگی کی راہوں میں روشنی پھیلاتی رہی۔ افسوس ہم اس کی روشنی اور رہبری سے محروم ہو گئے۔ حضرت قبلہ سرکار کیتھلی رح حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی چوبیسویں پشت کی شمع روشن کئے ہوئے تھے وہ تمام عمر اپنے جد اعلیٰ حضرت سیدنا غوث اعظم رح کے نصب العین اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی سعی کرتے رہے۔ ڈیرہ غازی خان میں سکونت کے بعد گو یہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اور کئی عوارض میں مبتلا رہنے کے باوجود شاہیوال اور ملتان کے عقیدت مندوں کے اصرار پر یہاں کی رہائش ترک کر کے ملتان یا ساہیوال تشریف لے آئیں گوارہ نہ کیا۔ ڈیرہ غازی خان والوں کی محبت اور خلوص نے واپس نہیں جانے دیا وہ اپنے عقیدت مندوں، ہم وطنوں اور حلقہ بگوشوں کے دلوں کو توڑ کر کس طرح جا سکتے تھے۔ آپ کے دم قدم سے ڈیرہ غازی خان جیسے دور افتادہ اور پسماندہ شہر میں بڑی روحانی آسودگی پائی جاتی تھی۔ آپ کا آستانہ صحیح معنوں میں روحانی شفا خانہ تھا۔ مجھے ۱۹۵۲ء سے قربت کا شرف حاصل تھا۔ وہ مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اور یہ سب التفاتِ کریمانہ میرے شیخ حضرت امیرِ ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری رح کی بدولت تھا۔ جب بھی خلوت میں آپ سے شرفِ نیاز حاصل کرتا تو ایک روحانی کیف وسرور میں کھو جاتا۔ ہر جمعرات کو آپ کی قیام گاہ پر محفلیں برپا ہوتیں۔ ہر سال گیارہویں شریف کی محفل منعقد ہوتی جس میں دور دراز سے لوگ آکر شرکت کرتے۔ عقیدت مندوں اور اہل دل کا مجمع ہوتا۔ شہر کے مرد وزن بڑی

عقیدت سے حاضر ہوتے۔ آخری سالوں میں شہر کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہونے لگے کہ آپ کی قیام گاہ سے باہر سڑک تک کافی بھیڑ بھاڑ رہتی۔ یہ دیکھ کر سید رشید احمد صاحب نے جی ایم سبحانی صاحب سیٹلمنٹ کمشنر ڈیرہ غازی خان سے (جو حضرت صاحب کے نیاز مندوں میں سے تھے۔) تذکرہ کیا کہ اب ایک وسیع و عریض خانقاہ کی ضرورت ہے۔ جہاں گیارہویں شریف کی تقریبات ہوا کریں اور حلقہ بگوشوں کی کثیر تعداد آسانی سے سما سکے۔ انہوں نے اس تجویز کو بہت پسند کیا یوں دربار قادریہ کے لئے موجودہ جگہ الاٹ کرنے کا شرف جی ایم سبحانی صاحب کو حاصل ہوا بعد ازاں اس کی تعمیر میں عقیدت مندوں نے بڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کی صحت کچھ عرصہ سے خراب رہنے لگی تھی۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کی رفیقۂ حیات کا انتقال ہوا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۸ء میں آپ کو ایک عظیم اور روح فرسا صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اس دن آپ کے بڑے فرزند صاحبزادہ سید مسعود احمد نے کراچی میں داغ مفارقت دیا۔ پرسان حال کو صبر کی نصیحت فرماتے کہ صبر کرو۔ "ان اللہ مع الصابرین"۔ آخر ۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء کو آپ نے بھی رخت سفر باندھا۔ آپ کی رحلت سے اصحاب صوفیاء کی صف میں ایک خلاء پیدا ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ کے انتقال پر ملال کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ ذرائع ابلاغ اور اخبارات کے ذریعے وطن عزیز کے اطراف میں بھی پہنچ گئی۔ جس نے سنا دل تھام کے رہ گیا۔ شروع میں کسی کو یقین نہیں آتا تھا ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر چہرہ درد و الم کی تصویر تھا۔ دوسرے دن بہت سے کاروباری مراکز بند رہے۔ مستورات جو گھروں میں مصروف تھیں اسی اضطراب کے عالم میں گھروں سے باہر نکل آئیں مرد و زن پیر و جوان سب کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اُس روز در و دیوار پر اداسی چھائی ہوئی تھی وفات کی خبر سن کر آپ کی رہائش گاہ پر تل دھرنے کی جگہ نہ رہی تھی۔ اندر باہر اہل نظر کا ہجوم تھا اس ماتمی

ہجوم میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ شامل تھے۔ متواتر قرآن خوانی رہتی ۔ دو دن تک اس روح فرسا سانحہ کے اعلانات کا سلسلہ جاری رہا۔ ملک کے اطراف و جوانب سے آپ کے عقیدت مندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا ہر ایک دل میں آپ کے آخری دیدار کی آرزو تھی۔ آپ کی نماز جنازہ تیسرے روز خانقاہ کی وسیع و عریض جگہ پر صبح دس بجے پڑھائی گئی۔ چہرہ مبارک پر ایک تبسم تھا۔ ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لئے بے قرار تھا۔ ڈیرہ نماز یخان میں اس سے بڑا جنازہ اب تک کسی کا نہ اٹھا تھا۔ صاحبزادگان لاہور میں زیر تعلیم تھے پہنچ چکے تھے۔ جو کہ غم داندوہ سے نڈھال تھے۔ سینہ پر صبر کی سِل رکھے ارادت مندوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم کی ڈھارس بندھا رہے تھے۔ بیسیوں آدمی شدت جذبات اور غم سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ بعض دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے الغرض ہر شخص یہی محسوس کر رہا تھا کہ مجھے جتنا صدمہ ہے کسی اور کو نہیں ہے۔ نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد سوگواروں کی آمد جاری رہی۔ اس لئے تین مرتبہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی

نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو آستانہ عالیہ کے وسیع احاطہ میں سپرد خاک کے لئے لے جایا گیا۔ جہاں قبر پہلے سے تیار تھی۔ قبر کے گرد اصحاب فکر و نظر کا ہجوم تھا پھر حسرت آفریں ساعتیں بھی قریب آگئیں کہ جب آپ کے جسم مبارک کو آغوش لحد میں اتار دیا گیا۔ ذرا سی دیر کو چہرہ سے کفن ہٹایا گیا تو یوں محسوس ہوا جیسے بدلی سے چاند نکل آیا ہو پھر ہمیشہ کے لئے لحد میں روپوش ہوگیا۔ ہزاروں ہاتھ بے اختیار خدا کے حضور دراز ہو گئے۔ اور آپ کے مقامات اُخروی کی سرفرازی کے لئے آپ کے درجات عالیہ میں سربلندی کے لئے محو دعا تھے۔

؎ آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے۔

سلمان نقشبندی

روزنامہ "کوہستان"

نتیجۂ فکر

سید محمود حسن قبولہ شریف

ہو رہی ہے آج کیوں آنکھوں سے جوئے خوں رواں
یا الٰہی! آج کیوں پہلو میں دل ہے بے قرار!
آہ! کیسا حادثہ دنیا کو پیش آیا ہے آج
رو رہا ہے جس پہ ہر پیر و جوان زار زار!!
بجھ گئی وہ شمع روشن مرگِ بے ہنگام سے
طلعتِ زیبا پہ جس کے اک زمانہ تھا نثار
آہ! وہ سید علی احمدؒ کہ تھے اس دَور میں
شاہ کمال و شاہ سکندر قادری کی یادگار
آج ان کی موت نے دنیا کو ویراں کر دیا
گلشنِ رشد و ہدایت سے ہوئی رخصت بہار
ان کی سیرت رشک افزا تھی ملائک کے لئے
صورتِ زیبا سے ان کی قدرتِ حق آشکار
بے نیاز از ہر دو عالم صاحبِ خلقِ عظیم
خوشخصال و شاکر و صابر حلیم و بردبار!!
ایک عالم کو تڑپتا چھوڑ کے رخصت ہوئے
کس قدر تھا ان کے دل میں شوقِ وصلِ کردگار

آج کیوں محمودؔ کے رونے پہ وہ خاموش ہے
سب کی دلداری رہا تھا عمر بھر جس کا شعار
اس دلِ محزوں کو یارب صبر کی توفیق دے
شدتِ رنج والم سے ہو گیا سینہ فگار

لوحِ مزار

مدفنِ نورِ نگاہ حضرتِ خیر الانام
مرقدِ سید علی احمد شہہ ذی احتشام!!
موردِ بارانِ رحمت چشمۂ فیض مدام!!
مہبطِ الطافِ رب العالمیں ہر صبح و شام
ہے تجلی اس جگہ اس شمع کے انوار کی
جس نے کیتھل کو کیا تھا مرجعِ ہر خاص و عام
وارثِ تاجِ ذنگینِ حضرتِ غوث الوریٰ رض
یادگارِ شاہ کمال و شاہ سکندر الاکلام
نازشِ فقر و غنا و واقفِ سرّ اللہ!
حسن روئے اتقاء و متقیاں را امام!!
ہے یہاں وہ جلوۂ حسن معانی کا ہجوم
دیکھ کر شرمائے جس کو شاہدِ ماہِ تمام
بارگاہِ حق تعالیٰ میں وہی محمود ہیں
یعنی عِنْدَ رَبِّہٖ مرضیہ ہے جن کا قیام

اعلیٰ حضرت شاہ علی احمد قادری کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال پر۔
منجانب محمود علی مائل کرنالی گوجرانوالہ مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۳ء

مرثیہ بطرز مسدس

آج پھر شورشِ ماتم ہے شبستاں میں مرے
آج پھر حشر کے آثار ہیں ایواں میں مرے
آج پھر دورِ خزاں کا ہے گلستاں میں مرے
آج پھر ذکرِ الم ہے دلِ سوزاں میں مرے
غم کا طوفان ہے کہ ہر لحظہ بڑھا جاتا ہے
اپنے ہی اشکوں میں ہر شخص بہا جاتا ہے

بے قراری میں دلوں سے یہ نکلتی ہے صدا
آج اک مردِ خدا ہوا واصل بخدا!!
عام تھے دہر میں جس کے کرم و فیض و عطا
جس کا رتبہ تھا طریقت میں سِوا سے بھی سوا
صاف آتا تھا نظر حسنِ کمالی اس میں
جمع تھی شانِ جمالی و جلالی اس میں

اس کی ہر موجِ کرامات تھی دریا دریا!!
اس کی ہر بات سے اعجاز تھا پیدا پیدا
اس کے اسرار میں در پردہ تھی دنیا دنیا
اس کا ہر زعم تھا گردوں سے بھی بالا بالا!!!

غوث اعظم نے اسے شانِ جلالت دی تھی
شہ سکندر نے اسے اپنی ولایت دی تھی

شہر کیتھل میں اگر مصدر مقام اس کا تھا
ڈیرہ غازیخان میں کچھ روز قیام اس کا تھا
شرق سے غرب تلک شہرۂ عام اس کا تھا
یعنی ہر میکدۂ شوق میں جام اس کا تھا

مہر تاباں کی طرح تھا دل پُرنور اس کا
چہرہ روشن تھا مثالِ شررِ طور اس کا

بزم میں اس کی نظر کیف لٹا جاتی تھی
جام پر جام محبت کے پلا جاتی تھی
مسکراہٹ کبھی ہونٹوں پہ جو آجاتی تھی
فیض والطاف کے دریا ہی بہا جاتی تھی

اس کی محفل میں محبت کو جنوں ملتا تھا
دلِ ناکام و پریشاں کو سکوں ملتا تھا

پردے اٹھ جاتے تھے جب اہلِ خبر آتے تھے
دیدۂ شوق کو پردے ہی نظر آتے تھے!!
کتنے ہاتھوں میں لئے قلب و جگر آتے تھے
کتنے ایسے تھے جو با دیدۂ تر آتے تھے!!!

دردمندانِ محبت کو دوا ملتی تھی
اور مریضانِ تمنا کو شفا ملتی تھی

کتنی مدت سے مسلط تھا یہاں قحطِ رجال
دل کی تسکین کے لئے تھا وہی اک اہلِ کمال
ہائے مجبوریٔ دل کس سے کروں جا کے سوال
اب مری بزم میں مائل نہ کوئی قال نہ حال
دیکھئے اس کی جدائی کو وہ کرتی کیا ہے!
اور ہم اہلِ عقیدت پہ گزرتی کیا ہے!

تاریخی نوحہ مفارقت

پھر وقت نے بخشا ہے مجھے داغِ وفا اور
شاید ابھی باقی تھی محبت کی سزا اور
پہلے ہی جگر خون تھا، اب خون ہوا اور!!
تقدیر کے ترکش سے چلا تیرِ قضا اور!!
اے ہمنفسو! تار بھی دامن میں نہیں تھا
پیغامِ جنوں دے گئی کل بادِ صبا ــــ اور
اک امرِ مشیت ہے کہ ٹالا نہیں جاتا
بندوں کی رضا اور ہے مولا کی رضا اور
اب شاہ سکندر کا وہ آئینہ کہاں ہے
یاں تابہ ابد چاہیئے روحوں کو جِلا اور

لائیں گے عقیدت کے پرستار کہاں سے!
بیمار دلوں کے لئے لازم ہے غذا اور
خورشیدِ طریقت کہ وہ احمد ہے علی بھی
اب دور سے دیتا ہے نگاہوں کو ضیا اور
ہم نوحہ گروں کو بھی تہِ خاک سُلا دے!
ہاں اے پیرِ فلک ابھی مشقِ جفا اور!
عالؔی غمِ مسعودِ میاں کیا ہمیں کم تھا
کچھ دیر نہ گذری کہ نیا گل یہ کھِلا ــــ اور
ہم دیکھ رہے تھے کہ ابھی چھوڑ کے ہم کو
فردوس میں داخل ہوا اک مردِ خدا اور

جناب عالؔی متھراوی

چہلم

۲۱ جنوری ۱۹۶۳ء کو قبلہ سرکار کے چہلم کے موقع پر صاحبزادہ صاحب کی رسم دستار بندی ہوئی۔ قبلہ سرکار کو صاحبزادہ مقبول محی الدینؒ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آپ کی خصوصی توجہ ان کی طرف تھی اس وجہ سے لوگوں کو اندازہ تھا کہ یہی صاحبزادے مسند پر فائز ہوں گے۔ صاحبزادہ صاحب سن شعور کو پہنچے تو آپ کی باطنی صلاحتیں اجاگر ہونے لگیں قبلہ سرکار ان کے بارے میں یہی فرمایا کرتے تھے۔ "یہی ہماری چابی ہے"۔ آپ کے پاس جب بھی کوئی غرض لے کر آتا، یا دعا کے لئے درخواست کرتا تو آپ اکثر اوقات فرماتے کہ "میاں صاحبزادے سے چابی لگوائی"۔ چنانچہ آپ کی حیات میں ہی لوگ آپ کے فرمان کے

۱۔ عالی مرتبت سید مقبول محی الدین گیلانی مدظلہ العالیٰ کی بدولت ڈیرہ غازی خان میں وہ سرچشمہ ہدایت آج بھی جاری ہے۔ جس سے ان کے بزرگوں نے تشنگانِ معرفت کو ایک مدت تک سیراب کیا تھا۔ آپ کی محفل میں اہل قلم، دانشور، اساتذہ، وکلا، صحافی اور شعرائ موجود رہتے ہیں۔ آپ کی شخصیت ہر مکتب فکر کے لوگوں کے لئے قابلِ صد احترام ہے۔ ظاہری جبہ و دستار سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھا ہوا ہے۔ آپ کے حسنِ خلق کی وجہ سے حاجت مندوں اور ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے سید فریدوں کمال، سید جنید کمال اور رشید احمد کمال اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صاحبزدگان کو اپنے نامور بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلائے اور اپنے بزرگوں کی مانند اسلام کی خدمت کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے (آمین)

اعلیٰ حضرت کا جلایا ہوا یہ چراغ تا قیامت فروزاں رہے۔ جس نے لاکھوں افراد کو نورِ باطن سے منور کیا اور معاشرہ کے ستائے ہوئے اور دکھی انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے۔

مطابق صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حاجی عبدالستار اپنے بیٹے بشیر کو بیعت کے لئے خدمتِ اقدس میں لائے تو سرکار نے فرمایا۔ "اس کا حصہ ہمارے پاس نہیں۔ میاں مقبول کے پاس ہے۔" آپ کے اس فرمان سے بھی عقیدت مندوں کا خیال پختہ ہو گیا کہ صاحبزادہ میاں مقبول ہی آپ کے جانشین ہوں گے۔ بعض عقیدت مندوں کو خواب میں بھی سجادہ نشینی کے متعلق اشارہ ہوا۔

اقبال احمد خان (۱) نے خواب دیکھا کہ وہ آستانہ پر حاضر ہوئے ہیں اقبال احمد خان کو آتے دیکھ کر قبلہ سرکار نے فرمایا "اقبال خان کیسے آئے ہو۔" انہوں نے عرض کیا "سرکار سلام کرنے حاضر ہوا ہوں۔" یہی سلام و جواب تین بار ہوئے تیسری بار آپ نے فرمایا "کوئی کام ہو تو میاں مقبول سے کہہ دیا کرو۔"

حکیم آفتاب احمد صاحب پانی پتی نے وصال کے بعد خواب دیکھا کہ وہ سرکار کی خدمت میں آپ کے گھر پر حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ سرکار بازار میں شور مچ گیا کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ قبلہ سرکار خاموش رہے۔ پھر عرض کی شہر میں عام چرچا ہے کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ سرکار نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے تیسری بار پھر عرض کی، شہر میں مشہور ہو گیا ہے۔ تو آپ نے صاحبزادہ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا " دیکھو میاں مقبول بیٹھے ہیں۔" گویا آپ نے اشارہ فرمایا کہ آپ کے بعد یہی صاحبزادہ صاحبِ سجادہ ہوں گے۔

حاجی امین کو بھی خواب میں ایسا ہی اشارہ ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ قبلہ سرکار غازی گھاٹ کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کے استقبال کے لئے میاں مقبول تشریف فرما ہیں۔ اور ان کے پیچھے بے شمار لوگ ہیں۔ آپ کی صاحبزادی نے وصال سے ڈیڑھ دو سال پیشتر بھی جو خواب دیکھا تھا۔ اس کی بھی یہی تعبیر

۱۔ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر جنرل

بتائی گئی تھی۔ کہ آپ کے چھوٹے بھائی قبلہ سرکار کے بعد صاحب سجادہ ہوں گے۔

۲۱ جنوری ۱۹۶۳ء کو چہلم کے موقع پر رسم دستار بندی ادا ہوئی۔ بڑے صاحبزادہ خورشید محی الدین گیلانی[1] نے مقبول محی الدین گیلانی[2] مدظلہ العالی کے دستار باندھی۔ رسم سے پہلے مولانا عبدالشکور خادم کیتھلی نے دستار بندی کا باقاعدہ اعلان کیا اور موقع کی مناسبت سے لکھا ہوا ایمان افروز مضمون پڑھا اس کے بعد اپنی لکھی ہوئی نظم بڑی دلسوزی سے پیش کی۔

۱۔ حضرت سید خورشید محی الدین گیلانیؒ بسلسلہ ملازمت شیخوپورہ میں مقیم تھے ملازمت کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ علوم متداولہ کے علاوہ سلوک و طریقت کے بھی تنا ور تھے۔ ۱۶ رمضان ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء کو انتقال ہوا مزار محلہ مسلم گنج عید گاہ کے نزدیک ہے۔ آپ کے صاحبزادہ سید خالد خورشید قرآن حفظ کرنے کے بعد سکول میں زیر تعلیم ہیں۔

۲۔ صاحبزادہ صاحب تمام حلقوں میں نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں کشادہ دل کشادہ دست ہیں۔ ان کے دروازے پر آکر کوئی ضرورت مند خالی نہیں لوٹتا۔ جس طرح بن پڑتا ہے مدد کرتے ہیں۔ کوئی تخصیص روا نہیں رکھتے۔ بردباری اور خوش خلقی کا یہ عالم ہے کہ کوئی کتنی ہی تلخ بات کہہ دے کیا مجال کہ جبین پر انقباض نمایاں ہو۔ دل درد مند رکھتے ہیں ملت اسلامیہ کی سربلندی و بہبود کے آرزومند ہیں۔ آپ کے نزدیک موجودہ خرابیوں کا سبب خدا اور یوم آخرت سے بے نیازی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپؐ کے فرمودات سے روگردانی ہے۔

چاروں جانب چھایا ہے سناٹا سا ویرانوں کا
محفل میں جب شمع بجھی دل ٹوٹ گیا پروانوں کا

ساقی نے یوں آنکھیں پھیریں پیرِ مغاں یوں اُٹھا ہے
حال برا ہے رندوں کا، پیمانوں کا، مے خانوں کا

کیتھل والے یوں روتے ہیں جیسے بادل روتا ہے
زور ہے ان کے اشکوں میں دریاؤں کا طوفانوں کا

لب پہ آہیں آنکھ میں آنسو دل میں تیری یاد کی ٹیس
تیرے بعد یہ حال ہوا ہے تیرے سب دیوانوں کا

شاہ کمال کے سورج سے جو کسبِ ضیا فرماتا تھا
آہ! علی رضؒ احمدؒ ہے کہاں وہ رہنما انسانوں کا!

لیکن اے اربابِ عقیدت فیض برابر جاری ہے
رد کے سے بھلا کب رکتا ہے نور تجلی خانوں کا

آنکھوں والے غور سے دیکھیں، وہ خورشید طلوع ہوا
رنگ سنہری ہو گیا خادمؔ! مشرق کے ایوانوں کا

مولانا کے اعلان دستار بندی کے بعد سید محمود الحسن گیلانی دیوان سید غلام دستگیر شاہ گیلانی، حاجی عبد الستار اور باشندگان کیتھل و اہل شہر کی جانب سے مولانا احمد حسن قریشی نے پگڑی پیش کی ان کے علاوہ مختلف حلقوں نے پگڑیاں پیش کیں۔

رسم دستار بندی کے بعد پاک سنی تنظیم کے امیر اعلیٰ حضرت مولانا غلام جہانیاں خطیب جامع مسجد، حضرت فضل حق قریشی نعمانی، مولانا عبد الشکور

کیتھلی حضرت مولانا غلام ربانی بن حضرت مولانا نواب الدین چشتیؒ پروفیسر اللہ بخش الازہری نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ مولانا غلام جہانیاں نے آپ کے روحانی فیضان و برکات اور آپ کی ملی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

حضورؒ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جن کی ذات سے اس مادی دور میں بھی معرفت اور طریقت کا بھرم قائم تھا۔ آپ کی ہستی ایسی شمع فروزاں تھی جو اندھیروں میں اجالے کا کام دیتی تھی۔ اور گم کردہ راہوں کو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتی تھی۔ آپ کی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف تھی۔ اولیائے اللہ کی پہچان یہی ہے۔ جو ان کی بارگاہ میں آتا ہے بامراد واپس جاتا ہے بے قرار دلوں کو سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ پریشان حال طمانیت قلب لے کر لوٹتا ہے اور تشنہ روحوں کو عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اولیائے اللہ دنیا کے اندھیروں میں قندیل کی مانند ہوتے ہیں۔ آپ جو قندیل روشن کر گئے ہیں وہ تا قیامت روشن رہے گی۔ ایسی برگزیدہ ہستیاں بظاہر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ حیات جاوداں پالیتی ہیں۔ الحمدللہ اب حضرت سید مقبول محی الدین گیلانی مدظلہ العالی کی شخصیت آپ کی امیدوں کا مرکز ہے۔ ان کی شخصیت میں آپ کو قبلہ سرکار کا پرتو ملے گا۔ اب آپ ان ہی سے راہنمائی چاہیں گے دعا ہے کہ خداوند کریم صاحبزادگان کو سلامت رکھے۔ اور حضرت کی روشن کردہ شمع کو حسب روایات تابندہ رکھنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین"۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا فضل حق قریشی نے اپنی تقریر میں شیخ سعدیؒ کے شعر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

؎ یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کی صحبت میں تھوڑا وقت بیٹھنا سو سال کی پر خلوص عبادت سے کہیں بہتر ہے یہ محض لفظی ترجمہ ہے اس کی عملی تعبیر ان لوگوں سے پوچھیں جنہیں زندگی میں یہ مواقع نصیب ہوئے ہیں۔ مجھے کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ آپ کی صحبت میں بیٹھ کر ایسا سکون پایا جو کسی حاذق طبیب کی مرہم پٹی سے کسی مجروح کو حاصل ہوتا ہے۔ ہر آنے والا پریشان حال آتا اور پرسکون جاتا۔

مولانا عبدالشکور خادم کیتھلی نے اپنی تقریر میں کہا۔

قبلہ محترم کے جہلم کے موقع پر ان کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے ملتان سے حاضر ہوا ہوں۔ ان کی دائمی جدائی میں دل خون ہو گیا ہے کسے خبر تھی کہ منبعٔ رشد و ہدایت، صاحبِ عرفان و وجدان ہستی باعثِ خیر و فلاح شخصیت جن کی فطرت میں شانِ قلندری اور عمل میں ادائے کمال تھی اتنی جلدی ہم سے جدا ہو جائے گی۔ کیا عرض کروں اپنی کم مائیگی کا احساس ہے۔ ان کی درویشانہ خصوصیات، قلندرانہ شان اور اعلیٰ اخلاق کو بیان کرنے سے قاصر ہوں ان کی دائمی جدائی ایسا نقصان ہے جو ناقابلِ تلافی ہے۔ آپ کی زندگی تعلیمات اسلامی کی عملی تفسیر تھی۔ ایسے لوگوں کے متعلق ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں۔ آنکھ بن جاتا ہوں۔ زبان بن جاتا ہوں۔

بقول شاعر مشرق۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کار کشا کار ساز

آپ بیک وقت جلال و جمال کا مظہر اتم تھے جلال کا یہ عالم تھا کہ کسی کو آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اور جمال کی یہ کیفیت تھی کہ جب پر نگاہ

ڈالی وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا ہو گیا۔ اب جبکہ آپ ہم میں موجود نہیں صاحبزادہ صاحب ہی امیدوں کا مرکز ہیں۔

ڈیرہ غازیخان میں مقیم ارادتمندوں کو خدشہ تھا کہ وقتی طور پر قبلہ سرکار کے جسدِ خاکی کو یہاں سپرد خاک کیا گیا ہے وقت گزرنے کے بعد آپ کا مزار قبولہ میں ہی بنایا جائے گا۔ لوگوں کی دلی خواہش یہی تھی کہ آپ کی ابدی آرام گاہ ڈیرہ غازی خان میں ہی ہو۔ چنانچہ دستار بندی کی تقریب کے اختتام کے اعلان کے بعد مزار مبارک کی فوری تعمیر کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی۔

قاضی ممتاز احمد وائس پریذیڈنٹ بلدیہ شیخ محمد خلیل چیئرمین یونین کمیٹی شیخ محمد شریف کونسلر چوہدری محمد اسماعیل فروٹ مرچنٹ اور شیخ محمد عمر آڑھتی ممبر بنے۔ جس کے صدر اشتیاق علی خان نواب آف چھوچھک واسی منتخب ہوئے کمیٹی تشکیل پاتے ہی فوری طور پر تعمیر کے لئے ۲۱ ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ اور ختم شریف سے پہلے ہی کمیٹی کے پریزیڈنٹ نے ۲۱ ہزار روپیہ جمع ہونے کا اعلان کر دیا۔

کمیٹی کی تشکیل کے فوراً بعد مزار کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ سب سے زیادہ سرگرم رکن سید رشید احمد مرحوم تھے۔ قبلہ سرکار سے حد درجہ عقیدت انہیں مصروف رکھتی۔ عمارت کے لئے بہترین سامان خود خریدتے۔

مزار مبارک کی بنیاد ۱۹ فٹ گہری اور ۵ فٹ چوڑی ہے۔ چونا اور کنکریٹ کا وافر استعمال ہے۔ ابتدائی مرحلہ میں یہ طے پایا کہ لحد مبارک کے چاروں طرف پختہ دیوار کھڑی کر کے سطح زمین سے پانچ فٹ اوپر سنگ مرمر کا تعویز بنا دیا جائے۔ تعمیر تکمیل کے قریب تھی کہ ایک شب حضرت نے خواب میں حکم دیا کہ ہماری قبر کچی رکھی جائے اور تہہ خانہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ دیواروں میں ردو بدل کر کے تہہ خانہ بنوایا گیا۔ لحد تہہ خانہ میں ہے جہاں جانے کیلئے

سیڑھیاں اترتی ہیں۔ بالائی چھت پر پختہ تعویذ ہے۔ جہاں زائرین اور مستورات بالخصوص حاضری دیتی ہیں تہہ خانہ میں مردوں کو جانے کی اجازت ہے

مرقد پر استعمال ہونے والا پتھر ماربل کوئٹہ سے منگوایا گیا۔ روشنی اور ہوا کے لئے ہشت پہلو دیواروں میں ہر طرف جالیاں ہیں۔ مزار مبارک کے چاروں طرف ۱۰ فٹ چوڑا خوب صورت اور کشادہ ہشت پہلو برآمدہ ہے۔ مزار مبارک کے اندر بالائی اور زیریں حصہ میں برآمدے کی دیواروں پر پتھر لگے ہوئے ہیں جن پر آیات قرآنی اور اسمائے ربانی کندہ ہیں صحابہ کرام کے اسمائے مبارکہ کے علاوہ اشعار بھی کندہ ہیں۔

مزار مبارک کے تین اطراف پلاٹ ہیں۔ وہاں گھاس لگی ہوئی ہے جس کی ہریالی سے نظر کی تسکین کے ساتھ ساتھ فضا میں خوشگوار خنکی کا احساس ہوتا ہے آمدورفت کے لئے پختہ روشیں بنی ہوئی ہیں۔ مزار سے ملحق مشرقی جانب نشیب میں باغیچہ ہے۔ درمیان میں خوب صورت فوارہ اور ارد گرد مختلف قسم کے پھول دار پودے اور درخت لگائے گئے ہیں۔

مغربی جانب سرسبز پلاٹ سے آگے مسجد ہے۔ اس کا ہال ۴۰ × ۲۵ فٹ ہے آگے چوڑا برآمدہ ہے۔ برآمدہ کے سامنے گھاس کے وسیع پلاٹ پر آہنی پائپ نٹ ہے۔ اس میں نمازیوں کے لئے بجلی کے پنکھے لگے ہوئے ہیں تاکہ موسم گرما خصوصاً ماہ صیام میں نماز عشاء اور نماز تراویح خشوع و خضوع سے ادا کرسکیں۔ مسجد کے جنوب میں وضو خانہ ہے۔ دربار عالیہ کے شمال میں بھی وضو خانہ ہے۔ ٹیوب ویل کے ذریعے پلاٹ کو سیراب کیا جاتا ہے۔

ویسے تو ہر وقت ہی زائرین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن جمعہ کی نماز سے پہلے اور نماز کے بعد تمام لوگ وہاں حاضری دیتے ہیں اور لوگ وہاں

بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ قبلہ سرکار کا مزار مبارک برکات کا ایسا سرچشمہ ہے جہاں سے تاحیات لوگ روحانی فیض سے سیراب ہوتے رہیں گے۔

مرجعٔ خلق آپ کی تربت ۔ غم زدوں کو پیام الفت ہے
غیر بھی معترف! سبحان اللہ ۔ آپ وہ صاحب کرامت ہیں (اعجاز ڈیروی)

شخصیت :- قبلہ سرکار کی شخصیت پرکشش بارعب اور باوقار تھی۔ کشیدہ قامت مضبوط جسم سرخی مائل سفید رنگت کشادہ پیشانی بڑی بڑی روشن آنکھیں سیاہ گھنی داڑھی مسکراتا ہوا کتابی چہرہ، دیکھنے والا پہلی نظر میں وجاہت سے متاثر ہو جاتا تھا۔ خوش گفتاری، خوش اخلاقی اور خلق خدا سے محبت جیسے پسندیدہ اوصاف نے آپ کی روحانی عظمت اور باطنی کمالات میں اضافہ کر دیا۔ عشق رسول اور عشق الٰہی کی وجہ سے آپ کا چہرہ پرکشش تھا۔ جسے ایک بار صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا وہ روزانہ حاضری کو اپنا معمول بنا لیتا

انداز تکلم۔ گفتگو انسان کی سیرت اور مزاج کی آئینہ دار ہوتی۔ طرز تکلم ذہنی سطح کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ موضوعات الفاظ کا انتخاب فقروں کی ساخت آواز کا اتار چڑھاؤ لہجہ اسلوب اور بیان کا زور سب چیزیں واضح کرتی ہیں کہ متکلم کس پایہ کا ہے آپ بڑے نرم اور دھیمے لہجہ میں گفتگو کرتے تھے اتنی اونچی آواز میں کبھی بات نہیں کی کہ درشت اور کرخت معلوم ہو۔ بے حد کم سخن اور کم آمیز تھے زیادہ تر خاموش رہتے۔ آپ کو برمحل نکتہ آفرینی میں کمال تھا دوران گفتگو ایسے ایسے نکات بیان کرتے کہ سامعین حیرت زدہ رہ جاتے۔ اہل محفل کی اصلاح کے لئے پند ونصائح سبق آموز قصے، بزرگان دین کی حکایات اور اقوال بڑے نرم شیریں اور دلپسند لہجہ میں بیان فرماتے۔ آپ کی باتیں حکمت سے پُر اور حقائق سے لبریز ہوتی تھیں۔ بعض اوقات طبیعت جوش پر ہوتی تو تصوف کے اسرار و

رموز اور دقیق مسائل سادگی سے حل کر دیتے۔ دوران گفتگو سامعین محسوس کرتے
کہ رشد و ہدایت کے پھول چن رہے ہیں۔ ہمہ تن گوش لوگ یہی چاہتے کہ سلسلہ سخن
جاری رہے اور ختم نہ ہو۔ لہجہ کی نرمی اطوار کی شائستگی اور دردمندی نے لوگوں کو
آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ آپ کا طرز عمل ہمیشہ مثبت رہا۔ منفی طرز عمل کبھی
اختیار نہ کیا۔ طبیعت میں حد درجہ تحمل تھا خدام کا کہنا ہے کہ آپ کو کبھی غصّہ کی
حالت میں نہیں دیکھا کوئی سخت بات کہہ دیتا تو درگزر سے کام لیتے بات کرنے
والا خود ہی شرمندہ ہو جاتا۔

روایت ہے کہ حاضرین میں سے ایک بار کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ
روزانہ ہی کپڑے بدلتے ہیں اس کی بات سن کر آپ خاموش رہے دوسری بار اس
نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ نے پھر سکوت فرمایا۔ اس نے تیسری بار پھر اپنا سوال
دہرایا۔ تب آپ نے اس سے پوچھا۔ "کیا خدا کی تمام نعمتیں تمہارے ہی لئے ہیں
ان میں ہمارا کچھ حصّہ نہیں"۔

آپ نے درویشوں کی طرح کبھی رنگین کپڑے استعمال نہیں کئے۔ نہ ہی علماء
کی طرح جبہ و دستار کی پابندی روا رکھی۔ قمیض شلوار شیروانی اور واسکٹ
پہنتے تھے۔ وضع قطع سے کسی کو گمان نہ گزرتا کہ آپ جلیل القدر صاحب فقر و
کرامت بزرگ ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ انسان فقیر کی صورت نہ بنائے اس
میں خرابی ہے۔ کیونکہ اس طرح انسان خود فریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے اسلام
میں پاکیزگی اور طہارت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صفائی اور پاکیزگی کا آپ کو حد
درجہ خیال تھا پانی کی ایک چھینٹ بھی کپڑوں پر پڑ جاتی تو تبدیل کر لیتے۔

غذا بے حد سادہ تھی مرغن کھانے بھی پسند تھے کوئی کھانا کبھی ناپسندیدگی
کی وجہ سے نہ چھوڑا۔ بے مزہ کھانے کو بھی حسب ضرورت رغبت سے کھاتے۔

چائے کا بہت شوق تھا۔

قبلہ سرکار صحیح معنوں میں صاحبِ فقر تھے۔ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و حشم کی مطلق پروا نہ تھی۔ امیرانہ زندگی بسر کرنے کے کئی مواقع آپ کی زندگی میں آئے لیکن آپ دولتِ فقر سے مالا مال تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ صاحب فقر کو کسی صورت سوال کا پہلو اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ اخفائے حال سے صاحبِ فقر لامتناہی مدارج عالیہ طے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بہت اچھا لباس زیب تن فرماتے تاکہ کسی کو امداد و اعانت کا خیال نہ گزرے۔ شیخ طریقت دینی و دنیاوی معاملات میں اگر اپنی ظاہری حالت صحیح نہیں رکھتا تو گویا مانگنے کا خاموش طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اس لئے آپ کی طرزِ رہائش میں سادگی کے باوجود ٹھاٹھ رکھاؤ تھا جس سے لوگوں کو خیال گزرتا کہ آپ امیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے کبھی لوگ پوچھ بھی لیتے کہ آپ کے پاس بڑی جائیداد نہیں پھر یہ اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں بعض لوگ سمجھتے کہ شاید آپ کے پاس دستِ غیب ہے انہیں کیا خبر

ع مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے۔

ایک بار گوجرانوالہ کے غلام محمد نے جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر اپنے گھر کی تمام نقدی اور زیورات آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ آپ نے قبول نہیں کئے فرمایا اس رقم سے تم اپنے کاروبار کو ترقی دو اور بقایا رقم سے فریضۂ حج ادا کرو

ایک بار گنج پورہ کے نواب احسان اللہ خان نے کچھ اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں۔ آپ نے درویشوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک بار کراچی تشریف لے جا رہے تھے آپ کے ایک مرید محمد سرور خان[1] ان دنوں بہاولپور تعینات تھے دوران

١۔ ڈائریکٹر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن

سفر بہاول پور قیام کیا۔ ان دنوں ون یونٹ کے قیام کی کوشش ہو رہی تھی۔
امیر بہاولپور ون یونٹ کو اپنے خلاف سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ قائم نہ ہو امیر
کو تشریف آوری کا علم ہوا تو ملاقات کی خواہش ظاہر کی آپ نے عذر کیا آپ
دنیا دار لوگوں کے ہاں خواہ وہ کسی منصب و مرتبہ کے ہوں نہیں جاتے تھے محمد سرور
خان کے ہاں آنا امیر بہاول پور کے شایانِ شان نہ تھا قبلہ سرکار کراچی جانے
کے لئے تیار تھے امیر بہاول پور کے سیکرٹری نے خان صاحب سے فون پر رابطہ قائم کیا
اور اسٹیشن پر ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر آپ نے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا۔
امیر بہاول پور نے نا امید ہو کر ایک آدمی آپ کی خدمت میں بھیجا اور تحصیل صادق
آباد میں ایک مربع اراضی آپ کے نام کی مزید درخواست کی کہ آپ ہماری مدد فرمائیں
ون یونٹ قائم نہ ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو مزید چار مربع اراضی پیش کریں گے آپ نے
فرمایا (ملک و ملت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں) خدا کو یہی منظور ہے۔

ع نام نیک رفتگان ضائع مکن

نواب صاحب کے عدل و انصاف دینی و ملی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کی تعریف
کی۔

ایک مرتبہ دہلی میں وائسرائے ہند کے دربار میں شمولیت کے لئے دعوت نامہ آیا مگر
آپ نہیں گئے۔ فرمایا "درویشوں کا شاہی دربار میں کیا کام" والیان ریاست
حیدر آباد دکن، بھوپالی، پٹیالہ اور ریاست جیند اور نواب کنج پورہ و کرنال کے
علاوہ بہت سی مقتدر شخصیتوں کو شرفِ عقیدت حاصل تھا ان کی خواہش تھی کہ آپ کا
وظیفہ مقرر کر دیں۔ لیکن آپ نے کسی قسم کی مالی امداد قبول نہیں کی۔
اخفائے حال کا بے حد خیال رہتا۔ آپ نے اشارۃً یا کنایۃً بھی کبھی کوئی ایسی
بات نہیں کی جس سے ظاہری و باطنی اور روحانی عظمت کا پہلو نکلتا ہو۔ اگر کوئی تعریف

وتوصیف کرتا۔ تو پسند نہ فرماتے بلکہ گفتگو کا رخ بدل دیتے آپ کا فرمان تھا لوگ جھوٹی تعریف کو قابل فخر سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک سچی تعریف بھی ضرر سے خالی نہیں اس سے عجب اور خود بینی پیدا ہوتی ہے۔ صاحب فقر وہ ہے جو مئے عرفان کے سمندر پی جائے۔ مگر ظرف کا یہ عالم ہو کہ سب کچھ جذب کرے اقبال کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

ع کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے۔

اقبال کے بے حد مداح تھے۔ کہا کرتے تھے کہ وہ قدیم وجدید علوم کا ماہر ہی نہیں بلکہ اس صدی کا مجدد ہے۔

ع نور قرآن درمیاں سینہ اش
جام جم شرمندہ از آئینہ اش

مسلک فقر ودرویشی کے باوجود ملک کے سیاسی حالات سے باخبر تھے اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے عملی کوشش کی۔ آپ نے اپنے خطوط میں اس وقت کے حالات کا جو تجزیہ کیا۔ وہ آپ کی سیاسی بصیرت کا واضح ثبوت ہے نوابزادہ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین وزیراعظم مقرر ہوئے تو آپ نے فرمایا راؤ صاحب اگر عبدالرب نشتر وزیراعظم بن جاتے تو زیادہ بہتر تھا اگرچہ خواجہ ناظم الدین کی نیکی اور کم گوئی کے متعرف تھے لیکن سردار عبدالرب نشتر کی صاف گوئی نیکی اور سیاسی سوجھ بوجھ کے زیادہ قائل تھے۔ ایوب خان جب کمانڈر انچیف بنے تو اخبارات میں تصویر پر نظر پڑی آپ نے فرمایا اس کی پیشانی بڑی روشن ہے یہ عنقریب غیر معمولی شہرت حاصل کرے گا۔

ری پبلکن پارٹی بنی تو ایک سیاسی پارٹی کے سوال پر آپ نے کہا کہ آج کل پارٹی

بندی پر زور ہے ۔ اگر نئی پارٹی اس لئے بنائی جائے کہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر کام کریں تو بہتر ہے اگر وہ اپنی ذات کی تشہیر کے لئے بنائے تو بے فائدہ ہے ڈاکٹر صاحب کی وزارت زیادہ عرصہ نہیں چلے گی ۔

روایت ہے آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے ایک غیر مسلم خاتون کے دل کی دنیا گئی ۔ اس کا نام کلدیپ کور تھا ۔ ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ پانی پتی کے مزار پر حاضر ہوئی اور وہیں کی ہو کر رہ گئی ۔ اور مزار پر جاروب کشی کیا کرتی تھی ۔ اسی دوران جو کامل فقیر یا درویش نظر آتا اس کے پیچھے بھاگتی قبلہ سرکار پانی پت تشریف لائے تو حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی درگاہ پر حاضر ہوئے ۔ خاتون نے پیچھا کیا اور بے قراری میں اپنا حصہ مانگا ۔ آپ نے نگاہ معرفت ڈالی بعد ازاں کیتھل پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئی ۔ آپ نے اس کا نام مقصودہ بی بی رکھا مائی مستانی کے نام سے مشہور ہوئی ۔ کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہی پھر سرکار نے فرمایا " ہمارے پاس تمہارا جو حصہ تھا وہ تمہیں دے دیا ۔ اب تم حضرت بابا تاج دین ناگپوری کے پاس ناگپور جاؤ ۔ تمہارا حصہ وہاں ہے ۔ ایک بات کا خیال رکھنا جب تک حضرت بابا تاج الدین تمہیں نہ بلائیں کچھ نہ کھانا پینا " ۔ چنانچہ وہ ناگپور پہنچ گئی ۔ لنگر سے کھانا آیا تو نہیں کھایا کہنے لگی " میں جس کی مہمان ہوں وہ آئے گا تو کھاؤں گی " ۔ تیسرے دن بابا تاج الدین ناگپوری دودھ سے بھرا ہوا پیالہ لئے آپ کے پاس آئے ۔ کچھ دودھ خود پی کر باقی دودھ اسے دیا دودھ پیتے ہی اس پر جذب و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی ۔

قیام پاکستان تک حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے مزار پر حاضر رہی پاکستان معرض وجود میں آیا تو مائی مستانی بھی پاکستان آ گئی اور کراچی میں قیام کیا ۔ سنا ہے حسن سنر والے اور بڑے بڑے لوگ دعاؤں کیلئے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے ۔

اور لوگوں کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا۔ اس کا لنگر چلتا رہتا۔ غالباً ۱۹۷۰ کے لگ بھگ
اس کا انتقال ہوا۔ کراچی میں مزار بنا جو مرجع خلائق ہے۔

آپ ۱۹۵۹ء میں سید طفیل احمد اسسٹنٹ سیکرٹری وزارت خارجہ کے ہاں کراچی
میں قیام پذیر تھے ان دنوں صدر ایوب برسر اقتدار تھے۔ صدر ایوب کی صاحبزادی
جمیلہ ایوب طفیل صاحب کی بیٹی ثریا کی ہم جماعت تھی۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔
جمیلہ ایوب کبھی کبھی ثریا کے گھر آیا کرتی تھی۔ قبلہ سرکار ان دنوں کراچی میں مقیم
تھے کہ جمیلہ ایوب ان سید صاحب کے گھر آئی تو قبلہ سرکار کے سلام کو حاضر ہوئی آپ
کی مسحور کن اور دل آویز شخصیت سے بے حد متاثر ہوئی اور اپنی سہیلی سے آپ
کے متعلق باتیں کیں۔ دو تین بار سلام کو حاضر ہوئی اور بیعت ہونے کا ارادہ
ظاہر کیا تو آپ نے اس کی کم عمری کا عذر کر کے ٹال دیا۔ جمیلہ نے اپنے والد صدر
ایوب کو بھی قبلہ سرکار کے متعلق بتلایا۔ صدر ایوب نے اپنی بیٹی کے ذریعے ایوانِ
صدر میں آپ کو دعوت پر مدعو کیا۔ آپ نے معذوری کا اظہار کیا کہ "امراء وزراء
اور حاکم وقت کے در دولت پر جانا ہمارا شیوہ نہیں"۔

صدر ایوب کو جب یہ معلوم ہوا کہ قبلہ سرکار قائد ملت کے خاندانی بزرگ ہیں تو
ان دنوں سینٹو اور سیٹو اجلاس میں مصروفیت کے باوجود آپ سے ملے۔ آپ خندہ
پیشانی سے پیش آئے۔ صدر ایوب کو ملک و ملت میں عدل و انصاف سے کام
لینے کی نصیحت فرما کر دعاؤں سے نوازا اور ان کے جذبے کی تعریف کی۔

ایک دفعہ آپ کے مرید مولوی احمد علی حصاروی اپنی اہلیہ کے ساتھ حاضر ہوئے
مولوی صاحب کی اہلیہ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار اپنا تمام زیور لے آئی
اور سرکار کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ "اسے قبول فرمائیں یہ میری ذاتی
ملکیت ہے۔ میرے خاوند کا اس میں کوئی حصہ نہیں"۔ بے حد اصرار پر آپ نے

اس وقت وہ زیور رکھ لیا۔ جب مولوی صاحب گھر جانے لگے تو مولوی صاحب کو الگ بلا کر کہا: "آپ کی اہلیہ نے عقیدت کے جوش میں زیور مجھے دے دیا ہے اگر انہیں واپس کرتا ہوں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے۔ اب یہ زیور آپ کو واپس کرتا ہوں۔ جب آپ رہتک پہنچیں تو اپنی اہلیہ کو دے دیں"۔

مسلمان خواتین کے علاوہ ہندو سکھ اور عیسائی عورتیں بھی بڑی عقیدت کے ساتھ بچوں کو دم کرانے اور مالی مشکلات اور تکالیف سے نجات کی دعا کیلئے حاضر ہوتیں۔ آپ زبانی تسلی و تشفی کے علاوہ دعا بھی فرماتے۔ آپ کی عقیدت مند ہندو عورتیں آج بھی آپ کا نام بڑی عقیدت و احترام سے لیتی ہیں۔

جگل کشور نروانی، ریاست پٹیالہ کے ایک ہندو خاندان سے تعلق رکھتے تھے خاندان کے کچھ افراد کیتھل میں آباد ہو گئے تھے۔ اس خاندان کے بیشتر افراد آپ کے عقیدت مند تھے۔ لیکن جگل کشور ایڈووکیٹ کی عقیدت عشق کا رنگ لئے ہوئی تھی سنا ہے وہ مسلمان ہو کر کشمیر میں وکالت کرتے ہیں۔

رام ایشور دیال بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ یہ بھگت جی کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ بھگت قصبہ نروانہ ریاست پٹیالہ کا رہنے والے تھے۔ بھگت کا تعلق مالدار بنیا خاندان سے تھا۔ اگرچہ ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن دل عشق حقیقی سے سرشار تھا۔ اس لئے آتما کی شانتی کے لئے جوگیوں اور سادھوؤں کے پیچھے پھرا کرتے۔ مگر درد دل کی دوا کسی جوگی کسی پنڈت سے نہ مل سکی۔ کیتھل میں بھگت جی کے عزیز رشتہ دار رہائش پذیر تھے ایک بہن یہاں بیاہی ہوئی تھی شہر میں ہندو مسلمان سب کی زبان پر قبلہ سرکار کا نام تھا۔ بھگت جی نے آپ کا شہرہ سنا تو آپ کے پاس پہنچے۔ آپ کی ایک ہی نگاہ سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور ہمیشہ کے لئے آپ کے ہی ہو کر رہ گئے۔ ذکر فکر اور مراقبہ کی تعلیم آپ سے حاصل کی۔ آپ کی

نگاہ کیمیا اثر نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ بھگت جی کو لوگ نیم دیوانہ سمجھتے تھے مگر ایسا دیوانہ جس پر ہزاروں فرزانے رشک کریں۔ بھگت جی دنیا کے طالب نہیں حق کے شیدائی تھے۔ کبھی کبھی ایسی حرکات سرزد ہو جاتیں جس وجہ سے دیوانگی پر گویا مہر ثبت ہو جاتی اور کبھی اس دیوانگی میں ایسی دانائی اور حکمت کی باتیں کرتے کہ لوگ حیران رہ جاتے۔

ایک دفعہ سرکار دہلی تشریف لے گئے بھگت جی بھی ہمراہ تھے۔ وہاں آپ کا قیام برکت اللہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی کوٹھی واقع چاندنی چوک میں تھا۔ بھگت جی موج میں آکر تنہا ہی شہر کی سیر کے لئے چل دیئے۔ مگر راستہ اور گھر بھول گئے جب شام ہو گئی۔ سر بازار رونے لگے۔ لوگوں نے ایک اچھے بھلے سادھو صورت آدمی کو روتے دیکھا تو ان کے گرد جمع ہو گئے اور لگے پوچھنے کہ "صاحب کیا ہوا کیوں روتے ہو"۔ مگر آپ ہیں کہ برابر روئے چلے جا رہے ہیں۔ مجمع بڑھ گیا ان میں سے کسی نے یہ سوچ کر کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ حلوائی کی دکان سے دودھ کا گلاس لاکر پیش کیا۔ ایک صاحب نے خوانچے والے سے کیلے خرید کر لا دیئے کہ شاید کھانے سے طبیعت سنبھل جائے۔ بھگت جی نے جب یہ دیکھا تو روتے ہوئے بولے۔ "میں دودھ اور کیلے کھانے کے لئے تو نہیں رو رہا۔ میں گھر کا راستہ بھول گیا ہوں"۔

ادھر قبلہ سرکار نے اپنے میزبان برکت اللہ ڈی ایس پی سے کہا کہ بھگت جی شہر کی سیر کے لئے گئے تھے غالباً راستہ بھول گئے ہوں گے۔ انہیں تلاش کروایا جائے چنانچہ انہوں نے سپاہیوں کو ان کا حلیہ بتا کر تلاش کے لئے بھیجا۔ سپاہیوں نے ڈھونڈ لیا۔ اور انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ لیکن بھگت جی نے یہ کہہ کر میں کوئی چور اچکا نہیں ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ سپاہی زبردستی بھگت جی کو گھر پہنچا

کر گئے۔ قبلہ سرکار کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔

گرمیوں کا موسم تھا بھگت جی گھر والوں کے ہمراہ چھت پر سو رہے تھے رات کو کسی کام سے اُٹھے۔ قلب سے ذکرِ الٰہی جاری تھا۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ارد گرد کا ہوش نہ رہا۔ اپنی دھن میں بڑھتے گئے۔ چھت پر کوئی منڈیر یا دیوار نہ تھی۔ اس لئے دھڑام سے نیچے آگرے۔ گھر کے لوگ جمع ہو گئے سب نے برا بھلا کہا کہ "جانے ہر وقت کس دھیان میں رہتا ہے۔ ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی تو؟" لیکن بھگت جی بالکل صحیح سلامت تھے۔ صبح کو دکھی دل سے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رات کا واقعہ بیان کر کے شکایت کی کہ کسی نے دل جوئی کے خیال سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ آپ بھگت جی کی باتوں سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔ گھر والوں کی ڈانٹ پھٹکار اور چھت سے گرنے کی روداد بھگت کی زبان سے سن کر آپ مسکرا دیئے۔ آپ کی یہی دلآویز مسکراہٹ بھگت جی کے زخمی دل کا مرہم بن گئی۔

بھگت جی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ مگر مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ بڑی ہی لے سے گنگنایا کرتے تھے۔

ع تیرے بنا سونا ہمارا دیس نبی جی سونا ہمارا دیس

بھگت جی کا زیادہ وقت آپ کی خدمت میں گزرتا۔ ایک متعصب ہندو اس بات کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ وہ اس ٹوہ میں تھا کہ ان کی کوئی کمزوری ہاتھ لگے تو برادری میں اس کی تشہیر کرے۔ دوسری طرف قبلہ سرکار سے عقیدت بھی تھی گھر کا کوئی فرد بیمار پڑ جاتا تو دعا اور تعویذ لینے کے لئے قبلہ سرکار کے پاس آجاتا۔ آپ کو بھگوان کا اوتار سمجھتا تھا۔ لیکن چھوت چھات کا قائل تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مسلمان گھرانے کا کھانا کھانے سے دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ اسے نشک

تھا کہ بھگت جی چونکہ ہر وقت سرکار کے گھر رہتے ہیں اس لئے وہاں سے کھاتے پیتے بھی ہوں گے۔ وہ بھگت جی سے کہلوانا چاہتا تھا کہ سرکار کے گھر سے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بھگت جی اس کی چال سمجھتے تھے کہ ہندو برادری میں مجھے خفیف کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ہر وقت کی پوچھ گوچھ سے ایک دن زچ ہو کر کہا "پنڈت جی تم سرکار سے تعویذ لے کر جاتے ہو۔ جانتے ہو یہ تعویذ جس سیاہی سے لکھے جاتے ہیں اس میں ان ہی مشکوں کا پانی ڈالا جاتا ہے جہاں سے مسلمان دن رات پانی پیتے ہیں۔ اس سیاہی سے لکھے ہوئے تعویذ تم خود بھی پیتے ہو اور گھر والوں کو بھی پلاتے ہو"۔ یہ بات سن کر پنڈت لاجواب ہو گیا۔ پھر بھگت جی کو کبھی نہ چھیڑا۔

تقسیم ہند کے وقت ۱۹۴۷ء میں روتا پھرتا تھا کیونکہ سرکار کی جدائی اس کو بہت شاق تھی۔ سرکار کے بعد وہ کیتھل نہیں آیا۔ نروانہ میں ہی انتقال ہوا کہتے ہیں کہ جب اس کی چتا کو آگ لگائی تو اس کے سینے کو آگ نہیں لگی۔

پنڈت امرناتھ تیواڑی۔

پنڈت امرناتھ ایم اے ایل ایل بی تیواڑی خاندان کے نامور فرزند تھے۔ ان کے دادا گوبند رام اور والد پنڈت امولک رام تیواڑی شہر کے معزز اشخاص میں سے تھے۔ دنیاوی وجاہت اور علمیت کے لحاظ سے بھی یہ خاندان معزز تھا۔ پنڈت امرناتھ بلدیہ کیتھل کے صدر تھے اور پنجاب اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ انہیں قبلہ سرکار سے حد درجہ محبت تھی۔ اور عقیدت بھی۔ متعصب ہندو اس بنا پر وکیل صاحب کے خلاف ہو گئے۔ اور برملا کہنے لگے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ گھنٹوں سرکار کی صحبت میں بیٹھتے ہو۔ اور دوسروں کو بھی قبلہ سرکار کے گھر جانے کی دعوت دیتے ہو۔ پنڈت جی کو ایک ہی جواب آتا تھا کہ "میں تم سب

کو چھوڑ سکتا ہوں قبلہ سرکار کو نہیں چھوڑ سکتا"۔ جذبے میں ڈوبے ہوئے اس جواب سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کو آپ سے کتنی عقیدت تھی۔ تقسیم برصغیر کے بعد بھی اپنی ہر مشکل میں قبلہ سرکار سے ہی رجوع کرتے تھے۔ آج کل ان کے فرزند روشن لال تیواڑی ایڈوکیٹ ہریانہ اسمبلی کے ممبر ہیں۔ اور صاحبزادہ جناب سید مقبول محی الدین گیلانی سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں آپ ان کے ہم جماعت بھی رہ چکے ہیں۔

آپ کا ہندوؤں کے ساتھ بڑا مشفقانہ سلوک تھا۔ ہندو بھی آپ کی خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا۔ علی الصبح سرکار کے درشن ہو گئے تو اس دن خوب روزی ملے گی۔ اور جب خدا کے فضل سے انہیں کاروبار میں بڑا نفع حاصل ہوتا تو روزانہ آپ کے درشن کرنا ان کے معمول میں شامل ہو جاتا۔ ہندوؤں کو آپ سے اس قدر عقیدت تھی کہ آپ کے گھر کے سامنے سے جھک کر گذرتے تھے۔ آپ سے عقیدت کی بنا پر کیتھل کے ہندوؤں نے قبلہ سرکار کی تصویریں دکانوں میں لگائی ہوئی ہیں۔ آج کے دور میں بہت کم ایسے صاحب فقر اور درویش ملیں گے جن کے گرویدہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہوں۔ ہندو، سکھ، عیسائی آپ کے اخلاق کے اتنے گرویدہ تھے کہ سب نظریاتی اختلافات بھول کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

خادم:۔ خادم کی تعریف عوارف المعارف میں بڑی جامع اور مانع دی گئی ہے۔ اس قسم کا خادم (بزرگوں) کی خدمت اس ثواب کی خاطر کرتا ہے جو خدا نے نیک بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ وہ انہیں آرام پہنچانے کی خدمت سرانجام دیتا ہے جو کام کرتا ہے نیک نیتی سے محض خدا کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے۔

مستان قبلہ سرکار کا خادم خاص تھا۔ غریب باپ کا بیٹا تھا یہ اور اس کا باپ

بڑی عقیدت کے ساتھ حضرت خواجہ عبدالرشید بدھنی رح کے مزار پر جاروب کشی کیا کرتے تھے۔ صاحب مزار کو مستان کی خدمت پسند آگئی چنانچہ عبدالرشید شاہ ولایت رح کی طرف سے اشارہ ہوا۔ "تم کہیں نہ جایا کرو ہمارا تلمذان علی احمد شاہ کے پاس ہے تم ان کی خدمت میں رہا کرو"۔ تب مستان قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں آپ سخت بیمار تھے بیماری کا حملہ اتنا شدید تھا کہ دیکھنے والے یہی سمجھے آپ مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ آپ کو بستر علالت پر دیکھا تو مایوسی کی حالت میں سوچنے لگا" میں حاضر ہوا تو کس وقت" افسردہ ہو کر پائنتی بیٹھ گیا اور اسی سوچ میں آپ کے پاؤں سہلانے لگا کہ وقت آخر ہے۔ آپ نے اس کے دل کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے ملائمت سے کہا "مستان ابھی وہ وقت نہیں آیا" چنانچہ کچھ دن بعد آپ مکمل شفایاب ہو گئے۔

ہجرت کے بعد بھی اس کا زیادہ وقت آپ کی خدمت میں گذرتا وہ کئی دفعہ خانیوال سے پاپیادہ ڈیرہ غازی خان پہنچا۔ آپ گھر سے کہیں باہر تشریف لے جاتے تو اہلِ خانہ اور گھر کے کام کاج کی دیکھ بھال کرتا۔

نیاز احمد بھی قدیمی خادم خاص تھا اس کے آباؤ اجداد میں استاد چھنگلے خان موسیقی کا استاد مانا جاتا تھا۔ موسیقی میں اس کا ایک خاص اسلوب تھا کہا جاتا ہے کہ پٹیالہ کی موجودہ گائیگی دراصل استاد چھنگلے خان کی گائیگی ہے۔ نیاز احمد[۱] اکثر قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر رہتا۔ کہیں باہر تشریف لے

۱۔ نیاز احمد کے ابا و اجداد میں استاد چھنگلے خان موسیقی کا استاد مانا جاتا ہے۔ موسیقی میں اس کا خاص اسلوب تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پٹیالہ کی موجودہ گائیگی دراصل استاد چھنگے خان کی گائیکی ہے۔ چھنگے خان کا بھانجا استاد جھمن خان بھی علم موسیقی

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

جاتے تو سفر میں آپ کی تمام ضروریات کا خیال رکھتا دوران سفر اخراجات اور آمد و رفت کے لئے روپیہ پیسہ نیاز احمد کو دے دیتے۔ وہ خود ہی حسب ضرورت خرچ کرتا۔ واپس آنے پر بقایا رقم لوٹا دیتا۔ ایک بار قبلہ سرکار کہیں تشریف لے جا

کا بے بدل استاد اور مہاراجہ پٹیالہ کا درباری گویا تھا۔ عبادت اور ریاضت میں اپنے ماموں کا مثنیٰ تھا۔ یہ دونوں بڑے عابد اور شب بیدار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں ہر ماہ اپنی تنخواہ غربائیں تقسیم کر دیتے تھے۔ نیاز احمد کا والد غلام حیدر اور چچا بھیک بھی موسیقی کے ماہر تھے۔

جھمن خاں کا ایک دلچسپ واقعہ درج ذیل ہے۔

ایک شب آپ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے پٹ کھولے تو دو اجنبی آدمیوں کو کھڑا پایا۔ جو صورت اور وضع قطع سے مسلمان طبقہ کے متمول حضرات معلوم ہوتے تھے۔ وہ کہنے لگے "ہماری برات حضرت شاہ کمالؒ کی خانقاہ کے بالمقابل میدان میں اتری ہوئی ہے۔ ہم لوگ آپ کے کمال کے قدردان ہیں بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ کچھ دیر ہماری مجلس کو رونق بخش دیں"۔

ان کی تہذیب و شائستگی سے متاثر ہو کر جھمن خان طنبورا اٹھا کر بلا چوں چرا ان کے ساتھ ہو لیا۔ پہنچ کر دیکھا شامیانے تنے، قناتیں کھچی اور عمدہ قیمتی فرش بچھے ہیں۔ مشعلوں کی کثرت سے جلسہ گاہ بقعۂ نور بنی ہے۔ مسند پر دولہا رونق افروز ہے اور سامنے کی صفوں میں نہایت خوش پوش لوگ گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ سب نے نہایت خندہ پیشانی سے اسے خوش آمدید کہا کئی گھنٹے بڑی دل جمعی سے گایا۔ وہ لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ صبح صادق کے طلوع ہونے سے قبل مجلس ختم کر دی گئی۔ اور بعد ادائے شکریہ چاندی کے دو طشت اس کو پیش کئے جن

باقی اگلے صفحے پر

رہے تھے آپ نے حسبِ معمول رقم نیاز احمد کو دے دی۔ اس نے آپ کی رقم الگ رکھنے کی بجائے غلطی سے اپنے روپوں میں ملا دی۔ جب سفر ختم ہوا تو نیاز اپنی غلطی پر بہت نادم اور پشیمان ہوا کہ نہ معلوم قبلہ سرکار کی رقم کتنی تھی اور اپنی کتنی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق:)
میں سے ایک میں قیمتی کپڑے کے تھان، مصری کے کوزے اور روپے تھے۔ دوسرے میں قسم قسم کی مٹھائیاں تھیں۔ دو آدمی طشتوں کو اٹھائے اسے گھر تک پہنچانے آئے۔ چھمن خان نے طشت خالی کر کے انہیں واپس دینے چاہے تو وہ مسکرانے لگے اور بولے۔ "صبح کو یا تو ہم آکر لے جائیں گے یا تم اٹھا کر پہنچا دینا۔"
اگلی صبح کو چھمن خان انتظار کرنے کے بعد خود طشت لے کر پہنچا تو وہاں سناٹا نظر آیا۔ اور نہ ہی کبھی کوئی طشتوں کا مطالبہ کرنے والا واپس پلٹا۔ بعد کو خود چھمن خان کا اور دوسرے سننے والے لوگوں کا اس واقعہ کے متعلق یہی خیال ہوا کہ یہ برات جنات کی تھی۔ چھمن خان کا بیان تھا کہ اس واقعہ سے قبل جب کبھی وہ اپنے گھر میں مالکونس راگ گایا کرتا تھا اس کو اکثر یہ آوازیں آیا کرتی تھیں۔ "بس کر جلا دیا۔"

آپ نے نیاز کو پریشان دیکھا تو فرمایا "تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ میرا اور تمہارا معاملہ الگ نہیں ایک ہی ہے"۔ چنانچہ آپ نے تھوڑی سی رقم لی اور زیادہ رقم نیاز کو عطا کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے خادموں کا کتنا خیال رکھتے تھے۔

سید مسعود الحسن[۱] واسطی عرف ملاجی آپ کے مرید اور خادم خاص ہیں۔ حبیب الرحمان بھی آپ کا خادم اور باورچی تھا۔ آپ کے وصال کے وقت وہی آپ کے پاس تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ آپ کبھی کسی بات پر ناراض نہیں ہوئے کوئی غلطی ہو جاتی تو بڑی نرمی سے سمجھا دیتے۔ اپنے خادموں کی غلطیوں سے درگزر کر کے ہمیشہ شفقت سے پیش آتے تھے۔

سفر :۔ بزرگان دین اور اولیاء اللہ رشد و ہدایت اور لوگوں کی اصلاح کے لئے دور دراز علاقوں کے سفر بھی کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ انکی تعلیم سے مستفید ہوں۔ صوفیائے کرام دور دراز علاقوں میں گئے۔ انھوں نے حصول تعلیم اور تزکیہ نفس کے لئے بھی سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ قبلہ سرکار سفر سے گھبراتے تھے آپ نے زیادہ سفر تو نہیں کیا۔ لیکن مریدوں کے بے حد اصرار اور بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر کرتے تھے۔ قیام پاکستان سے قبل دہلی، آگرہ، اجمیر، سہارن پور، رہتک، سرہند، لدھیانہ، انبالہ، امرتسر اور برصغیر کے دوسرے علاقوں میں

۱۔ یہ بہ فضل خدا حیات ہیں۔ کھرڑ ضلع انبالہ کے واسطی سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ عرس کے ایام میں بڑی مستعدی سے اپنے فرائض نبھاتے ہیں۔ بڑی مشکل سے دو اڑھائی گھنٹے آرام کرتے ہیں۔ ورنہ ہمہ وقت خدمت پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔

بھی گئے۔ قیام پاکستان کے بعد سرگودھا، گوجرانوالہ، لاہور، سیالکوٹ، ملتان، ڈسکہ اوکاڑہ، ساہیوال، بہاولپور، سلانوالی، بہاول نگر تشریف لے گئے۔ تقسیم ہند سے قبل بھی آپ لاہور آئے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش کی وجہ سے اس شہر سے بڑی وابستگی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے "لاہور شہروں کا سردار ہے"۔ آپ جب بھی مریدوں کے اصرار پر تشریف لے جاتے تو قیام کسی ایک مرید کے ہاں ہوتا اور وہ مقام مرکز کی حیثیت رکھتا۔

آپ کے ایک عقیدت مند خواجہ لطیف ملتان میں رہتے تھے۔ مفلوک الحال تھے مگر آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ آپ جب بھی ملتان تشریف لے جاتے تو اکثر ان کے ہاں قیام فرماتے اور پھر کسی بہانے اس کی مالی امداد کرتے۔

حکیم احمد حسین مرادآبادی مالک ہندوستانی یونانی دواخانہ کی دعوت پر انبالہ تشریف لے گئے۔ تو حضرت سائیں توکل شاہؒ کے مزار پر بھی حاضری دی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے عرس پر پاکپتن حاضر ہوئے۔ اور تمام رات آستانہ بابا فریدؒ پر قیام کیا۔ دیوان منہاج الاسلام ہانسوی کی مدت سے خواہش تھی کہ آپ کبھی پاکپتن تشریف لائیں تو ان کے ہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ آپ ان کے ہاں دس بارہ دن ٹھہرے اسی دوران آپ کو شدت سے بخار آنے لگا۔ علاج سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن میاں غلام احمد مہمی اور ڈاکٹر صوفی حبیب الرحمٰن برق لدھیانویؒ جو بابا صاحب کے عرس پر لاہور سے پاکپتن آئے ہوئے تھے۔ آپ سے ملنے کے لئے آئے تو ڈاکٹر صاحب نے مہمی صاحب کو بتایا کہ "میاں بخار وخار کچھ نہیں یہ تو حضرت بابا صاحبؒ کا فیض ہے۔ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔" حقیقت بھی یہی تھی یہ بخار نہیں تھا بلکہ دل شعلہ عشق سے روشن اور جسم تپ عشق کی حرارت سے تپ رہا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار کی زیارت کے لئے ایک مرتبہ سرہند شریف تشریف لائے جب آپ پہلی بار گئے تو آپ کے بڑے صاحبزادے سید مسعود محی الدین گیلانی جو ابھی کم سن تھے۔ ہمراہ تھے۔ خادم نیاز احمد نے چاہا کہ سجادہ نشین کو آپ کی آمد کی اطلاع دے مگر آپ نے منع کر دیا اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے خادم صاحبزادے کو باہر لے آیا۔ وہ کھیلنے لگے اور وضو کے حوض کے کنارے پانی میں پاؤں ڈال کر چھینٹے اڑانے لگے۔ نیاز انہیں روکتا رہا مگر صاحبزادہ صاحب کم سن تھے اس لئے کچھ دھیان نہ دیا اور بدستور پاؤں سے چھینٹے اڑاتے رہے۔ اسی دوران خدام آ گئے جو پٹھان تھے اور بچہ کو پانی سے کھیلتے دیکھ کر خفگی سے پیش آئے پکڑ کر اٹھا دیا۔ نیاز خادم سے الجھے یہی تکرار جاری تھی کہ سجادہ نشین خلیفہ سید محمد صادق صاحب اچانک وہیں آ گئے۔ اور اچانک ہی نیاز سے دریافت کیا کہ کیتھل سے کون بزرگ تشریف لائے ہیں خادم نے انہیں قبلہ سرکار کی تشریف آوری سے مطلع کیا انہوں نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ بہت پیار کیا اور خدام سے کہا تمہیں کیا معلوم یہ صاحبزادہ کون ہے۔ پھر انہیں شاہ سکندر قادریؒ کی عظمت سے آگاہ کیا کہ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرشد ہیں اور صاحبزادہ حضرت شاہ سکندر قادریؒ کیتھلی کی اولاد ہے)

خلیفہ صاحب نے بتایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا " محمد صادق ہمارے روضہ پر آؤ۔ ہمارے مہمان آئے ہیں ان کی تواضع کرو "۔

خلیفہ صاحب کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ انہوں نے قبلہ سرکار سے لڑکے کے لئے درخواست کی . . آپ نے روضہ مبارک پر جا کر دعا کی اور فرمایا اس کا نام یحییٰ رکھنا۔

آپ ایک بار رہتک بھی تشریف لے گئے۔ تذکرہ کریمیہ میں پروفیسر چوہدری کرم شاہ نے لکھا ہے کہ رہتک میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کیتھل سے ایک بزرگ

میاں سید علی احمد شاہ گیلانی تشریف لا رہے ہیں میں نے (پروفیسر صاحب نے)
اپنے پیر و مرشد بابا صاحب کی خدمت میں لکھا کہ "اس نام کے بزرگ رہتک میں
میں آنے والے ہیں۔ مجھے کیا حکم ہے"۔ ہر چند کہ انہیں آپ نے دیکھا تک نہیں تھا
لیکن جواب میں لکھا "اگر وہ رہتک تشریف لائیں تو تم انہیں اپنے گھر بلا کر ایک
پگڑی اور اس پر دو روپے رکھ کر نذرانہ پیش کرو"۔ یہ جواب ملنے پر مجھے بڑی
خوشی ہوئی کہ فی الواقع وہ بڑے بزرگ ہیں۔ اس قسم کا حکم مجھے آپ (پیر و مرشد)
نے پہلے کبھی نہ دیا تھا۔ مجھے حیرانی بھی ہوئی کہ انہوں نے آپ کو دیکھا بھی نہیں
اس کے باوجود ان کے احوال سے واقف ہیں۔ اس کا ذکر میں نے احباب سے کر دیا
اور ہم سب شوق سے قبلہ سرکار کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاق سے آپ رہتک تشریف
نہ لا سکے اور موسم گرما کی تعطیلات میں بندہ مدراس جا پہنچا۔ میری عدم موجودگی میں
رہتک والوں کے اصرار پر بالآخر سرکار آ گئے۔ میرے چند احباب آپ کی خدمت میں
پہنچے اور میرا ذکر کیا کہ کس طرح میں نے اپنے پیر و مرشد سے حکم طلب کیا اور انہوں
نے کیا جواب مرحمت فرمایا۔ پھر دوستوں نے خواہش ظاہر کی کہ اگرچہ پروفیسر صاحب
چھٹیوں میں گھر جا چکے ہیں لیکن ہم متمنی ہیں کہ آپ اسی طرح ان کے گھر تشریف
لے چلیں۔ تاکہ ان کے مرشد کے حکم کی تعمیل ہو جائے۔ قبلہ سرکار نے ازراہ کرم
یہ درخواست منظور کی۔ دوستوں نے میری طرف سے پگڑی اور دو روپے نذرانہ
پیش کیا واپسی پر مجھے یہ اطلاع ملی تو میں بہت خوش ہوا کہ غائبانہ طور پر آپ
نے جو سلوک کیا ہے وہ ان کے بزرگ ہونے کی قوی دلیل ہے۔

۱۹۶۰ء میں قبلہ سرکار محمد سرور خان مرحوم کی کوٹھی واقع ماڈل ٹاؤن میں
ٹھہرے ہوئے تھے وہیں سے زیارتوں کے لئے اوچ شریف تشریف لے گئے
وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ گورنر امیر محمد خان کی آمد ہے۔ جو زیارت کی خاطر

آرہا ہے۔ شہر کی صفائی ہو رہی تھی اور سڑکوں پر محافظ پولیس تعینات تھی عبداللہ قادری نے کہا "حضور گورنر حاضری کے بعد نادر و نایاب، مخطوطات اور تبرکات بھی دیکھے گا۔ اس لئے خانقاہ حضرت مخدوم غوث بندگی رح پر عام لوگوں کی حاضری بند ہے"۔

آپ کوئی جواب دیئے بغیر آگے آگے چلتے رہے۔ جب آپ روضہ حضرت مخدوم بندگی رح کے صدر دروازے پر پہنچے تو سجادہ نشین مخدوم الملک، مخدوم شمس الدین گیلانی دربار عالیہ کے قریب تسبیح ہاتھ میں لئے معزز مہمان کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ جب آپ کو صدر دروازے کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے آئے۔ اور مصافحہ کیا۔ آپ کے ہمراہ سب سے پہلے حضرت مخدوم بندگی رح کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت و دیگر مزارات پر حاضر ہوئے۔ پھر ٹاؤن ہال تشریف لے گئے۔ ٹاؤن ہال میں گورنر کے لئے مخطوطات اور دیگر قلمی کتب کے علاوہ تمام تبرکات بڑے اہتمام کے ساتھ رکھے تھے۔ آپ کے ساتھ جملہ عقیدت مندوں نے بھی تبرکات کی زیارت کی ٹاؤن کمیٹی کے سیکرٹری نے عقیدت و احترام سے چائے کا اہتمام کیا۔

آپ کو نمود و نمائش قطعاً پسند نہ تھی رہتک جانے کا پروگرام بنا تو وہاں کے لوگوں نے استقبال کے لئے بڑے زور شور سے تیاری کی اور جس دن آپ کی آمد متوقع تھی۔ جلوس کی صورت میں ہاتھی کو سجا کر آپ کی سواری کے لئے لائے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ آپ کو شہر میں جلوس کی شکل میں لے کر جائیں ادھر ایک آدمی آپ کی خدمت میں آپ کو ہمراہ لانے کے لئے بھیجا تاکہ مقررہ وقت پر آپ کو لے کر پہنچ جائے۔ آپ نے یہ کہہ کر اس آدمی کو رخصت کر دیا کہ آج نہیں چنانچہ اگلے دن آپ رہتک پہنچے۔ پروگرام کی تبدیلی کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ "ہم

نمود و نمائش کو پسند نہیں کرتے۔"

ایک مرتبہ پانی پت میں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر مراقبہ میں تھے حضرت قلندر صاحب نے انگور کے چند دانے عطا فرمائے۔ قبلہ سرکار فرمایا کرتے تھے کہ "قلندری فیض اور اس نسبت کا ایک خاص رنگ ہے۔ جس کے قلب پر یہ نسبت وارد ہوتی ہے اس کو نوافل سے زیادہ ذکر سے واسطہ رہتا ہے یعنی وہ اپنے باطن کو ایک لمحہ کے لئے بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں پاتا۔"

قبلہ سرکار نے متعدد بار لاہور کا سفر بھی کیا وہاں آپ کا قیام سید رشید احمد مرحوم کے ہاں ہوتا۔ آپ جب بھی لاہور تشریف لے جاتے حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت میاں میرؒ، حضرت طاہر بندگیؒ، حضرت شاہ ابوالمعالیؒ اور حضرت یعقوب زنجانیؒ کے مزارات پر زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔ ایک بار آپ داتا صاحبؒ کے مزار پر شب بھر معتکف رہے۔ دوران مراقبہ ایک صاحب حضرت داتا صاحبؒ سے اشارہ پاکر آپ سے فیض روحانی کے طالب ہوئے۔

قبلہ سرکار کی مجلسی نشست صاف ستھری اور نہایت سادہ تھی۔ دری بچھی ہوتی جس پر بلا امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ سب بیٹھتے۔ آپ کا دروازہ ادنیٰ و اعلیٰ امیر غریب سب کے لئے ہر وقت کھلا رہتا۔ بلا تفریق بلا جھجک لوگ عقیدت سے آپ کی مجلس میں شریک ہوتے۔ آپ سب کے ہم نشین ہوتے تھے۔ طالبانِ حق اور طالبانِ دعا اپنی دنیاوی اغراض کے لئے آکر بیٹھتے۔ آپ کی توجہ بیک وقت سب کی طرف ہوتی سب سے مساویانہ سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے ہر ایک یہی سمجھتا کہ وہ مجھ پر ہی مہربان ہیں۔ اس محفل میں کچھ ایسی کشش تھی جو ایک بار آبیٹھا پھر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ روزانہ کی حاضری معمول بن جاتی تمام تر کشش اور دلآویزی کا مرکز آپ کی شخصیت تھی۔ بعض اوقات چہرے پر تجلیات

کا اس قدر نزول ہوتا کہ رعب و دبدبہ سے چہرے کی طرف دیکھنا ممکن نہ رہتا الفاظ میں اس کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

محفل آرائی کے اوقات بہت طویل لیکن لگے بندھے تھے نماز فجر اور وظائف کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر دن کے بارہ ایک بجے تک ایک سماں بندھا رہتا تھا آنے جانے والے حاجت مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

آپ کی محفل میں ادنیٰ اعلیٰ، واقف ناواقف سب مؤدب بیٹھتے۔ جب تک آپ خود گفتگو نہ کرتے کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی۔ سب حاضرین مہر بہ لب محفل پر سکوت طاری ہوتا جیسے کوئی موجود نہ ہو۔ آپ خود سے کسی کو اٹھ جانے کے لئے نہ فرماتے خواہ کتنا ہی وقت ہو جاتا دل شکنی نہ کرتے۔ نماز اور ضروریات کے علاوہ خود بھی نہ اٹھتے۔ رات کو لیٹنے کے لئے بہت دیر ہو جاتی لوگوں کو اپنے مسائل کے مقابلہ میں آپ کی بے آرامی کا کم ہی خیال آتا۔ بزرگوں کی خدمت میں حاضری میں بیٹھنے کے بھی آداب ہیں جن کی پابندی ضروری ہے اللہ کے برگذیدہ بندوں کو بھی تقاضائے بشری کے تحت آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ معتقدین کا فرض ہے شیخ کے آرام کا خیال رکھیں۔ زیادہ دیر بیٹھ کر انہیں تکلیف نہ دیں۔ لیکن قبلہ سرکار کی محفل میں غرض منداس بات کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ عبادت وریاضت کے علاوہ ہر وقت مجلسی نشست میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ کے گھٹنوں میں درد رہنے لگا۔ ڈاکٹر بھی تجویز کرتے کہ زیادہ سے زیادہ سیر آپ کی اس بیماری کا علاج ہے۔ مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ چند دن ایسا ہوتا سیر کے ارادے سے نکلتے کوئی حاجت مند پریشان حال آجاتا۔ آپ اس کی خاطر رک جاتے اور سیر کا سلسلہ پھر منقطع ہو جاتا۔ لیکن آپ ضرورت مند کی دل شکنی نہ فرماتے۔ عام لوگ بزرگ کے

مرتبہ و مقام اور آداب سے نا واقف ہوتے ہیں اور یہی سوچتے ہیں کہ جتنا زیادہ بیٹھیں گے اتنا ہی روحانی فیض ملے گا حالانکہ یہ نعمت بقدر ظرف دی جاتی ہے کچھ لوگ اپنی مشکلات تنہائی میں بیان کرنے کے منتظر رہتے ۔ موقع نہ ملتا تو اگلے دن پھر آجاتے ۔ کچھ دن بھر کے تھکے ماندے کام کاج سے فارغ ہو کر آبیٹھتے ، کچھ دوسروں کی دیکھا دیکھی نہ ہلتے کہ وہ بیٹھے ہیں ہم کیوں اُٹھیں ۔ نووارد یہ سمجھتے کہ طریقہ ہی یہ ہے چنانچہ نماز فجر کے بعد رات کے بارہ بجے تک لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا ۔ دوپہر کے کھانے اور نماز ظہر کے بعد قیلولہ کے لئے بہت کم وقت ہوتا ۔

آپ بہت کم آمیز تھے ۔ انجمن میں بھی خلوت کا ہی رنگ ہوتا آپ ذکر خفی میں مشغول رہتے ۔ کبھی کبھی بزرگوں کے حالات سنا کر اصلاح فرماتے کسی میں کوئی ناپسندیدہ عادت دیکھتے تو براہ راست کچھ نہ فرماتے بلکہ حسب موقع کوئی سبق آموز حکایت بیان فرماتے ۔ جس سے اس کام کی برائی ظاہر ہو جاتی جس شخص کی اصلاح مقصود ہوتی ، وہ خود بخود سمجھ جاتا اور حاضرین کو خبر بھی نہ ہوتی کہ کس فرد کے لئے سنایا گیا ہے ۔ جس کے دل میں جو خیال آتا آپ وہی بات شروع کر دیتے حاضرین محفل کی یہی خواہش ہوتی کہ وہ آپ سے رشد و ہدایت کی باتیں سنیں ۔ آپ کا دل نشیں اندازِ گفتگو دل میں گھر کر جاتا اور نصیحت آموز باتیں دل میں اتر جائیں

محفل میں خوش طبعی اور خوش مزاجی کا ماحول بھی ہوتا بیشتر لوگ لطائف سناتے اور صوفیائے کرام کی عادات و مزاج کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی طبیعتوں میں اعتدال اور توازن ہوتا ہے ۔ اس لئے عوام کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہیں خلقِ خدا ان کی خوش اخلاقی کے سبب ہی ان

کی گرویدہ ہوتی ہے۔

آپ زاہد خشک نہ تھے بلکہ میلانِ طبع لطیف مزاج کی طرف تھا آپ مزاح سے محظوظ ہوتے اور موقع محل کے مطابق آپ کی گفتگو میں مزاح کا عنصر شامل ہوتا کبھی کبھی مریدوں سے بڑی دلچسپ باتیں کیا کرتے۔

بھگت جی تقسیم کے بعد بھارت ہی رہ گئے تھے لیکن ان کے لطائف یاد تھے قبلہ سرکار بڑی محبت سے ان کی باتیں اہلِ مجلس کو سنایا کرتے۔ بھگت کی اپنی الگ دنیا تھی دنیا کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس جذب و مستی کی وجہ سے کوئی کام ڈھنگ سے نہ کرپاتے۔ گھر والے اسے سخت نکما اور بے کار سمجھتے کسی قسم کی ذمہ داری اور کام اس کے سپرد نہ کرتے۔ بھگت جی کی بھانجی کی شادی تھی گھر والوں نے مشکل کام سپرد کرنے کی بجائے یہ ذمہ داری سونپی کہ شادی کے لئے منگوائے جانے والے لڈو اپنی نگرانی میں رکھوالیں۔ لڈو رکھنے کے لئے ایک کمرہ مخصوص تھا جس میں چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں ملازم ٹوکرے لے آئے تو کمرے میں ٹوکرے رکھوانے کی بجائے ایک ایک لڈو قطار میں رکھنا شروع کیا۔ دو تین ٹوکروں کے لڈو قطار میں لگا دیئے تو مزید لڈو قطاروں میں رکھنے کے لئے گنجائش نہ نہ رہی۔ اس لئے نوکروں سے کہنے لگے۔ بس اب کمرہ میں مزید گنجائش نہیں رہی۔ دوسرا کمرہ خالی کرائے۔ گھر والوں نے جب سنا کہ دو ٹوکروں کی مٹھائی سے کمرہ بھر گیا اور مزید کے لئے جگہ نہیں، حیران ہوکر بھاگے بھاگے آئے۔ لڈوؤں کی قطاریں دیکھ کر سر پیٹ لیا۔ بہت لعن طعن ہوئی اور مٹھائی رکھوانے کا انتظام کسی اور کو سونپا۔ بھگت بہت دل برداشتہ ہوئے۔ ظلم و زیادتی کے خلاف دادرسی کے لئے قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام روداد سنائی۔ مظلوم صورت بنا کر بیٹھ گئے پھر نہ رہا گیا۔ اور بولے سرکار اس دنیا میں انصاف نہیں ہے۔ کام کے باوجود ذلیل

کرتے ہیں۔ بھگت جی کے کارنامے پر قبلہ سرکار بہت محظوظ ہوئے اور ان کی بہت دلجوئی کی۔ لیکن سامعین ہنستے ہنستے لوٹ ہو گئے۔

ایک ہندو عورت نے اپنا لڑکا بھگت جی کے سپرد کیا کہ نیکی کی تعلیم دیں۔ بھگت جی سیلانی آدمی تھے گھومتے پھرتے رہتے۔ ایک دفعہ اس لڑکے کو ہمراہ لے کر ریاست سنگرور گئے۔ ایک کمرہ لے کر کسی کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے کمرے کی دیواریں سڑک کی طرف تھی۔ کمرے میں کی جانے والی باتیں سڑک پر صاف سنائی دیتیں رات کا وقت بھگت جی نے چولہا جلا کر دودھ ابالنے کے لئے دیگچی اس پر رکھ دی۔ اسی دوران لڑکے کی کسی بات پر بھگت جی کو غصہ آگیا دانت پیستے ہوئے غضبناک لہجہ میں لڑکے کو ڈرانے دھمکانے کے لئے بولے "ہم اس سے پہلے چار قتل کر چکے ہیں۔ تجھے بھی جان سے مار ڈالیں گے۔" عین اسی دوران گشتی پولیس کے اہل کار سڑک پر گشت کر رہے تھے۔ کمرہ سے بولنے کی آواز سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے کہ چار آدمیوں کے قاتل کا سراغ مل گیا فوراً دروازہ کھٹکھٹایا بھگت جی نے دروازہ کھولا تو سپاہیوں نے انہیں تھانے چلنے کے لئے کہا بلغیر خطا قصور بھگت جی تھانہ چلنے کے لئے کسی صورت رضامند نہ تھے۔ اسی بحث و تکرار میں دودھ ابل کر دیگچی سے گرنے لگا۔ مگر سپاہیوں نے انہیں دیگچی کو چولہے سے آتارنے کی مہلت نہ دی ایک سپاہی نے بھگت جی کو پکڑ لیا۔ انہوں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر دبلے پتلے منحنی سے تو تھے سپاہیوں نے ایک نہ چلنے دی اور چیختے چلاتے بھگت جی کو تھانیدار کے روبرو اس خبر کے ساتھ پیش کیا گیا کہ یہ چار آدمیوں کا قاتل ہے۔ تھانیدار نے ماجرا پوچھا بھگت جی اکڑ کر بولے "ہم اپنے لڑکے کو سمجھا رہے تھے۔ ہمارا لڑکا ہے جس طرح چاہیں سمجھائیں"۔ تھانے دار نے انہیں بغور دیکھا۔ منحنی سے بھگت میں قاتلوں

والی کوئی بات کہاں تھی۔ سپاہیوں کو کہا کہ "پکڑنے سے پہلے آدمی کو تو دیکھا کرو یہ کمزور سا بھگت تمہیں چار آدمیوں کا قاتل نظر آتا ہے۔ چھوڑ دو اسے"۔

مگر بھگت جی سپاہیوں کے سر ہو گئے کہ میں نے چولہے پر دودھ ابالنے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ان سپاہیوں سے تکرار اور جھگڑے میں دودھ اُبل کر ضائع ہو گیا میرا وہ نقصان کون بھرے گا تھانیدار کی ہنسی نکل گئی اس نے اپنی جیب سے آٹھ آنے بھگت جی کو دیئے کہ لو بابا اور دودھ منگوا لو۔ لوگ پولیس سے جان چھڑاتے ہیں۔ پولیس والوں نے بھگت جی سے جان چھڑائی

ایک بار بھگت جی کو اپنی ہمشیرہ کے ہاں گئے کافی عرصہ ہو گیا۔ اسی دوران بہن قسم قسم کے مصائب اور مشکلات سے دوچار رہی۔ بھگت کا بہنوئی ضلعی کانگریس کا صدر تھا۔ انگریزی حکومت کے خلاف کانگریسی مہم کے سلسلہ میں جیل بھیج دیا گیا۔ بھانجی کی شادی بھگت جی کی عدم موجودگی میں ہی ہو گئی۔ بہن نے وہ گلہ بھی کیا۔ مختلف جگہوں سے تمہارے متعلق پتہ کیا، کچھ پتہ نہ لگا۔ بہن نے بھائی کو کھانا کھلایا مٹھائی لا کر سامنے رکھی۔ بھگت جی نے جیسے ہی مٹھائی کی ڈلی منہ میں رکھی۔ بہن نے متفکرانہ لہجہ میں بتلایا "کہ تمہارا بہنوئی بھی آج کل جیل بھگت رہا ہے۔ جانے کس حال میں ہو گا"۔ یہ کہہ کر بلند آواز سے رونے لگی۔ بھگت جی نے ہاتھ کھینچ لیا اور بہن سے کہا کہ "ایک وقت میں ایک ہی کام ہو گا۔ پہلے لڈو کھا لیں پھر رو لیں۔ یا پہلے رو لیں پھر لڈو کھائیں۔ دونوں کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتے"۔ اپنی روداد سُنا کر بھگت جی داد طلب نظروں سے آپ کی طرف دیکھتے تو آپ بہت محظوظ ہوتے۔ نہ صرف خود ہنستے بلکہ اہل مجلس کو بھگت جی کی اس قسم کی باتیں بڑی محبت اور انسیت کے ساتھ سناتے اور سننے والوں کو بھگت جی کی

قسمت پر رشک آتا کہ قبلہ سرکار بھگت جی کا ذکر کتنی محبت سے کر رہے ہیں
آپ کے متوالوں میں سید رشید[1] احمد کا نام سرفہرست ہے۔ قبلہ سرکار
انہیں داروغہ صاحب کہا کرتے تھے۔ موصوف انبالہ کے رہنے والے تھے
ملازمت کے سلسلہ میں کرنال آئے۔ کرنال میں آپ کے بے شمار معتقد تھے
جس شخص سے داروغہ صاحب نے چارج لیا ان سے قبلہ سرکار کا تذکرہ سنا
تو آتش شوق بھڑکی اور داروغہ صاحب آپ کی قدم بوسی کے لئے کیتھل
جاکر حاضر ہوئے۔ اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ قبلہ سرکار بھی ان کے گھر قدم
رنجہ فرماتے۔ تو عقیدت مندوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھ جاتا۔ داروغہ صاحب
آپ کے مہمانوں کی خاطر مدارت کا بڑا اہتمام کرتے۔ یہ سلسلہ کئی کئی دن جاری
رہتا۔ سید صاحب کا کہنا ہے۔ "کہ ایک دفعہ میری ایسی حالت ہوئی کہ دل دنیا
سے سرد اور بیزار ہو گیا۔ ذکر اور تصور شیخ کے علاوہ کوئی خیال باقی نہ رہا آپ
کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ دنیا چھوڑنے کو جی چاہتا ہے"۔ آپ
نے فرمایا "یہ منزل مبارک ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان اپنے
وجود سے بھاگتا ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر خدا کو نہ بھولے"۔

۱۔ سید صاحب کے والد سید فیض محمد ناظر انبالہ کے معزز سادات گھرانہ کے چشم و چراغ
تھے سید فیض محمد صاحب اور ان کے والد حضرت سائیں توکل شاہؒ کے ارادتمندوں میں
سے تھے بڑے عالم فاضل اور رعب و دبدبہ کے انسان تھے انبالہ کی کمشنری میں سپرنٹنڈنٹ
کے عہدے پر فائز تھے شہر کے سب لوگ بلا تخصیص ان کا احترام کرتے تھے فارسی
بڑی روانی سے بولتے تھے۔ کثیر الاحباب تھے ان کی مجلس میں علمی و ادبی لوگ
شریک ہوتے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا سرہند شریف میں دفن ہوئے۔

باقی حاشیہ اگلے صفحے پر

ایک دن قبلہ سرکار پر خاص کیفیت طاری تھی اس وقت سید صاحب خدمت میں حاضر تھے۔ خلوت میں ان سے فرمایا "کیا مانگتے ہو"۔ انہوں نے عرض کی۔ "مجھے دنیادی جاہ و منصب کچھ نہیں چاہیئے۔ صرف عشق الہی کا طلب گار ہوں"۔ آپ نے انہیں سینے سے لگا کر فرمایا "جاؤ تمہیں دولت بخشی" پھر فرمایا "تمہیں سب کچھ بخشا"۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ لوگ جو اپنی نظر سے خاک کو کیمیا بنا دیتے ہیں ہو سکتا ہے ہم کو بھی نظر خاص سے دیکھ لیں)

داروغہ صاحب کو آپ سے اس قدر محبت اور ارادت تھی کہ اپنا جان و مال اپنی عزیز سے عزیز چیز بھی قربان کرنے پر تیار رہتے۔ ان پر جذب و مستی کا عالم طاری ہو جاتا۔ تن من کا کچھ ہوش نہ رہتا۔ حالت جذب میں جو کوئی انہیں چھو لیتا وہ بھی جاذب ہو جاتا۔ غلام حیدر گوجرانوالہ سے گیارہوں شریف کے موقع پر ڈیرہ غازیخان آیا تو آپ سے بیعت کے لئے عرض کی۔ آپ نے لمحہ بھر کے لئے دیکھا اس نے داروغہ صاحب کو جبکہ وہ حالت جذب میں تھے چھو لیا تو اس پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ قبلہ سرکار نے پانی منگوایا تھوڑا سا پی کر باقی غلام حیدر کو پینے کے لئے دیا۔ پانی پیتے ہی اس کی طبیعت اعتدال پر آ گئی۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۵)
سرہند کے خلیفہ خاندان سے بھی قرابت داری تھی۔ بڑے فصیح البیان اور نہایت نفیس مزاج تھے۔

داروغہ صاحب نے بیعت کے بعد صحیح معنوں میں خود کو مرشد گرامی کے سپرد کر دیا تھا وہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل بے چوں چرا فرض اولین جان کر کرتے تھے آپ کے مزار کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ ۲۹ شعبان کو ۱۴۰۳ھ میں انتقال کیا اور مرشد کے آستانہ کے پاس مدفون ہوئے۔

حافظ ایوب جھجھری۔

حافظ ایوب جھجھری مرحوم کو تصوف اور روحانیت سے بڑا گہرا لگاؤ تھا وہ ذکرالٰہی سے ایسا روحانی سرور حاصل کرنا چاہتے تھے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ مرشد کا دامن تھاما مرشد سے فیض تو بہت ملا مگر جن روحانی لذتوں کے وہ متلاشی تھے حاصل نہ ہو سکیں چنانچہ مرشد گرامی کی خدمت میں عرض کی "مجھے تو وہ شراب معرفت پلائیں کہ مدہوش ہو جاؤں"۔ ان کی یہ خواہش سن کر مرشد نے جواب دیا جن روحانی لذتوں کے تم متلاشی ہو۔ ان کے حاصل ہونے میں کچھ دیر ہے۔ جب تم ساٹھ برس کی عمر کو پہنچو گے تو پھر ایک مرد کامل صاحب طریقت ملے گا اس کا دامن پکڑ دگے تو اس کے فیض باطنی سے وہ روحانی لذت و سرور حاصل ہوگا جس کے لئے تمہاری روح بے چین و بے قرار ہے۔

جب حافظ صاحب ٦٥ سال کی عمر کو پہنچے تو قبلہ سرکار کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ حافظ صاحب کو اپنی تمنا بر آتی نظر آئی۔ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی تشنگی بجھاتے مگر حافظ صاحب زیادہ دیر تک باطنی فیض حاصل نہ کر سکے۔ جلد ہی قبلہ سرکار کا وصال ہو گیا۔ جو پیرہن وقت وصال آپ کے زیب تن تھا وہ حافظ صاحب کو ملا۔ ان کپڑوں کی برکت سے انہیں بہت سے دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوئے۔ کبھی کبھی جمعۃ المبارک کو وہ یہ جوڑا پہنتے۔

انہیں حد درجہ روحانی کیفیت وسرور حاصل ہوتا۔ جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی وہ کپڑے پہن کر دعا مانگتے۔ تو برکت سے مشکل آسان ہو جاتی۔

حافظ صاحب کا زمین کے سلسلے میں مقدمہ چل رہا تھا ان کا بیان ہے "میں یہ جوڑا پہن کر مقدمہ کی پیروی کے لئے عدالت جاتا۔ مجسٹریٹ بڑے احترام سے پیش آتا اور مجھے ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی"۔

غلام محمد بٹ لدھیانہ کے رہنے والے ہیں ہجرت کے بعد ۱۹۴۹ء میں قبلہ سرکار نے ڈیرہ غازی خان میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جس بلاک میں آپ کی رہائش گاہ تھی غلام محمد بھی وہیں رہتے تھے یہ ضلعی کونسل ڈیرہ غازی خان میں اکاؤنٹ آفیسر تھے۔ آتے جاتے گذرتے ہوئے آپ کو دیکھتے آپ کی مسحور کن شخصیت سے متاثر ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور ہمیشہ کے لیے اسی آستان کے ہو کر رہ گئے۔ روزانہ آتے مگر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ خاموش بیٹھے رہتے۔ اہل اللہ کسی کو اپنے چشمۂ فیض سے جتنا سیراب کرتے ہیں تو اس کی روح کی تشنگی اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ یہی کیفیت بٹ صاحب کی تھی ان کا تعلق جس خاندان سے تھا اس کو بزرگوں سے کوئی عقیدت نہ تھی۔

مرزا شمع بیگ ہانسی کے نواب خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے دادا مرزا منصب بیگ حضرت خواجہ حامد تونسوی رح کے مرید تھے حضرت بابا فرید رح گنج شکر کے خلیفہ اوّل حضرت قطب جمال الدین کا مزار مبارک ہانسی میں مرجع خلائق ہے۔ اور مرزا شمع بیگ کا خاندان ہمیشہ سے حضرت قطب جمال الدین ہانسوی کے عرس کا اہتمام کرتا تھا۔ اس موقع پر خانقاہ میں اس خاندان کے افراد کی بیٹھنے کی جگہ مخصوص ہوتی۔ رہتک کے مولوی احمد علی حصاری عرس کے دنوں میں ہانسی آئے ہوئے تھے۔ عرس کی تقریبات میں شرکت کے لئے آئے

تو خانقاہ میں مرزا شمع بیگ کے لئے مخصوص جگہ پر جا بیٹھے ۔ مرزا صاحب دوستوں کے جلو میں مزار پر آئے ۔ تو ان کے حواریوں نے مولوی صاحب کو وہاں سے اٹھا دیا ۔ تقریبات ختم ہوئیں تو مولوی صاحب مرزا صاحب کے گھر پہنچ گئے اور کہا " ہم یہیں آپ کے گھر ٹھہریں گے " مولانا کی مرزا صاحب یا ان کے گھر والوں میں سے کسی سے بھی کوئی جان پہچان نہ تھی ۔ کچھ دیر پہلے ہی خانقاہ میں مولوی صاحب کو مرزا صاحب کے لئے مخصوص جگہ پر بیٹھنے سے اٹھا دیا گیا تھا اب یہ پھر یہاں انہی کے ہاں پہنچ گئے وہ حیران تھے کہ ہم نے انہیں ایک طرح سے تنگ ہی کیا لیکن یہ پھر یہاں آ گئے ۔ کسی مہمان کا شمع بیگ صاحب کے گھر ٹھہرنا کوئی نئی بات نہ تھی ۔ بلکہ ان کے ہاں مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اجنبی لوگ بھی اکثر قیام کرتے تھے ۔ مگر غیر اخلاقی سلوک کے بعد آکر ٹھہرنے والے صرف مولوی احمد علی تھے ۔

مرزا صاحب نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرا تو لیا مگر پریشان تھے کہ جس کمرہ میں مولوی صاحب بیٹھے تھے وہیں محفل موسیقی کا اہتمام ہونا تھا ۔ اس لئے انہیں کسی دوسرے کمرہ میں ٹھہرانا چاہتے تھے تاکہ وہ ان کی مخصوص محفل میں مخل نہ ہو سکیں چنانچہ اس مقصد کے لئے مولوی صاحب کے پاس سے اٹھ گئے اور ملازم سے کہا کسی بہانے انہیں دوسرے کمرے میں لے جاؤ ۔ ہدایت دے کر مرزا صاحب واپس آئے تو مولوی صاحب کہنے لگے " مجھے دوسرے کمرے میں کیوں لے جاتے ہو ۔ جو کرنا ہے کرو کھانا پینا ہے کھاؤ پیو " مرزا صاحب یہ سن کر بڑے پشیمان اور حیران ہوئے ان کی حیرت بڑھتی ہی گئی ۔ کیونکہ جو بات بھی مولوی صاحب سے چھپا کر آہستہ آواز میں بھی کی جاتی یا دل میں سوچی جاتی ۔ مولوی صاحب فوراً اس کا جواب دے دیتے ۔ اب مرزا شمع بیگ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مولوی صاحب

واقعی اللہ والے ہیں۔ اور اللہ والوں کا احترام خود بخود دل میں ہو جاتا ہے
چنانچہ جتنے دن مولوی صاحب نے مرزا صاحب کے ہاں قیام کیا انہوں نے ان
کے احترام کی وجہ سے پینے پلانے اور دیگر مشاغل سے احتراز کیا۔ دوران قیام
مولوی صاحب نے بتلایا کہ وہ قبلہ سرکار کے مرید ہیں۔ یہ سن کر مرزا صاحب کے
دل میں کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ لیکن پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ شمع بیگ قبلہ سرکار
کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے بے قرار و بے تاب ہو گئے اور زیارت سے
مشرف ہوئے بغیر دل کو چین نہ آیا۔

مولوی صاحب چند روز قیام کے بعد حصار واپس چلے گئے۔ اسی دوران شمع
بیگ ایک دن کہیں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک عورت کو دیکھا جو بہت ہی خوب
صورت اور فربہ بھینس لئے جا رہی تھی انہوں نے قدرے حیران ہو کر پوچھا "یہ
بھینس اتنی موٹی کیوں ہے"۔ عورت نے سوچا یہ تو بھینس کو نظر لگا دے گا لہٰذا
غصہ میں آ کر اس نے **مرزا** صاحب کو گالی دے دی۔ مرزا صاحب کو طیش آ گیا اور
کہا "ایسی نیت والی عورت اس بھینس کا دودھ نہیں پیئے گی"۔ کچھ دن بعد مولوی
صاحب حصار سے آئے اور شمع بیگ کو از خود بھینس والا سارا قصہ سنایا اور کہا
"ایسی عورت اس بھینس کا دودھ نہیں پیئے گی"۔ شمع صاحب بڑے حیران ہوئے
کہ بغیر بتلائے حصار میں بیٹھے ہوئے مولوی صاحب کو سارا واقعہ کیسے معلوم ہو گیا۔
چند دنوں بعد اس عورت کی بھینس مر گئی۔ تو ناز و نعم کے پروردہ رئیس زادہ
کے دل میں ہلچل مچ گئی کہ مرید کا یہ عالم ہے تو مرشد کا کیا مقام ہو گا اب تو ایک
ہی خواہش دل کو بے چین کئے ہوئے تھی کہ کسی طرح سرکار کے مرید ہو جائیں
اور یہ خواہش کیسے پیدا نہ ہوتی۔ مولوی صاحب کو مرزا صاحب کے پاس اسی مقصد
کے لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ ان کے دل میں قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت

ہونے کی لگن پیدا کریں۔ اسی دوران کئی واقعات پیش آئے۔ اور مرزا صاحب کے جذبۂ شوق کو ابھارتے رہے۔ یہ سب آپ کی کرامات تھیں۔ مولوی صاحب اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ مرزا صاحب کا شوق دید بڑھ رہا تھا کہ تسکین نظر اور سکون قلب حاصل کریں۔

مرزا صاحب جب بھی مولوی صاحب سے کیتھل چلنے کے لیے کہتے وہ ٹال جاتے اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ اسی دوران مرزا صاحب کو خواب میں قبلہ سرکار کی زیارت ہوئی۔ حاضری کی تڑپ نے سخت بے قرار کر دیا۔ بے تابیٔ دل اتنی بڑھی کہ اکیلے ہی کیتھل روانہ ہو گئے۔ گرمیوں کے دن تھے صبح کی ٹرین سے کیتھل پہنچے۔ گھر کا پتہ معلوم نہیں تھا حیران کھڑے تھے۔ گھر کا پتہ کس سے پوچھیں کہ ایک چار پانچ سال کے معصوم بچے نے مرزا صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ " آیئے میں آپ کو لے چلتا ہوں" مرزا صاحب کو بعد میں پتہ چلا کہ یہ قبلہ سرکار کے چھوٹے صاحبزادے مقبول محی الدین گیلانی تھے۔ جب مرزا صاحب گھر پہنچے تو آپ دیوان خانہ میں تشریف فرما تھے دو خادم بیٹھے تھے۔ انہوں نے حال احوال پوچھا اور کہا کیسے آئے ہو۔ مرزا صاحب نے لاابالی پن سے جواب دیا " مرید ہونے کے لئے"۔ دونوں خادم ہنس دیئے کہ انہیں سرکار کی خدمت میں رہتے بیس[۲۰] سال ہو گئے ابھی تک مرید نہیں کیا۔ اور یہ آئے ہیں مرید ہونے۔ جبکہ خود کی عمر بیس سال ہی ہو گی۔ خادمانِ خاص کے تمسخر سے مرزا صاحب کا ارادہ مزید پختہ ہو گیا کہ مرید ہو کر ہی جائیں گے۔

دوپہر کا کھانا آیا نہیں کھایا۔ کہ جس مقصد کے لئے آئے ہیں وہ مقصد پورا ہو گا تو کھانا کھائیں گے۔" حاضرینِ محفل نے چٹکی لی کہ " اس طرح بھی مرید ہوتے ہیں"۔ مگر یہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔ چنانچہ اندر آپ کو اطلاع بھجوائی گئی کہ " ایک صاحب بیعت کی غرض سے آئے ہیں کھانا نہیں کھا

رہے کہ جب تک مرید نہیں ہوں گے کھانا نہیں کھائیں گے"۔ آپ باہر تشریف لائے اور مرزا صاحب سے فرمایا۔ "کھانے میں تامّل نہ کرو، تمہارا کام بھی ہو جائے گا"۔ مرزا صاحب کو قبلہ سرکار کی طرف سے واضح اشارہ مل گیا تو کھانا کھایا۔ اور ان کی دلی مراد پوری ہو۔

ہانسی میں ایک مجذوب مستری محمد یعقوب تھا جو اکثر جذب کے عالم میں رہتا اس کا زیادہ وقت مرزا صاحب کے ساتھ گزرتا۔ رات کو ان کے ساتھ بیٹھ کر وظیفہ بھی کیا کرتا۔ لوگوں نے محمد یعقوب کا مجذوبانہ رنگ دیکھا تو اصل حقیقت سمجھے بغیر مشہور کر دیا۔ کہ مرزا صاحب نے یعقوب کو وظیفہ بتلایا تھا وہ الٹا پڑ گیا پاگل ہو گیا ہے مرزا صاحب کے مخالفین کے بات ہاتھ آگئی۔ یعقوب کے رشتہ داروں نے ایک پیر محمد حسین کو بلایا۔ پیر محمد حسین کچھ مریدوں کے ساتھ ہانسی آگئے لوگوں کا خیال تھا کہ پیر صاحب شمع بیگ سے کہیں گے "تمہیں آتا جاتا تو ہے نہیں الٹے سیدھے وظیفے بتا کر لوگوں کو پاگل بنا رہے ہو۔ اس پر شمع بیگ کو سب کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ لیکن پیر محمد حسین صاحب واقعی خدا رسیدہ بزرگ تھے اصل حقیقت جان گئے۔ مرزا صاحب کا رتبہ معلوم ہو گیا تو ان سے کہا "چھپ کر نہ رہا کرو لوگوں کو مرید کیا کرو"۔ جو لوگ مرزا صاحب کو نیچا دکھانے اور ان کا مضحکہ اڑانے آئے تھے ان سے بھی کہا۔ "ان کے مرید بنو"۔ پیر محمد حسین اُلٹے پاؤں چل کر واپس گئے تاکہ ان کی طرف پشت نہ ہو۔ یہ سب ان کے مرشد کا احترام تھا۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنے دادا مرزا منصب بیگ مرحوم کی کتاب یاد مرشد پڑھی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مرزا صاحب کا رجحان تصوّف کی طرف ہوا اور بزرگوں کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا لیکن پھر دنیاوی معاملات میں کھو گئے۔ اور یہ جذبہ سرد پڑ گیا۔ مگر قبلہ سرکار نے اپنی نگاہِ کرم سے ان کے دل کی دُنیا ہی بدل دی۔

شیخ محمد اسماعیل بھی ان ہی خوش نصیبوں میں سے ہیں جن پر قدرت مہربان ہوئی۔ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ جمالِ رخ روشن کی ایک جھلک دیکھی دل کی ساری تاریکیاں چھٹ گئیں۔ شیخ اسماعیل کی رہتک میں گوشت کی بہت بڑی دوکان تھی اور اس کا ہڈی کا بھی وسیع کاروبار تھا۔ دکان پر کئی ملازم کام کرتے تھے۔ شہر سے باہر ان کا بہت بڑا وسیع ڈیرہ تھا۔ وہیں رات کو عیش و طرب کی محفل جمتی۔ شیخ صاحب دنیاوی رنگ رلیوں میں مصروف تھے کہ کمبل پوش فقیر ان کی دوکان پر آیا۔ چند ہی دنوں میں بے تکلف ہو گئے۔ شیخ اسماعیل نے ایک بات خصوصاً محسوس کی کہ کمبل پوش فقیر کے منہ سے جو نکلا ویسا ہی ہوا۔ یہ دیکھ کر شیخ صاحب کو درویش سے عقیدت ہو گئی۔ یہ درویش شیخ صاحب کو برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے مگر شیخ صاحب مذاق میں ٹال دیتے کبھی گالی گلوچ پر اتر آتے کیونکہ وہ بہت غصیلے تھے۔ لیکن کمبل پوش برا نہ مانا کرتے تھے۔ "شیخ تیرے وارث سے ڈرتا ہوں۔ ورنہ تجھے تو میں کچھ نہیں سمجھتا"۔ شیخ نے کئی بار پوچھا کہ "بتاؤ تو سہی کہ وہ وارث کون ہے"۔ کمبل پوش جواب دیتا "تجھے خود ہی پتہ چل جائے گا بلکہ ایک دن خود ان کی خدمت میں پہنچ جائے گا"۔

شیخ صاحب کا روزمرہ کا معمول تھا کہ دوکان سے فارغ ہو کر فوراً شہر سے باہر احاطہ والے مکان میں چلے جاتے اور پھر تمام وقت یار دوستوں کے ساتھ مے نوشی کا شغل رہتا۔ رات گزر جاتی۔ صبح کو شیخ اپنی دکان پر آجاتے۔ اسی دوران مولوی احمد علی (قبلہ سرکار کے مرید) شیخ اسماعیل کی دکان پر آنے لگے دونوں میں دوستی ہو گئی۔ مولوی صاحب بھی شیخ اسماعیل کو برے کاموں سے بچنے اور نیکی کی تلقین کرتے رہے۔ مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ دنیا کی رنگینیوں نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ انہیں راہ راست پر لانا آسان نہ تھا۔ مولوی احمد علی

کسی نہ کسی طرح شیخ اسماعیل کو تامل کرکے کیتھل قبلہ سرکار کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا " حضور حکم کی تعمیل میں شیخ صاحب کو لے آیا ہوں"۔ قبلہ سرکار نے فرمایا " ٹھیک ہے"۔

شیخ اسماعیل اب تک شیطان کے چنگل میں تھے۔ قبلہ سرکار کی ایک ہی نگاہ کیمیا اثر نے لمحہ بھر میں شیخ صاحب کے دل کی دنیا بدل دی۔ شیخ اسماعیل نیکی کا نام سن کر سیخ پا ہو جایا کرتے تھے۔ اب لمحہ بھر میں ہی بے چین اور بے قرار ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ آپ دیکھ چکے تھے کہ اس کی قلبی کیفیت بدل چکی ہے۔ بیعت ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد تک تو وہ کمبل پوش فقیر ان کے پاس آتا جاتا رہا۔ لیکن ایک دن کہنے لگا۔ " شیخ صاحب اب ہماری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ تم جانو اور تمہارا مرشد جانے اب ہم چلتے ہیں"۔ اس کے بعد وہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔

کیپٹن خواجہ محمد حسین قادری :۔ کیپٹن خواجہ محمد حسین قادری کا نام بھی انہی مریدان باصفا کی فہرست میں ہے۔ جو خود مرشد کے در پر نہیں پہنچے بلکہ قدرت نے انہیں ان کے راہبرِ کامل کے در پر جا کھڑا کیا۔ کیپٹن صاحب کے دل میں کسی مرد خدا کی محبت سے فیض یاب ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو قدرت نے کیسے ان کی خواہش پوری کی۔ یہ بڑی روح پرور داستان ہے۔

کیپٹن خواجہ محمد حسین قادری صاحب ملٹری انجینئرنگ کالج رسالپور میں کیپٹن تھے ۱۹۵۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ جب انہوں نے نئے آفیسر کو چارج دیا تو اپنی کرسی بھی (جسے وہ اب ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہے تھے) اسے پیش کر دی اور کرسی پیش کرتے ہوئے دعا کی۔ " یا اللہ ساری عمر تو فوج میں گزار دی۔ اب فوج کی زندگی چھوڑ رہا ہوں تو عام شہری کی طرح کیسے رہ سکوں گا۔ آمدنی

بھی آدھی رہ جائے گی۔ گزر اوقات کیسے ہوگی۔ اے میرے پروردگار تم مجھے اپنے کسی دوست سے ہی ملوادے۔ تاکہ آخرت تو سدھر جائے"۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور چارج دے کر اہل وعیال سمیت ڈسکہ آگئے۔ اب کیپٹن صاحب کو اللہ کے کسی دوست کی بھی تلاش تھی۔ اور ساتھ فکرِ روزگار بھی تھا۔ پنشن میں گزارا مشکل نظر آرہا تھا۔ کاروبار کا بھی کوئی تجربہ نہ تھا کہ کوئی کاروبار ہی شروع کر لیتے۔ اس لئے وقت پریشانی میں گزر رہا تھا۔

کیپٹن صاحب کو دل کی تکلیف تھی ایک دن صبح کے وقت ڈاکٹر کو دکھانے گھر سے نکلے۔ بیرا ساتھ تھا۔ کیپٹن صاحب جا رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی "چلو اپنے آپ آگیا۔ سانوں لبھنا نئیں پیا"۔ (چلو خود ہی آگئے ہیں تلاش نہیں کرنا پڑا) کیپٹن صاحب نے سرسری سی نگاہ ڈالی مگر کوئی نظر نہ آیا۔ کیپٹن صاحب اسی طرح چلتے رہے کہ پھر آواز آئی۔ "چلو اپنے آپ آگیا سانوں لبھا نہیں پیا"۔ پھر جو سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بزرگ نظر آئے۔ سر سے ننگے۔ کھدر کا کرتہ اور تہبند میں ملبوس کالا کمبل اوڑھے ہوئے، ہاتھ میں گندم کی نالی پکڑے کھڑے ہیں بابا جی نے بڑھ کر کیپٹن صاحب سے پوچھا "بیٹا آپ کپتان ہو"۔ کیپٹن صاحب نے جواب دیا "جی ہاں"۔ "آپ سے ملنا تھا"۔ بابا جی نے جواب دیا۔ کیپٹن صاحب نے بابا جی کو تو بیرے کے ساتھ گھر بھیج دیا اور خود ڈاکٹر کے پاس چلے گئے ڈاکٹر سے دوائی لے کر گھر آئے تو بابا جی کو اپنا منتظر پایا۔ کیپٹن صاحب نے بابا جی کا پتہ پوچھنا چاہا کہ کہاں سے آئے ہیں مگر بابا جی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ پوچھ کر کیا کریں گے۔ (مگر کیپٹن صاحب یہ پوچھنے کے لئے بے تاب تھے کہ بابا جی کہاں سے آئے ہیں) آخر باتوں باتوں میں معلوم کر ہی لیا کہ بابا جی ملتان سے آئے ہیں۔ ملتان میں کیپٹن صاحب کے بھائی رہتے تھے۔ کیپٹن صاحب نے

اپنے بھائیؒ کا ذکر کیا تو باباجی نے بتایا کہ وہ ان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔
صبح ناشتہ کے بعد باباجی چلے گئے۔ کیپٹن صاحب اپنے کاموں میں لگ گئے مگر دو تین دن کے بعد کیپٹن صاحب کو خواب آیا جس نے ان کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ :-

وہ ایک پختہ سڑک (سڑک شرقاً غرباً تھی) کے عین بیچ میں کھڑے ہیں اور ان کے سامنے شمال کی جانب سڑک سے چند گز کے فاصلے پر ایک کمرہ ہے اور کمرے کے سامنے پانی کا ایک نلکا لگا ہوا ہے۔ اور نلکے کے شمال مشرق میں بستی ہے اور شمال مغرب میں کھلا ریتلا میدان ہے اور میدان سے دور ایک پہاڑ نظر آرہا ہے۔ سڑک کے مشرق کی طرف اونچی نیچی جگہیں ہیں یعنی سڑک پر نشیب و فراز تھے۔ کیپٹن صاحب سڑک پر کھڑے اِدھر اُدھر کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ انہیں پیچھے سے آواز سنائی دی جیسے کوئی کہہ رہا ہو "تیری جگہ یہی ہے"۔ اس کے بعد کیپٹن صاحب کی آنکھ کھل گئی۔
کہنے کو تو یہ خواب تھا لیکن کیپٹن صاحب پر اس کا اتنا اثر ہوا جیسے انہوں نے یہ جگہ واقعی دیکھی ہو۔ اب وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی طرح یہ پتہ چلے کہ جو جگہ انہوں نے خواب میں دیکھی ہے۔ فی الحقیقت وہ کہاں ہے فوج کی ملازمت اس وقت کام آئی۔ چنانچہ انہوں نے فوج کا نقشہ (جس میں ملک کی ہر جگہ اور ہر علاقہ کی نشاندہی کی ہوئی تھی۔) نکالا اور چودہ دن نقشہ میں جگہ تلاش کرتے رہے۔ اور آخر نقشہ میں وہ مطلوبہ جگہ مل ہی گئی جو کہ ڈیرہ غازیخان میں تھی اور ڈیرہ غازی خان جانے کا انتظام بھی قدرت نے جلد ہی کر دیا۔
کیپٹن صاحب نے جب نقشہ کے ذریعے مطلوبہ جگہ تلاش کر لی تو ان کے ایک

واقف کار کرنل اقبال نے کہا کہ "کیپٹن صاحب ڈیرہ غازیخان ترقیاتی منصوبہ کا علاقہ ہے آپ وہاں جاکر کوئی کاروبار شروع کریں کاروبار میں کچھ روپیہ میں بھی لگادوں گا۔ سال ڈیڑھ سال بعد ریٹائر ہوکر میں بھی ڈیرہ غازیخان آجاؤں گا۔ مل کر کاروبار کرتے رہیں گے۔" کیپٹن صاحب سمجھ گئے کہ جو کچھ خواب میں دیکھا ہے اب اس طرح ڈیرہ غازی خان بھیج کر اس کی تصدیق کرائی جائے گی چنانچہ ڈیرہ غازی خان جانے کے لئے کیپٹن صاحب روانہ ہوئے۔ رات انہوں نے ملتان اپنے بھائی کے ہاں قیام کرنا تھا۔ جب بس ملتان پہنچی تو رات ہوچکی تھی ان کے پاس کچھ سامان بھی تھا۔ مگر سامان اٹھانے والا کوئی مزدور انہیں اڈے پر نظر نہیں آرہا تھا۔ یہ حیران ہوکر ادہر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے سامان بھائی کے ہاں پہنچا دیا گھر پہنچ کر اس آدمی کو پیسے دینے چاہے۔ اس آدمی نے کہا کہ "سامان پہنچانا میرا فرض تھا۔ سو سامان پہنچا دیا۔" اور پیسے لینے سے انکار کردیا۔ کیپٹن صاحب نے اس سے سامان لیا اور وہ آدمی ایک دم غائب ہوگیا۔ کیپٹن صاحب نے ادہر اُدھر دیکھا مگر وہ آدمی نظر نہیں آیا۔

کوئی دو ماہ بعد قبلہ سرکار ملتان تشریف لائے۔ اور کیپٹن صاحب کے بھائی کے ہاں قیام کیا۔ (اس سے پہلے آپ نے کبھی یہاں قیام نہیں فرمایا تھا۔) کیپٹن صاحب کو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا "آپ کے آنے کی خبر مجھے چند ماہ قبل مل گئی تھی مگر آپ دیر سے آئے ہیں۔ خیر آگئے چلو ٹھیک ہے۔" کیپٹن صاحب نے چھ ماہ قبل ریٹائرڈ ہوتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ اپنے کسی دوست سے ملادے یہ اس عرصے کی طرف اشارہ تھا۔ گویا قبلہ سرکار کو اس وقت بلکہ اسی لمحے قدرت کی طرف سے اشارہ ہوگیا تھا کہ مرید آنے والا ہے۔ باباجی کا ڈسکہ جانا اور یہ کہنا "چلو اپنے آپ آگیا سانوں لبھنا نیئں پیا۔" چلو

خود بخود آ گیا ہمیں تلاش نہیں کرنا پڑا۔ اس سلسلے کی کڑی تھی۔

قبلہ سرکار کو پروفیسر کرم شاہ صاحب کے مرشد گرامی کے عرس میں شمولیت کے لئے علی پور جانا تھا۔ جب آپ عرس مبارک میں شمولیت کے بعد واپس ڈی جی خان تشریف لائے تو کیپٹن صاحب بھی آپ کی خدمت میں آحاضر ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے کیپٹن صاحب کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اس وقت کے سرتاج الاولیاء صاحب کرامت اور نیرّ طریقیت کے قدموں میں لا بٹھایا اب کیپٹن صاحب کو اس جگہ کی تلاش ہوئی جو خواب میں انہیں دکھائی گئی تھی۔ کافی تگ و دو کے بعد وہ جگہ مل گئی وہ سڑک کوئٹہ کی طرف آتی تھی اور وہاں چنگی تھی۔ چنگی کا ہی کمرہ خواب میں دکھایا گیا تھا یہ علاقہ گدائی کہلاتا تھا۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے کیپٹن صاحب کی دعا کو شرف قبولیت بخشا تھا۔ اور وقت کے اولوالعزم شہنشاہ کے قدموں میں جگہ بخش دی تھی لیکن دل و دماغ ابھی فکر معاش سے آزاد نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے خواب میں دیکھی ہوئی جگہ جونہی ملی تو خیال آیا کہ خواب میں اس جگہ کا اشارہ اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ جگہ میں خرید لوں اور یہاں کارخانہ لگا کر اپنا کاروبار شروع کروں چنانچہ پٹواری کی معرفت زمین کے مالک سے سودا کرنا چاہا لیکن زمین کے مالک نے یہ کہہ کر "زمین بیچنے سے میری بدنامی ہوتی ہے"۔ زمین بیچنے سے انکار کر دیا۔ لیکن ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ اس زمین پر آپ کارخانہ لگوائیں کارخانہ میں کچھ رقم میں بھی دوں گا۔ روپیہ میں صرف ایک پیسہ میرا منافع ہوگا دنیاوی لحاظ سے کس قدر فائدہ مند کاروبار تھا۔ زمین بھی مالک دے رہا تھا کچھ رقم بھی دے رہا تھا۔ اور منافع روپیہ میں صرف ایک پیسہ لے رہا تھا۔ اور باقی سارا منافع کیپٹن صاحب کو ملنا تھا لیکن روحانی نظام ان دنیاوی فائدوں

کو کب خاطر میں لاتا ہے۔ کیپٹن صاحب کو یہ جگہ دنیاوی کاروبار کے لئے نہیں دکھائی گئی تھی بلکہ یہ تو شہنشاہ ولایت کے در پر حاضر ہونے کا راستہ تھا۔ پھر کاروبار کا یہ معاملہ کس طرح طے ہوتا۔ قبلہ سرکار نے زمین نہ خریدنے کا اشارہ کر دیا پھر اس طالب درویش نے زمین خریدنے کا خیال تک ذہن میں نہ آنے دیا یہ صحبت صالح کا ہی اثر تھا کہ جس روزگار کی تلاش میں کیپٹن صاحب دور دراز کا سفر طے کر کے ڈسکہ سے ڈیرہ غازیخان پہنچے تھے۔ اسی روزگار کو اپنے رہبر کامل کے اشارے پر تج دیا۔ دل تو اب دنیاوی تفکرات اور فکر معاش سے آزاد ہو چکا تھا اب تو وہ دل حبّ شیخ میں سرشار تھا جو عشق الہی پر پہنچنے کا پہلا زینہ ہے۔

کیپٹن صاحب اب دن رات قبلہ سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے ان کی روح اس منبع فیض سے سیراب ہو رہی تھی۔ (راہ طریقت پر چلنے والوں کو جن کڑی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے شاید سب سے زیادہ کٹھن مرحلہ طالب کا مطلوب سے جدا ہونا ہی ہے) کہ جدائی کی گھڑی آن پہنچی۔ ایک دن قبلہ سرکار نے فرمایا کہ "کیپٹن صاحب اب آپ اپنے گھر جائیں اور اپنے اہل خانہ کی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہیں" قبلہ سرکار کی روحانی صحبت سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ سے جدا ہونے کی یہ روح فرسا خبر سن کر کیپٹن صاحب کی جو حالت ہوئی اس کا حال ان ہی کی زبان سے سنیئے۔ "قبلہ سرکار کا یہ فرمان سن کر میری کیفیت اس فاقہ زدہ انسان کی سی ہو گئی جو کئی دنوں کے فاقہ کی وجہ سے بھوک کے مارے بے تاب ہو رہا ہو۔ اس کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے چُن دیئے جائیں اور ان کھانوں میں اٹھتی ہوئی خوشبو اس کی اشتہا کو اور بھی بڑھا دے تو کھانے کے لئے اشارہ کیا جائے

اور جونہی وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے تو اس کا کھانے کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھا دیا جائے۔ تو فاقوں کے مارے انسان کا کیا حشر ہو گا۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہوا"۔ کیپٹن صاحب کی روح سیر ہوتی رہی مگر جیسے ہی انہیں گھر جانے کا حکم ہوا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ خوانِ کرم ان کے آگے سے اٹھا دیا گیا ہو۔ اور ان کی روح تشنہ رہ گئی ہو۔ چنانچہ وہ دل گرفتہ اور بوجھل قدموں سے واپسی کے لئے ڈسکہ چل دیئے۔

کیپٹن صاحب گھر پہنچے تو معلوم ہوا ان کے بیٹے نے امتحان پاس کر لیا ہے اور اب کالج میں داخلہ لینا ہے اور داخلہ کے لئے کیپٹن صاحب کو ہی کوشش کرنی تھی اس وقت ڈسکہ میں سیلاب آنے کا خطرہ بھی تھا اب کیپٹن صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کا گھر آنا کتنا ضروری تھا۔ ان کے مرشد نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی تھی یہی وجہ تھی کہ کیپٹن صاحب حُبِ شیخ کو دل میں چھپائے اپنے فرائض کی تکمیل میں مصروف ہو گئے لیکن ہر کام میں ہر معاملہ میں اپنے مرشد کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھا۔ اور مرشد کے ہر حکم کی تعمیل کی۔

ایک بار قبلہ سرکار کیپٹن صاحب کے ہاں ڈسکہ تشریف لے گئے جب قبلہ سرکار نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو کیپٹن صاحب قبلہ سرکار کو بس میں سوار کرانے اور الوداع کہنے کے لئے اڈہ پر آئے۔ قبلہ سرکار بس میں تشریف فرما ہوئے۔ بس کی رفتار ابھی آہستہ ہی تھی کہ کیپٹن صاحب کو اشارے سے پاس بلایا۔ بس رُک گئی۔ کیپٹن صاحب پاس آئے تو فرمایا "آپ کے پاس کام بہت آئیں گے۔ لیکن کسی کام کو ہاتھ نہ لگانا" کیپٹن صاحب نے عرض کی کہ "کام نہیں کروں گا تو گزارا کیسے ہو گا"۔ قبلہ سرکار نے فرمایا کہ "یہ ہمارا کام ہے"۔ اسی اثنا میں بس چل پڑی۔ قبلہ سرکار ڈیرہ غازیخان تشریف لے گئے اس کے بعد کیپٹن صاحب کے پاس بڑے منافع بخش کام آئے لیکن مرشد کے

حکم کی تعمیل میں کوئی کام شروع نہیں کیا۔ لیکن فکر مند ضرور تھے کہ گزارہ کیسے ہوگا فکر معاش کے علاوہ بھی بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ جنہوں نے پریشان کر رکھا تھا ان پریشانیوں اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے کئی تدابیر ذہن میں آئیں مگر مرشد کے حکم کے بغیر ان تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن ان ہی مشکلات پر قابو پانے کے لئے جو تدابیر ذہن میں تھیں قبلہ سرکار کے گوش گزار کیں۔ آپ نے فرمایا "یا تو اپنا سارا انتظام خود کریں یا ہمیں کرنے دیں"۔ کیپٹن صاحب قبلہ سرکار کا دامن تھام ہی چکے تھے اس لئے عرض کی کہ "میں اتنا بے وقوف نہیں کہ آپ گٹھڑی میرے سر پر سے اتار دیں اور میں اسے اٹھاؤں اب میں کوئی فکر نہیں کروں گا"۔ پھر کیپٹن صاحب کسی بات کے لئے پریشان نہیں ہوئے۔ قبلہ سرکار ان پر اتنے مہربان تھے کہ ایک بار فرمایا "کہ ہر چیز مرتب کر کے سکیم بنا دی گئی ہے۔ اپنے وقت پر ہر چیز ظاہر ہوتی رہے گی"۔

کیپٹن صاحب پر بڑے مشکل وقت آئے لیکن انہیں خدا پر مکمل بھروسہ اور اپنے مرشد پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے کہیں بھی قدم نہیں ڈگمگائے۔ ایک وہ وقت بھی آیا کہ پنشن بھی بند ہوگئی۔ ۱۲ سال پنشن نہیں ملی چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور بظاہر گذر اوقات کا ذریعہ یہی پنشن ہی تھا۔ پنشن کا بند ہونا گویا روزی کا بند ہونا تھا ضروریات زندگی کس طرح پوری ہوئیں اس بارے میں کیپٹن صاحب کا کہنا ہے کہ یہ میرا اور میرے مرشد کا معاملہ ہے۔ گرمیوں میں برف کی ضرورت رہتی ہے اس پر بھی خاصی رقم اٹھ جاتی ہے۔ قدرت نے اس کا انتظام خود کیا کہ جب کیپٹن صاحب نے نلکا لگوایا تو اس کا پانی اتنا ٹھنڈا تھا کہ اس پانی سے تیار شدہ شربت کیلئے برف کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔

کیپٹن صاحب جس طرح قبلہ سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس میں

کیپٹن صاحب کی مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا وہ تو خدا کا بھیجا ہوا ایک تحفہ تھا۔ قبلہ سرکار نے اس تحفے کو اس خوش دلی کے ساتھ قبول کیا کہ ان کی تلاش میں بابا مستان[1] شاہ کو بھیجا اور یوں یہ مرید اپنے مرشد کے پاس پہنچا۔

بخشی صاحب:۔ بخشی صاحب شفقت[2] علی صدیقی بہت بڑے جاگیردار اور ریاست جیند کے وزیر تھے۔ انگریزی حکومت کی طرف سے آنریبل کا خطاب ملا تھا۔ ریاست کے ہندو راجہ نے غرور و تکبر کی بنا پر حکم جاری کر رکھا تھا کہ جب اس کی سواری گزرے تو سب جھک کر کورنش بجالائیں۔ ایک دن مہاراجہ کی سواری شاہانہ شان و شوکت سے آ رہی تھی بخشی صاحب گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرے تو آداب و کورنش نہ بجالائے اور نہ ہی سر جھکایا۔ مہاراجہ نے اپنی شان میں گستاخی اور توہین کی سزا کے طور پر بخشی صاحب کی جائیداد ضبط کر لی اور درباری اعزاز میں بھی کمی کر دی۔ بخشی صاحب نے وائسرے ہند کے پاس مقدمہ دائر کیا پھر اسی سلسلہ میں چوہدری ظفراللہ (پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہے ہیں) کے پاس گئے وہ قادیانی تھا کہنے لگا "آپ قادیانی

۱۔ بابا مستان شاہ بڑے صاحب جذبہ بزرگ تھے۔ اور ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔

۲۔ ریاست جیند میں ایک عہدہ بخشی کا ہوتا تھا جس کو ریاست میں وسیع اختیارات حاصل تھے۔ یہ مسلمان خاندان کئی پشتوں سے اس عہدہ پر متمکن چلا آ رہا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ریاست سے ایسا ملیا میٹ کیا گیا کہ اس خاندان کا کوئی فرد زندہ نہ بچا ان کی مستورات کو بے حرمت کیا گیا۔ یہ خونچکاں داستان اتنی طویل ہے کہ جو کچھ کانوں سے سنا اس کو ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ بخشی صاحب

بقیہ اگلے صفحہ پر

ہو جائیں میں سب کو حتیٰ کہ وائسرائے کو بھی سیدھا کر دوں گا"۔ چند روزہ دنیا کے لئے دین کا سودا بخشی صاحب کو منظور نہ تھا۔ اس لئے اقبال کا یہ شعر پڑھا

دیں دے کے اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت سے مسلماں کو خسارہ

پھر کبھی سر ظفر اللہ کے پاس نہیں گئے۔

اس مشکل کا حل کسی مردِ خدا کے پاس تھا جو صدق دل سے دعا کرتا اور انہیں اس مشکل سے نجات ملتی۔ قدرت نے یہ راہ بھی نکال دی۔ ریاست سنگرور کے ایک پولیس سپرنٹنڈنٹ مرزا مشتاق بیگ کے ذریعے قبلہ سرکار سے رابطہ قائم ہوا۔ آپ کو دیکھتے ہی بخشی صاحب تمام پریشانیاں بھول گئے۔ ہر وقت آپ کا تصور رہنے لگا وہیں مرزا شمع بیگ سے ملاقات ہوئی بخشی صاحب ڈاک بنگلے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک ہی دھن سوار تھی کہ بیعت ہو جائیں۔ آپ ان کی بیعت نہیں لے رہے تھے جذبے کی شدت اتنی بڑھی کہ سینے پر پستول رکھ کر واضح الفاظ میں شمع صاحب کو یہ کہہ کر کہ آج بیعت نہ ہوا تو خودکشی کر لوں گا۔ قبلہ سرکار کی خدمت میں بھیجا مگر آپ کے سامنے شمع صاحب اور ان کے دلائل کی کیا اہمیت تھی آپ کی چند باتوں سے متاثر ہو کر شمع صاحب آگئے لیکن بخشی صاحب کی ان باتوں سے کب تسلی ہوتی تھی۔ بدستور سینے پر پستول رکھ کر یہی کہہ رہے تھے "خود کو گولی مار لوں گا"۔ شمع صاحب یہ حالت دیکھ کر پھر جاتے اور تسلی آمیز

(بقیہ صفحہ سابق)

نے تین دن تک مقابلہ کیا اور شہید ہوئے۔ ان کے شہید ہونے پر ریاست میں خوشی منائی گئی اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

جواب سن کر لوٹ آتے۔ سب لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ آج بخشی صاحب جان دے دیں گے۔ اسی کشمکش میں آدھی رات بیت گئی آخر رات کے تین بجے بخشی صاحب کی بیعت لے لی۔ اور فرمایا کہ آپکے گھر میں چاندی سونے کے جو برتن ہیں سب اللہ کی راہ میں خیرات کر دیں۔ بخشی صاحب نے حسب الحکم تمام برتن خیرات کر دیئے۔ بخشی صاحب کو آپ کی دعا سے ضبط شدہ جائیداد مل گئی۔ اعزازات بحال ہوئے یوں دین کے ساتھ دنیا کی مرادیں بھی بر آئیں۔

عبداللہ پارچہ فروش بھی آپ کے ایسے ہی مرید تھے جو دنیاوی مسائل کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی طبیعت کا رخ حقیقت کی طرف پھیر دیا۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ " مجھے کاروبار میں بڑی مشکلات پیش آئیں یہ احساس بھی دامن گیر تھا کہ تمام عمر غفلت میں گزر گئی۔ چنانچہ مالی تنگی سے گھبرا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے محسوس کیا آپ میری طرف توجہ نہیں فرما رہے۔ دل برداشتہ ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ اس کے بعد بھی دو تین دفعہ حاضری دی مگر ہر بار یہی محسوس کیا کہ آپ میری طرف توجہ نہیں فرما رہے۔

ایک دن پھر آیا تو قبلہ سرکار کے صاحبزادے جو لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ اور ڈاکٹر سی ڈی صدیقی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے حکایت بیان کی کہ " ایک دفعہ ایک ٹھیکیدار نے عمارت تعمیر کی اور جب ایکسئین عمارت دیکھنے آیا تو پیٹ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا " عمارت ٹھیک نہیں"۔ ٹھیکیدار سمجھ گیا کہ ایکسئین پیٹ کی بھوک مٹانا چاہتا ہے۔ چنانچہ ٹھیکیدار نے رشوت پیش کی ایکسئین نے تصدیق کر دی کہ " عمارت درست ہے"۔ یہ حکایت سنانے کے بعد ڈاکٹر

صدیقی ہنس پڑے ہیں ڈاکٹر صاحب کی بیان کردہ مثال سے کچھ نہ سمجھ سکا ان کا مطلب تو یہ تھا کہ یہاں لوگوں کو عرفانِ الٰہی اور تلاشِ حق کے لئے آنا چاہیے لیکن لوگ دنیاوی اغراض کے لئے ہی آتے ہیں۔ اور یہ بندۂ خدا بھی پیٹ کی بھوک مٹانے کے لئے یہاں آیا ہے کہ روزی کا کچھ سامان ہو۔ مجھے صدیقی صاحب کی باتیں بہت ناگوار گزریں سوچنے لگا اچھے بزرگ ہیں جن کی موجودگی ہی میں میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ حالانکہ خاصانِ خدا کے بارے میں تو سنا گیا ہے کہ وہ کسی کا دل نہیں دکھاتے اور نہ کسی کو دوسروں کی تضحیک کی اجازت دیتے ہیں اس لئے میں بددل ہو کر وہاں سے اُٹھ آیا۔ اس کے بعد خواب میں کئی بار قبلہ سرکار کی زیارت ہوئی۔ ایک بار دیکھا کہ آپ کے دستِ مبارک میں میرا ہاتھ ہے۔ مگر خواب کے اس اشارہ کو نہ سمجھ سکا۔ اور حاضرِ خدمت ہونے کا خیال نہ آیا۔ مگر حالات نے ایسا جکڑا کہ حاضری کے بغیر چارہ نہ رہا۔ اور ہفتہ میں ایک دو دفعہ حاضر ہونے لگا۔ ایک دن آپ نے مجھے برفی کھانے کے لئے دی مٹھائی کھاتے ہی دل کی کیفیت بدل گئی بے طرح آپ کی طرف کشش ہونے لگی۔ عقیدت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا دنیاوی مشکلات اللہ نے رفع کر دیں۔ بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی ہو گئی"۔

ایک مرید حاجی امین کا بیان ہے کہ "میرے چچا خوشی محمد سکول ماسٹر کمیونسٹ تھے۔ مجھے چچا کی عادات کا بخوبی علم تھا۔ پھر بھی ان کو لے کر قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تقریباً دو گھنٹے آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹے کی نشست کے بعد جب ہم اُٹھے تو ماسٹر صاحب کی کایا پلٹ چکی تھی۔ انہوں نے باہر آتے ہی کہا "امین تم بڑے خوش قسمت ہو تمہیں ایک عارفِ کامل کی صحبت میسر ہے"۔ میں نے پوچھا "چچا کچھ محسوس کیا"، تو انہوں

نے اعتراف کے طور پر خاموشی سے سر جھکا لیا اور ہمیشہ کے لئے بے حد معتقد ہو گئے۔

ڈیرہ غازیخان کے مشہور شاعر عبدالقدیر عامل متھراوی بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جو روحانیت کے قطعی قائل نہ تھے۔ ان پر ایک وقت ایسا آیا کہ گھریلو پریشانیوں اور نامساعد حالات کے ہاتھوں عاجز آ گئے۔ دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ شہر کے گلی کوچوں میں ننگے پاؤں پھرنے لگے قاضی ظفر احمد ظفر کو ان کی اس حالت پر ترس آیا۔ وہ عامل صاحب کو سرکار کی خدمت میں لے آئے ان کے دکھ درد اور مسائل آپ کے گوش گزار کئے آپ نے عامل صاحب کو اپنے پاس بٹھا لیا اور ایک ہی نظر میں دل کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ اب وہ روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ دیوانگی اور پریشان حالی نہ رہی۔ روحانی اور قلبی سکون بھی ملنے لگا۔ روح کی تشنگی ابھی باقی تھی کہ قبلہ سرکار کا انتقال ہو گیا عامل صاحب سخت بے چین اور مغموم تھے کہ اب کیا ہو گا۔ ایسا مرشد کامل اور صاحب عرفان کہاں ملے گا۔ اسی خیال میں آنکھ لگ گئی کیا دیکھتے ہیں کہ قبلہ سرکار کے مزار مقدس کے قریب کھڑے ہیں جونہی تعویذ پر نظر پڑی۔ قبر شق ہو گئی عامل صاحب کی نظر آپ پر پڑی فوراً سلام کیا۔ آپ نے فرمایا "عامل دیکھو دنیا میں ہماری یہی صورت تھی جو اس وقت دیکھ رہے ہو۔ مرنے کے بعد یہ تعلقات ختم نہیں ہوتے۔" اس کیف و سرور کے بعد آنکھ کھل گئی۔ تو عامل صاحب کے لب پر یہ شعر تھا۔

ع ولی ہو قابلِ دیدار ہو تم یا علی احمدؒ
نمود سید ابرار ہو تم یا علی احمدؒ

عامل صاحب کو کامل یقین ہے کہ ارواح صرف ظاہر بیں نگاہوں سے۔

مستور ہوتی ہیں درحقیقت وہ زندہ ہوتے ہیں

کرامت :-

جب قدرت چاہتی ہے تو اولیاءُ اللہ سے کرامت کا ظہور ہوتا ہے۔ ورنہ اولیاءُ اللہ اپنی خواہش سے کرامتوں کا اظہار نہیں کرتے۔ قبلہ سرکار صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اگرچہ کشف وکرامات کے متعدد واقعات مختلف لوگوں کے علم و تجربے میں آئے مگر آپ نے کبھی کشف وکرامت کو معیارِ بزرگی قرار نہیں دیا۔ آپ کی نگاہ فیض سے انسانوں کے دل بدلے اور دلوں کے قبلے درست ہوئے۔ آپ نے ان لوگوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کیا جو پیروں کے نام سے بدکتے تھے۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو شریعت وطریقت کی الجھنوں میں پڑنے کی بجائے عملی زندگی پر گامزن کیا۔

حافظ کبیر احمد خاں عاجز گنگوہی نے اپنی بیعت سے متعلق لکھا ہے کہ "جب میں اپنی گھریلو پریشانیوں سے سخت عاجز آ گیا تو میرے دوست مصباح الدین ٹیلر نے کیتھل آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ میرا یہی اصرار تھا کہ جب تک کوئی کرامت نہ دیکھ لوں، بیعت نہیں کروں گا۔ لیکن مصباح الدین نے مجھے چلنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ مرزا شمع بیگ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ آپ کو دیکھتے ہی دل پکار اُٹھا۔ شمع بیگ نے موقع پاکر میری پریشانیوں کا ذکر کرنا چاہا تو قبلہ سرکار نے فرمایا "بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ان کے ماتھے پر سب کچھ لکھا ہے"۔ حافظ صاحب اپنی پریشانیوں کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ "شادی کے بعد کچھ دن تو ہم میاں بیوی ہنسی خوشی رہے پھر بیوی میکے گئی تو سسرال والوں نے کہلا بھیجا کہ ہانسی چھوڑ کر دہلی آجاؤ۔ وہاں منتقل ہونا میرے لئے ممکن نہ تھا اور نہ ہی بیوی کو چھوڑنا چاہتا تھا۔ ہانسی میں اپنی مٹھائی کی دکان اچھی خاصی چل رہی تھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ دہلی کیسے چلا جاتا۔ بیوی میکے بیٹھ رہی تو میں پریشان حال آپ کی خدمت میں جا پہنچا۔ آپ نے

بغیر کچھ کہے سنے فرمایا " فی الحال آپ کو صبر سے کام لے کر سسرال والوں کو فراموش کرنا ہوگا صبر کرنا ضروری ہے"۔ ان الفاظ میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ مجھے اپنی پریشانی بھول گئی۔ دل کو عجب قسم کی راحت اور سکون محسوس ہوا (حافظ کبیر صاحب بہت اچھے نعت خواں ا شاعر تھے) آستانہ عالیہ پر رات کے گیارہ بجے تک نعت خوانی ہوتی رہی۔ اس کے بعد آپ گھر میں تشریف لے گئے ہم بھی سو گئے۔ گرمی کا موسم تھا آدھی رات کے قریب مجھے اور شمع بیگ کو پیاس لگی۔ لیکن وہاں صرف وضو کے لئے کھاری پانی تھا۔ میں نے شمع بیگ سے کہا چلو مسجد میں جاکر پانی پی آتے ہیں ابھی ہم چارپائیوں سے اٹھے ہی تھے کہ قبلہ سرکار پانی کا جگ اور کٹورا لئے باہر تشریف لائے اور فرمایا "مرزا شمع بیگ بہت پیاس لگ رہی ہے یہ لو پانی اور اپنے پاس رکھ لو"۔ اب تو میں حیران و پریشان سوچنے لگا کہ مرشد کامل کو کس طرح اپنے مریدوں کی ضروریات کا از خود علم ہو جاتا ہے۔

اگلی صبح ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا مرزا شمع بیگ کے ہمراہ میں کیتھل کے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دینے گیا۔ واپسی پر مٹھائی کی دکان کے سامنے سے گزر ہوا سلیقے سے سجی ہوئی دکان اور صاف ستھری مٹھائی دیکھ کر طبیعت للچا گئی۔ مرزا صاحب سے کہا کہ شام کو یہاں آکر مٹھائی کھائیں گے۔ دن گزر گیا مغرب کی نماز پڑھنے لگے تو مٹھائی کا خیال آ گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر مرزا صاحب نے کہا کہ "یہاں تو درویشں کا لنگر ہے۔ دیکھیے کب کھانا ملے۔ چلو بازار چل کر مٹھائی کھاتے ہیں"۔ جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ قبلہ سرکار کے چھوٹے صاحب زادے خوان اٹھائے آرہے ہیں۔ خلاف معمول وقت سے پہلے کھانا دیکھ کر مرزا صاحب کہنے لگے۔ "حضور آج اتنی جلدی کھانا لے آئے"۔ صاحبزادہ نے معصومانہ انداز میں کہا " وظائف کے دوران قبلہ سرکار نے فرمایا تھا۔ "حافظ صاحب کو بھوک لگی

ہے جلدی کھانا پہنچا دو"۔ ہم دونوں کھانا کھانے بیٹھے تو دیکھا دو پلیٹوں میں سالن اور پیالیوں میں فرنی تھی ساتھ کچھ چپاتیاں ۔ میں ان دنوں بہت تنومند، اچھا خاصا کھانے پینے والا جوان تھا ۔ وہ کھانا بہت کم لگا۔ اس لئے فوراً ہی کہہ اُٹھا "بھئی یہ کیا کھانا ہے۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ ۔ یہ سالن تو چند لقموں میں ختم ہو جائے گا"۔ یہ بات مرزا شمع بیگ سے کی تو وہ بڑے جوش سے بولے "میں تمہیں پٹھان تب سمجھوں گا جب تم یہ سالن ختم کر کے دکھاؤ گے"۔ میں اِترا کر بولا "ابھی لو"۔ پھر بڑے بڑے نوالے اور زیادہ سے زیادہ سالن کھانے لگا ۔ روٹی پر روٹی کھاتا رہا مگر سالن اتنے کا اتنا ہی ۔ناچار شوربہ پینا پڑا ۔ اسی طرح فرنی ختم کرنی مشکل ہوگئی ۔ دل ہی دل میں بڑا پریشان ہوا اور عہد کیا اب کوئی غلط خیال یا وسوسہ دل میں نہ آنے دوں گا ۔قبلہ سرکار پر میرا اعتقاد پختہ ہوگیا پھر ہر مشکل وقت پر بفضلِ خدا قبلہ سرکار نے میری مدد کی۔ آپ کی دعا سے سسرال والوں نے بیوی کو ہانسی میرے پاس بھیج دیا ۔ پاکستان آنے کے بعد بھی کئی بار مالی مشکلات نے گھیرا مگر ہر بار میری امداد ہوئی"۔

قبلہ سرکار کے ایک معتقد راؤ محمد سلیمان روحانیت کے قائل نہ تھے اور نہ ہی بزرگوں کی فضیلت کو مانتے تھے ۔بچپن سے والد کے چچازاد بھائی حافظ اشرف علی کے زیرِ تربیت رہے وہ بڑے عابد اور زاہد تھے ان کی تربیت کا اثر تھا کہ راؤ صاحب بچپن سے نماز کے پابند تھے سورۃ یٰسین بہت پڑھتے تھے ۔سورۃ مزمّل کے عامل تھے مگر دوران ملازمت انگریز افسروں سے میل جول بڑھا تو نماز میں باقاعدگی نہ رہی ۔کہتے تھے کہ جب تک کرامت نہ دیکھ لوں میں بزرگوں کو نہیں مانوں گا ۔آپ کے کوئی عقیدت مند راؤ صاحب کو لے کر قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔نماز کا وقت ہوگیا سرکار نے فرمایا " راؤ صاحب آیئے نماز پڑھ لیں"۔ راؤ صاحب نے جواب دیا۔ "آپ کون سا خانہ کعبہ میں نماز پڑھا دیں گے"۔ یہ جواب دیا اور وہیں گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر سو

گئے خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شیر انہیں اٹھا کر خانہ کعبہ لے گیا وہاں بہت سے لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ راؤ صاحب نے ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ قبلہ سرکار نے ان سے فرمایا۔ "کیا ابھی بھی شک ہے"۔

راؤ صاحب دیانت دار ایکسائز افسر تھے۔ رشوت نہیں لیتے تھے البتہ اگر کوئی از خود پھل وغیرہ لے آتا تو قبول کر لیتے مگر آپ کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ اگر کبھی کوئی مشتبہ چیز لے لیتے تو خواب میں ہی تنبیہہ ہو جاتی۔ راؤ صاحب کے بڑے صاحبزادے عمر سلیمان بی اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے تو اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن بھیجنے کا ارادہ کیا۔ مگر جتنی رقم کی ضرورت تھی وہ ان کے پاس نہ تھی۔ شراب کے ایک ٹھیکیدار سے صرف دس ہزار کا چیک مستعار لیا۔ مگر ان کے بیٹے نے بیرون ملک جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا اور لاہور میں ہی داخلہ لے لیا۔ چیک کی اگرچہ ضرورت نہ تھی لیکن راؤ صاحب نے چیک واپس کرنا ضروری نہ سمجھا۔ اسی دوران وہ سخت بیمار ہو گئے۔ بچنے کی امید نہ رہی۔ بیماری کی حالت میں انہوں نے خواب دیکھا کہ قبلہ سرکار نے انہیں خون سے بھرا ہوا پیالہ پینے کو دیا۔ راؤ صاحب نے عرض کی "اسے کوئی پی سکتا ہے"۔ آپ نے فرمایا "جب دس ہزار کا چیک ہضم کیا جا سکتا ہے تو یہ پیالہ کیوں نہیں پیا جا سکتا"۔ راؤ صاحب نے صبح ہوتے ہی وہ چیک واپس کیا اس کے بعد وہ بالکل صحت یاب ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد راؤ محمد سلیمان حضرت بابا گنج شکرؒ کے دربار میں عرس پر حاضر ہوئے وہاں کسی واقف کار نے کچھ مٹھائی انہیں بطور تحفہ دی۔ ان کے بچّوں نے وہ مٹھائی کھا لی۔ رات کو راؤ صاحب نے خواب دیکھا کہ ان کے گلے میں بال پھنسے ہوئے ہیں جو سخت تکلیف دے رہے ہیں۔ اسی وقت خواب میں آپ نظر آئے اور فرمایا "راؤ صاحب آپ اتنی مبارک تقریب پر گئے تھے تو یہ مٹھائی لینی ضروری تھی"۔ خواب میں ہی

توبہ کی اور دیکھا بال حلق سے نکل گئے ہیں۔ بیدار ہوئے تو پھر سچی توبہ کی آئندہ کسی سے کوئی ایسی چیز نہیں لیں گے۔ جو رزق حلال نہ ہو۔

ڈی جی خاں کے نامور عالم دین شیخ الاسلام مولانا فضل حق قریشی کے فرزند مولانا احمد حسن[۱] خطیب جامع مسجد نعمانیہ دوست احباب سے قبلہ سرکار کے متعلق سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ مگر جیسے ہی آپ کی محفل میں قدم رکھا آپ کو حقہ پیتے دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے۔ معانقہ کے بعد تھوڑی دیر رسمی گفتگو کی۔ لیکن حقہ کی وجہ سے متاثر نہ ہوئے۔ دل ہی دل میں افسوس کیا کہ یہاں فضول ہی آئے۔ چنانچہ جلد ہی جانے کی اجازت چاہی۔ قبلہ سرکار نے خادم نیاز کو ان کے پیچھے بھیجا یہ ابھی گول باغ سے آگے نہیں گئے تھے کہ نیاز نے انہیں جالیا اور قریب پہنچ کر کہا مولانا قبلہ سرکار فرماتے ہیں۔ "فقیر کے ظاہر کو نہیں دیکھا کرتے"۔ اس کے علاوہ ایک ایسی بات کہی جسے صرف مولانا ہی سمجھتے تھے۔ اب تو مولانا اپنی غلط سوچ پر بہت ہی نادم ہوئے۔ آکر قبلہ سرکار سے معذرت چاہی اور اکثر حاضری دینے لگے۔ گھنٹوں آپ کی خدمت میں رہتے اور اپنے دوست احباب سے کہا کرتے۔ "اگر کسی کو مرد کامل کی تلاش ہے اطمینان قلب اور روحانی جستجو ہے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو"۔

صوفی اللہ بخش محمودی سلیمانی کو حقہ سے نفرت تھی آپ کی بزرگی کا شہرہ سن کر حاضر خدمت ہوئے آپ کو حقہ پیتے دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے۔ فوراً حقہ نوشی کی مذمت کرنے لگے۔ حقہ کے خلاف بہت کچھ کہا۔ مدلل باتیں کیں۔ آپ بڑے تحمل اور بردباری سے سنتے رہے۔ جب صوفی صاحب جانے لگے تو انہیں احساس ہوا اور رسمی طور پر معذرت کی آپ نے فرمایا "صوفی صاحب آپ اس کے چھوٹ جانے کی دعا کریں"۔ اس رات

۱۔ چیئرمین عشر و زکواۃ۔

کوشش کے باوجود حافظ صاحب جلدی نہ سو سکے کافی رات گئے ذرا آنکھ لگی تو خواب میں اپنے پیر عارف کامل حضرت خواجہ محمود تونسوی رح کو دیکھا۔ جنہوں نے ذرا درشتی سے فرمایا کہ "احمد بخش آج تم نے بڑا ظلم کیا تمہیں معلوم نہیں وہ کس پایہ کے بزرگ ہیں جاؤ اور ان سے معافی مانگو۔" صوفی صاحب نے اپنے مرشد کو غصے کے عالم میں دیکھا تو بہت پریشان ہوئے۔ اور نماز فجر کے بعد آپ کے دولت کدہ پر گلے میں پٹکا ڈال کر نہایت عاجزی سے حاضر ہوئے۔ قصور کی معافی چاہی آپ نے خندہ پیشانی سے دلجوئی کی۔

مرکزی جامع مسجد ڈیرہ غازی خان کے خطیب مولانا غلام جہانیاں کا قبلہ سرکار سے بڑا گہرا قلبی ربط وضبط رہا۔ روحانی محفلیں بھی جمتیں۔ مولانا کو خطابت میں کمال حاصل تھا۔ آپ کو ڈیرہ غازی خان رہائش پذیر ہوئے دوسرا سال تھا۔ گیارہویں شریف کے موقع پر دوران تقریر مولانا نے حقہ نوشی کی بڑی مذمت کی۔ محفل برخاست ہونے پر جب گھر پہنچے تو پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ ہر قسم کے علاج کئے مگر کسی دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹر غلام فرید صاحب (ڈیرہ کے معروف طبیب اور خواجہ نظام الدین تونسوی کے ارادت مند) نے علاج کے طور پر حقہ نوشی تجویز کی۔ چنانچہ مولانا نے حقہ پینا شروع کر دیا۔ صرف کھانے کے بعد ہی حقہ پینے سے تکلیف رفع ہو گئی۔ ان ہی دنوں مولانا نے اپنے عزیز شاگرد کی معرفت آپ سے حقہ کی فرمائش کی۔ قبلہ سرکار نے نہ صرف یہ کہ حقہ کی فرمائش پوری کر دی بلکہ دو تین سال بعد حقہ بوسیدہ ہو جاتا تو نیا حقہ بطور تحفہ مولانا کے پاس بھجوا لیتے۔ آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف بھی ان کو حاصل ہوا۔ تا حیات عرس میں شریک ہوتے رہے۔

شبراتی گوجر کے اولاد نہیں تھی اس نے بہت علاج معالجہ کیا۔ حکیم آفتاب صاحب بطور سفارش اسے لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ شبراتی نے اپنا مدعا بیان کیا اور دعا کا

طالب ہوا۔ آپ نے اس کی بات سن کر حقہ تازہ کرنے کا حکم دیا۔ آستانہ عالیہ پر کوئی نووارد آتا تو آپ حقہ تازہ کرنے کو کہتے۔ وہ تازہ کر کے لاتا تو دیکھتے کہ چلم صحیح بھری ہے یا نہیں پانی کم یا زیادہ تو نہیں۔ چنانچہ کئی لوگ حقہ صحیح بھرنے پر ہی دل کی مراد پا جاتے۔ شبراتی بھی ان ہی خوش نصیبوں میں سے تھا۔ وہ حقہ تازہ کر کے لایا تو آپ نے فرمایا "تم پہلی بار ہی پاس ہو گئے ہو"۔ پھر اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے شبراتی کی دیرینہ آرزو پوری کی اور وہ صاحب اولاد ہوا۔ آپ مستجاب الدعوات اور صاحب کرامت تھے۔

حکیم آفتاب سیلانی طبیعت کے مالک تھے۔ گھر سے نکلتے تو ڈھونڈنا مشکل تھا ویسے مریضوں کو جو نسخہ دیتے مجرب ہوتا۔ اس لئے شہر میں ہر لعزیز تھے۔ لیکن یکسوئی سے کبھی مطب میں نہ بیٹھتے اور لوگ تلاش میں قبلہ سرکار کے پاس پہنچ جاتے۔ اور حکیم صاحب کو موجود پاتے۔ حکیم صاحب کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ ایک دن حکیم آفتاب سو رہے تھے کہ نیم شب میں قلب کی پھڑپھڑاہٹ سے گھبرا کر بیدار ہو گئے۔ اوّل اول احتمال ہوا کہ دل کی دھڑکن ہے لیکن کچھ دیر بعد سمجھ گئے کہ یہ بیماری نہیں بلکہ قبلہ سرکار کی باطنی توجہ کا اثر ہے۔ چندے وہ کیفیت برقرار رہی پھر کیفیت معمول پر آ گئی اور حکیم صاحب پر سکون لیٹ گئے۔ صبح بیدار ہونے پر خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ حکیم صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے حکیم صاحب نے بڑی انکساری سے عرض کیا کہ "میں ان نوازشات کا متحمل نہیں۔ مجھے صرف آپ کی نظر التفات کافی ہے۔"

مرزا شمع بیگ صاحب نے قبلہ سرکار کی بہت سی کرامتیں بیان کی ہیں اگرچہ ان کا آپ کی خدمت میں پہنچنا ہی کرامت ہے لیکن خدمت میں حاضر ہونے کے بعد انہوں نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا وہ روح کی تسکین اور طمانیت قلب کے لئے کافی ہے۔

مرزا شمع بیگ کا بیان ہے کہ "ابھی وہ تیرہ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ عزیز رشتہ داروں نے کم سنی میں ان کا سہارا بننے کی بجائے ان سے منہ پھیر لیا

برے بھلے کی تمیز نہ تھی۔ اس لئے شمع بیگ نے فضول خرچیوں میں خوب روپیہ اڑایا۔ اور نوبت قرض تک آ گئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک نومسلم خدا بخش کے پاس زمین رہن رکھ کر قرض لیا۔ اصل رقم پر سود بڑھتا گیا تو خدا بخش نے رقم کی وصولی کے لئے ان پر مقدمہ کر دیا انہوں نے سود چھڑانے کے لئے خدا بخش پر مقدمہ دائر کر دیا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مرزا صاحب کے رشتہ دار بھی خدا بخش کے طرف دار تھے عدالت میں مرزا صاحب کی آخری پیشی تھی لیکن انہیں کوئی گواہ نہیں مل رہا تھا اس لئے وہ پیشی پر نہ گئے۔ ان دنوں قبلہ سرکار رہتک میں تشریف لائے ہوئے تھے چنانچہ مرزا صاحب عدالت جانے کی بجائے رہتک میں قبلہ سرکار کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ نے پوچھا کہ کل عدالت میں پیشی ہے انہوں نے جواب دیا کہ "آخری پیشی ہے میرا کوئی گواہ نہیں۔ میں وہاں جا کر کیا کروں گا"۔ قبلہ سرکار نے فرمایا "تم تھانیدار ہو تمہیں کون ہرا سکتا ہے"۔ آپ نے تعویذ عنایت کیا وہ تعویذ لے کر حصار آ گئے۔ جہاں مقدمہ چل رہا تھا۔ لیکن جج کو اس دن حصار سے باہر جانا پڑا اور مقدمہ عدالت میں پیش نہ ہو سکا۔ چنانچہ فریقین عدالت میں اکھٹے ہوئے کہ آپس میں صلح ہو جائے۔ مرزا صاحب کی شرط یہ تھی کہ سود کے علاوہ خدا بخش نے زمین سے جو آمدنی کھائی ہے۔ اس رقم کی بھی اصل رقم سے کٹوتی کی جائے۔ منصفین نے یہ فیصلہ کیا کہ تم صرف تین ہزار کی رقم ادا کر دو۔ اور رقم واپس کرنے کے لئے مرزا صاحب کو صرف ایک ماہ کی مہلت دی۔ مرزا صاحب سخت پریشان تھے کہ تین ہزار کہاں سے لاؤں، کیسے بندوبست ہو گا۔ مقدمے چل رہے ہیں۔ زمین رہن ہے۔ اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے۔ یہ کیتھل گئے قبلہ سرکار سے اپنی مشکل بیان کی آپ نے تسلی دی۔ ایک دن وہ پریشانی کے عالم میں اکیلے بیٹھے تھے کہ ایک ہندو عورت نے جو ساہوکار کی بیوی تھی ان سے پوچھا "بیٹا کیا بات ہے۔ اتنے پریشان کیوں ہو"۔ انہوں نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ اس عورت نے کہا "پریشان نہ ہو۔ پیسے میں ابھی لا کر دیتی ہوں"۔ اس نے تین ہزار

روپے مرزا صاحب کے حوالے کیئے۔ جو انہوں نے ادا کر دیئے اور زمین چھوٹ گئی مرزا صاحب نے یہ واقعہ سنا کر یہ مصرعہ پڑھا۔

ع اس دریا کی روانی میں رواں ہے کوئی اور

مرزا صاحب نے مزید بتایا کہ "حسین شہید سہروردی کے دوست ہادی صاحب کی کراچی میں ۸۰ دکانیں تھیں۔ ہادی صاحب کو اپنی زمین فروخت کرنا تھی انہوں نے اخبار میں اشتہار دیا تو میری نظر سے بھی گزرا۔ میں ہادی صاحب کے پاس زمین کا سودا کرنے کراچی گیا۔ ہادی صاحب کے کارندوں نے آپس میں ملی بھگت کر رکھی تھی چنانچہ انہوں نے ہادی صاحب سے بالا بالا لوگوں سے ۳۵ ہزار فی مربع کے حساب سے زمین کا سودا کر لیا اور انہیں بتایا کہ ۱۴ ہزار فی مربع کے حساب سے زمین بک رہی ہے۔ اس دوران میں بھی ہادی صاحب کے پاس گیا ہادی صاحب نے ۱۹ ہزار فی مربع کے حساب سے سودا کر لیا۔ اب تو کاردار گھبرائے اور کہنے لگے کہ ۲۵ ہزار فی مربع کے حساب سے زمین بک رہی ہے۔ مگر ہادی صاحب نے جواب دیا کہ ان کی شکل میرے والد صاحب سے ملتی ہے۔ اس لیئے ان کے سوا زمین کسی کو نہ دوں گا۔ وہ لوگ جن کے ہاتھ کارندوں نے سودا کیا تھا۔ آن پہنچے، اور ۳۵ ہزار فی مربع دینے کی پیشکش کی۔ لیکن ہادی صاحب کا ایک ہی جواب تھا۔ کہ یہ تو میرے والد کی طرح ہیں میں نے اپنے والد کو زمین دی ہے۔ اس لیئے ان کے سوا کسی کو زمین نہ دوں گا میرے پاس رقم بھی کم تھی لیکن ہادی صاحب نے کمال فراخدلی سے کہا کہ کوئی بات نہیں جب رقم ہوگی بقایا ادا کر دینا چنانچہ میں نے آہستہ آہستہ رقم ادا کر دی یہ مرشد کامل کا تصرف تھا۔"

مرزا صاحب نے قبلہ سرکار کی اور کرامتیں بھی بیان کی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ قبلہ سرکار سے بیعت ہونے کے بعد میری حالت یکسر بدل چکی تھی لیکن چند لوگوں کے

کے سوا کسی کو اس تبدیلی کا علم نہ تھا۔ اس لئے لوگ مجھے بگڑا ہوا رئیس زادہ ہی سمجھتے
تھے اور اپنے بچوں کو میری صحبت سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ دیوان منہاج الاسلام
کے صاحبزادے بدرالاسلام کا میرے پاس اٹھنا بیٹھنا تھا وہ مجھ سے بے حد مانوس
تھے ان کا زیادہ وقت میرے پاس گزرتا۔

صاحبزادہ بدرالاسلام کا تعلق حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے محبوب خلیفہ حضرت
خواجہ قطب جمال ہانسویؒ سے تھا۔ بدرالاسلام ہانسی موجودہ سجادہ نشین کے عم زادہ ہیں۔
بدرالاسلام کو ان کی نانی جو خود بڑی صالحہ اور عارفہ خاتون تھیں میرے پاس بھیجتی تھیں
لیکن خاندان کے دیگر افراد کو بدرالسلام کا میرے پاس آنا جانا پسند نہ تھا چنانچہ ایک
روز صاحبزادہ صاحب بدرالاسلام میرے ہمراہ قلعہ پر خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ بدرالاسلام
کے رشتہ داروں نے ڈنڈوں سے مسلح آدمی مجھ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے۔ ان آدمیوں
سے ڈر کر بدرالاسلام میرے کندھوں پر چڑھ گئے۔ میں نے اس سے کہا کہ "میں قبلہ
سرکار کا تصوّر کرتا ہوں تم بھی ان کا ہی تصوّر کرو"۔ چنانچہ ہم دونوں تصوّر کرکے بیٹھ
گئے چنانچہ آپ کے تصور کی برکت سے ان حملہ آوروں کو ہم خانقاہ میں بیٹھے ہوئے
نظر ہی نہ آئے اور وہ لوگ واپس چلے گئے۔

مرزا شمع بیگ کے بھائی چراغ بیگ فوج میں ملازم تھے۔ دوسری جنگ عظیم
کے دوران جاپان میں قید ہوگئے۔ گھر والوں کو ان کے متعلق کچھ علم نہ تھا کہ زندہ ہیں
یا نہیں۔ اگر زندہ ہیں تو کس حال میں ہیں۔ سب گھر والے ان کے بارے میں متفکر تھے
مرزا صاحب نے قبلہ سرکار سے عرض کی کہ "میرے بھائی کے بارے میں کچھ بتایئے وہ
کس حال میں ہے۔ زندہ بھی ہے یا نہیں"؟ آپ نے فرمایا کہ "وہ زندہ ہے"۔ کچھ عرصہ
بعد پھر انہوں نے بھائی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ "اب وہ زندہ نہیں، انہیں نمونیہ
ہوگیا تھا"۔ کچھ سال بعد جاپانیوں کی قید سے جب فوجی رہا ہوکر واپس آئے تو مرزا

چراغ بیگ کے ساتھ جو لوگ قید میں تھے ۔ انہوں نے بتایا کہ مرزا چراغ بیگ کو نمونیہ ہو گیا تھا اسی مرض میں ان کا انتقال ہو گیا۔

شیخ محمد اسماعیل ہڈیوں کے بیوپاری تھے ان کا وسیع کاروبار تھا یہ جہاں کاروبار کرتے تھے وہ جگہ مشترکہ تھی ۔ دوسرے حصہ دار یہ جگہ خالی کرانا چاہتے تھے انہوں نے پنچائیت کے سامنے بھی یہ معاملہ رکھا۔ مقدمہ بھی ہوا مگر شیخ صاحب نے جگہ خالی نہ کی۔ حصہ داروں نے یہ سوچ کر کہ شیخ صاحب نے نہ پنچائیت کے فیصلے پر عمل کیا نہ ہی مقدمہ بازی سے زمین چھوڑی ہے انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ اور قبل از وقت مقدمہ پر خرچ کرنے کے لئے دس ہزار روپیہ بھی جمع کر لیا اور شیخ صاحب کو قتل کرنے کے لئے دن اور وقت بھی مقرر کر لیا یہ تمام کاروائی بالکل خفیہ تھی لیکن شیخ صاحب کے بھانجے حافظ نور احمد جو چونگی میں محرر تھے ان خفیہ کاروائیوں سے واقف تھے انہوں نے شیخ صاحب اور ان کے بھائیوں کو اس منصوبے کی خبر دے دی۔

شیخ اسماعیل نے ایک ملازم کو قبلہ سرکار کی خدمت میں صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لئے بھیجا آپ نے فرمایا کہ ”گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے جب کوئی قتل کرنے کے لئے آئے گا تو ہم دیکھ لیں گے“۔ قبلہ سرکار کے اس فرمان نے شیخ صاحب کو پوری طرح مطمئن کر دیا۔ آخر وہ دن بھی آن پہنچا جب ان لوگوں کو حملہ کرنا تھا۔ آدھی رات کے وقت گاؤں کے ۸۰ افراد جتھے کی صورت میں قتل کے ارادے سے اس باہر والے مکان میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب تو اطمینان سے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ شیر پر سوار ہاتھ میں شمشیر برہنہ لئے چارپائی کے اردگرد پھر رہے ہیں حملہ آوروں میں کچھ لوگوں نے سوچا کہ اس علاقہ میں شیر کہاں۔ یہ محض ہمارا واہمہ ہے۔ چنانچہ ہمت کر کے آگے بڑھنا چاہا۔ شیر زور سے دہاڑا اور ان کی جانب

پٹکا۔ پھر تو سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگے اور اس سازش کے اصل سرغنوں کے پاس جاکر دم لیا۔ جو کچھ ان پر بیتی تھی کہہ سنائی، مگر انہیں یقین نہ آیا۔

اگلے دن رات گیارہ بجے پھر یہ سب مل کر اسی نیت سے مکان میں گئے اب کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب تو سو رہے ہیں اور ایک بزرگ ہاتھی پر سوار ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ آگے بڑھے ہی تھے کہ ہاتھی اِن کی جانب زور سے چنگھاڑا تو یہ لوگ وہاں سے بھاگے اور گھر پہنچ کر دم لیا۔ جب انہوں نے اس سازش کے سرغنہ کو واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ تم سب لوگ بزدل ہو اور جھوٹے افسانے گھڑ کر سنا رہے ہو۔ کل ہم خود چلیں گے۔ چنانچہ اگلی رات ساٹھ ستّر آدمی سرداروں کے پیچھے پیچھے باہر والے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ شیخ صاحب آرام سے سوئے ہیں اور ایک بزرگ شیر پر سوار ہاتھ میں تلوار لئے ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ وہ مسلح تھے اس لئے بے خوف وخطر شیخ صاحب کے قتل کو آگے بڑھے۔ چند قدم چلے ہوں گے کہ شیر دھاڑ کر ان کی جانب بڑھا پھر تو ان کے اوسان خطا ہوئے اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگے۔

اب سب کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ شیخ صاحب کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور توبہ کی۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ گذشتہ تین راتوں کے واقعات کا شیخ صاحب کو مطلق علم نہ تھا۔ شیر کی دھاڑ اور ہاتھی کی چنگھاڑ ان کو سنائی نہ دی۔ وہ سوئے رہے۔ بلکہ شیخ صاحب کو ان باتوں کا یقین ہی نہ آیا۔ وہ یہی کہتے رہے کہ ان لوگوں نے تو قتل کرنے کی محض دھمکی دی تھی۔ قتل کرنے کی ان میں جرأت کہاں تھی۔ یہ تمام واقعات حافظ نور احمد نے اپنے دوست شہاب الدین کو بتائے تو شہاب الدین نے حافظ نور احمد سے بزرگ کا حلیہ پوچھا۔ محرر نے جو حلیہ بتلایا وہ ہو بہو قبلہ سرکار کا تھا۔ حافظ شہاب الدین چونکہ میاں صاحب کی زیارت کر چکے تھے۔ اس لئے بے ساختہ کہہ اٹھے کہ "یہ حلیہ

توکیتھل والے میاں قبلہ سرکار صاحب کا ہے۔" حافظ نور احمد محرّر چونگی کہنے لگا کہ "اس زمانے میں اس قسم کے بزرگ کہاں ملتے ہیں"۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق کرنے کیلئے حافظ شہاب الدین حافظ نور احمد کو قبلہ سرکار کی خدمت میں لے گئے۔ حافظ نور احمد نے قبلہ سرکار کو سامنے تخت پر رونق افروز دیکھا تو بے ساختہ بول اُٹھے یہی وہ بزرگ ہیں جو ہمیں روزانہ ہر رات دکھائی دیتے تھے۔ حافظ شہاب الدین نے حافظ نور احمد کو بتایا کہ یہی درویش شیخ صاحب کے مرشد ہیں۔

جام پور سے ملک نیاز احمد آڑھتی نے لکھا کہ میری عمر دس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ جب رہتک میں قبلہ سرکار کا مرید ہوا۔ تقسیم برصغیر کے بعد ہمارا خاندان (جو آٹھ افراد والد، والدہ، چار بھائی، دو بہنوں) پر مشتمل تھا۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آگیا۔ ۱۹۵۰ء میں سخت بیمار ہوگیا۔ بہت علاج کیا مگر مرض بڑھتا ہی گیا۔ اسی بیماری میں ایک سال گزر گیا۔ سردی کا موسم آیا تو نمونیہ ہوگیا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں۔ سب عزیز و اقارب جمع ہوگئے عزیز رشتہ دار عورتیں مایوسی کے عالم میں میری چارپائی کے نزدیک بیٹھی رو رہی تھیں اسی دوران میرے ایک عزیز جو میرے پیر بھائی تھے، آگئے۔ رات نو بجے اُٹھ کر وہ گئے اور رات کے ڈھائی یا تین بجے دوبارہ آئے۔ پانی سے بھرا گلاس ان کے ہاتھ میں تھا میری چارپائی کے قریب آئے۔ تاکہ پانی کے چند قطرے میرے منہ میں ٹپکائیں پاس بیٹھی خواتین روکتی رہیں کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ اب نہ تو کوئی دوا پی سکتا ہے نہ پانی کا کوئی قطرہ اس کے اندر جا سکتا ہے۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ سنی اور میرے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر پیٹ پسلیوں اور منہ پر پانی کی مالش کی۔ پھر منہ کھول کر پانی کے چند قطرے منہ میں ٹپکائے۔ چند قطرے اندر گئے باقی پانی باہر بہہ گیا۔

خدا گواہ ہے کہ پانچ منٹ بعد تمام جسم میں خون سرائیت کرنے لگا آنکھیں کھل

گئیں مکمل طور پر ہوش آگیا۔ میں نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا تو مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا گیا۔ اب تو سب کو حیرت ہوئی اس عزیز سے حقیقت حال پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ

"رات کے نو بجے جب میں یہاں سے اُٹھ کر گیا تو کسی شخص نے بتایا کہ قبلہ سرکار ملتان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ میں کافی رات گئے ان کی خدمت میں پہنچا۔ آپ وظائف پڑھ رہے تھے۔ میں نے بتایا کہ نیاز احمد کے بچنے کی کوئی امید نہیں آپ نے ساری بات سنی مگر خاموش رہے۔ اور وظیفہ کرتے رہے۔ وظیفہ کے بعد آپ نے ساری تہجد کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر پانی منگوا کر دم کر کے دیا اور فرمایا "یہ پانی اسی وقت لے جاؤ اور نیاز احمد کے جسم اور ہونٹوں پر مل دو۔ صبح انشاءاللہ خود اپنے پاؤں چل کر ہمارے پاس آئے گا"۔ یہ قبلہ سرکار کا دم کیا ہوا پانی تھا جو میں لے کر آیا تھا" پاس بیٹھے سب لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے کہ جسے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا اُسے ایک مرد خدا نے پانی دم کر کے دیا تو وہ بستر مرگ سے اُٹھ بیٹھا۔ یہ ایک کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلہ سرکار سے ظہور میں آئی۔ صبح میں قبلہ سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ آپ مسکرائے مجھے پاس بٹھایا تسلی دی پھر میرے سر اور جسم پر ہاتھ پھیرا۔ تو میری آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی اور جسم میں بڑی توانائی محسوس ہوئی۔

صحت یابی کے بعد روزگار کی فکر لاحق ہوئی۔ اس بیماری نے ہمیں بالکل قلاش کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے قبلہ سرکار سے عرض کی کہ "سرکار میری بیماری پر بڑا پیسہ خرچ ہوا۔ جمع پونجی ختم ہو گئی۔ زیور تک بک گیا۔ اب تو گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ میں بڑا مجبور اور پریشان ہوں۔ میرے حق میں دعا فرمائیں"۔ قبلہ سرکار نے مجھے ایک تعویذ دیا اور دعا فرمائی۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی کہ گھر پہنچ سکوں۔ اللہ

کا نام لے کر پیدل ہی چل پڑا۔ راستہ میں ایک واقف کار مل گیا وہ کہنے لگا" میں
بارات کے ساتھ لائل پور جا رہا ہوں یہ آٹھ سو روپیہ ہے میرے گھر پہنچا دینا۔"
ساتھ ہی دو روپے تانگہ کا کرایہ دیا۔ میرے پاس چونکہ ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ اس
لئے سرسری سا انکار کرنے کے بعد دو روپے بھی لے لئے۔ ابھی میں وہیں بیٹھا تھا
کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا" میرے پاس یہ بکاؤ مال ہے خریدنا
چاہو تو خرید لو۔" میں نے آٹھ سو روپے سے سودا طے کر لیا۔ دوسرے دن میں
نے وہ سامان گیارہ سو میں ایک دکاندار کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس طرح اب اس رقم
سے میں نے اور مال خریدا جس سے کافی نفع ہوا۔ اس طرح تین دن تک میں نے
خرید وفروخت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب میرے پاس آٹھ سو کی بجائے چودہ سو
پچاس روپے ہو گئے۔ تیسرے دن وہ شخص جس کی رقم تھی واپس آگیا۔ میں نے
اسے ساری بات بتائی۔ اپنی مجبوری بیان کی۔ اور اصل رقم مع منافع جس میں سے
ایک سو روپیہ میں خرچ کر چکا تھا۔ اس کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ تمہاری
دی ہوئی اس رقم سے میں نے یہ منافع کمایا ہے۔ اس لئے جتنی رقم چاہو اس میں
سے لے لو۔ اس نے اصل رقم کے علاوہ ایک سو روپیہ لے لیا۔ اب جو رقم میرے پاس
تھی اس سے میں کاروبار کرتا رہا۔ مالی حالات بہت سدھر گئے۔

تین سال گزر گئے۔ گھر میں آسودہ حالی تھی۔ صحت بھی بالکل ٹھیک تھی
ہر طرح کا آرام وسکون اور بے فکری تھی۔ ان تین سالوں میں دنیاوی کاموں میں
ایسا مگن رہا کہ قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ اب پھر مالی بحران نے آگھیرا
کاروبار میں کافی نقصان ہوا پھر سے جیب میں ایک پھوٹی کوڑی نہ رہی۔ اسی دوران
والدہ سے جھگڑا ہو گیا۔ اور میں گھر چھوڑ کر جام پور اپنے ماموں کے پاس آگیا انہوں
نے مجھے سبزی کی دکان کھلوا دی۔ لیکن کاروبار نفع بخش ثابت نہ ہوا۔ مالی مشکلات

بدستور رہیں چنانچہ قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ناگفتہ بہ حالت گوش گزار کی۔
آپ نے ایک تعویذ دیا اور تسلی دی کہ خدا بہت زرق دے گا۔ انشاءاللہ روزی کشادہ
ہو جائے گی۔ چنانچہ خدا نے بہت فارغ البالی دی جام پور کے بڑے تاجروں میں شمار
ہونے لگا۔

قبلہ سرکار کی ایک خاتون مریدہ بیگم تاج محمد نے چند کرامات لکھ کر بھیجی ہیں جن کا
ذکر ان کے مرحوم شوہر تاج محمد[۱] (جو خود بھی قبلہ سرکارؒ کے مرید تھے۔) نے ان سے کیا۔
حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کے عرس میں قبلہ سرکار شریک ہوئے تاج محمد
بھی عرس میں شرکت کے لئے کرنال سے پہنچ گئے۔ اگلے دن تاج محمد کو ڈیوٹی پر حاضر ہونے
کے لئے کورکشیتر سے گاڑی پکڑنا تھی کیونکہ تھانیسر میں ریلوے سٹیشن نہ تھا۔ کورکشیتر
پہنچنے کے لئے لوگ تانگہ یا بیل گاڑی میں سفر کرتے۔ قبلہ سرکارؒ نے تاج محمد کو رات کے
وقت اکیلے سفر کرنے سے منع کیا۔ انہوں نے ملازمت کی مجبوری بیان کی۔ اور پیدل ہی ہاتھ میں ایک
ڈنڈا اور لالٹین لے کر چل پڑے۔ کھیتوں کے درمیان سے گزرے تو رکھوالوں نے چور
سمجھ کر پٹائی شروع کر دی۔ ان کے یقین دلانے کے بعد (کہ انہیں گاڑی پکڑنی ہے
اس لئے رات کو جا رہے ہیں) بڑی مشکل سے ان کو چھوڑا۔ اگرچہ ان لوگوں نے بے
اندازہ ڈنڈے برسائے تھے۔ لیکن تاج محمد کو بالکل کوئی چوٹ نہ لگی۔ ان لوگوں سے
چھوٹ کر تاج محمد نے سٹیشن کی راہ لی۔ راستے میں ان کو محسوس ہوا کہ کوئی ساتھ ساتھ
چل رہا ہے۔ گاڑی میں سوار ہونے کے بعد وہ ساتھ ساتھ چلنے والی آہٹ بند ہو گئی۔ گھر
پہنچنے کے لئے تانگہ پر سوار ہوئے تو پھر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ بالآخر تاج محمد

۱۔ تاج محمد ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر انبالہ کے نذر محمد صاحب وکیل کے لڑکے تھے تاج محمد
ملازمت کے دوران تین دفعہ کیتھل تبدیل ہوئے۔

گھر پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا "اس روز خیریت سے گھر پہنچ گئے تھے"۔ تاج محمد نے سارا واقعہ کہہ سنایا تو مسکرا کر فرمانے لگے۔ "آئندہ کبھی رات کو تنہا سفر نہ کرنا"۔

تاج محمد کو جن دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اپنے اس شوق کا اظہار انہوں نے قبلہ سرکار سے بھی کیا۔

تاج محمد کیتھل میں ہی تعینات تھے کہ ایک دن کافی رات گئے تک قبلہ سرکار کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ خاصی رات گئے گھر جانے کو چلے تو سارا بازار بند ہو چکا تھا لیکن ایک دکان کھلی تھی۔ تاج محمد نے دیکھا کہ دو آدمیوں نے حلوائی سے ڈھیر سارے لڈو خریدے اور چل دیئے۔ تاج محمد کو تجسس ہوا کہ اتنی رات گئے یہ آدمی مٹھائی لے کر کہاں جا رہے ہیں چنانچہ وہ ان سے کچھ فاصلے پر پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ کیتھل شہر کے چاروں طرف فصیل تھی۔ اس میں بڑے بڑے دروازے تھے جو رات کو مقفل کر دیئے جاتے تھے وہ دونوں آدمی بند دروازے کے پاس ٹھہر گئے۔ اور تاج محمد کو اپنے پاس بلا کر آٹھ لڈو دے کر کہا "چار تمہارے، چار تمہارے نوکر کے لئے ہیں"۔ تاج محمد لڈو لے کر واپس ہوئے پلٹ کر دیکھا تو دونوں آدمی غائب اور دروازہ بدستور مقفل تھا۔ بے حد حیران ہوئے۔ قبلہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "یاد ہوگا ایک بار جنات کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ نے جن دیکھنے کی خواہش کی تھی وہ جن تھے آپ کی خواہش پوری ہو گئی"۔

تاج صاحب کے ساتھ ایسا ہی ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ وہ رات گئے کہیں جا رہے تھے۔ گلی سے گزر ہوا۔ تو اس میں بہت ہی بڑے جنثے کا بیل راستہ روکے کھڑا تھا تاج محمد اس غیر معمولی جسامت کے بیل کو دیکھ کر اتنے خوف زدہ ہوئے کہ گگھی بندھ

گئی نہ آنکھیں بند کرلیں۔ قبلہ سرکار نظر آئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو بیل غائب تھا اگلے دن ڈرے سہمے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا وہ بھی جن تھا۔ تاج محمد کیتھر بن تھے۔ ابھی شادی کیا منگنی بھی نہ ہوئی تھی کہ قبلہ سرکار نے انہیں کیتھل بیٹھے ہوئے ان کی ہونے والی بیوی دکھا دی۔ جو اس وقت سہارنپور میں تھیں اور ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ تاج صاحب اور ان کی بیگم دونوں نے ہی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا لیکن یہ قبلہ سرکار کی کرامت تھی کہ آپ نے اتنی دور سے تاج صاحب کو ان کی ہونے والی شریک حیات دکھا دی۔

راؤ سلیمان صاحب کی بیگم نے قبلہ سرکار کی کرامت بیان کی ہے انہوں نے بتایا کہ راؤ سلیمان کے بھتیجے کنور ذوالفقار علی خان (اے ڈی سی۔ پھر ڈی سی ہوئے) تقسیم برصغیر کے بعد مع اہل وعیال پاکستان آئے تو گجرات میں بحیثیت مال آفیسر ان کی تقرری ہوئی گجرات کی ایک لیڈی ڈاکٹر کا جن کے ساتھ ان کے مراسم تھے انتقال ہو گیا کنور صاحب کا بھانجہ ابوالحسن اور بھانجی کا خاوند نصیر جنازے کے ہمراہ گئے کنور صاحب کی بیوی کو وہم ہو گیا کہ یہ لوگ جنازے کے ساتھ گئے ہیں تو جنازے کو ہاتھ بھی لگایا ہو گا۔ کافور بھی ان کے کپڑوں پر پڑا ہو گا۔ گلاب پاش چھڑکا ہو گا تو وہ بھی ان کے کپڑوں پر گرا ہو گا۔

تقسیم ہند کے وقت فسادات کے دوران اِدھر اُدھر بکھری ہوئی بے گور وکفن لاشیں دیکھی تھیں۔ ان کا بھی ذہن پر ابھی تک اثر تھا اب تو یہ حال ہو گیا کہ کنور صاحب کا بھانجہ اور بھانجی کا میاں چارپائی پر بیٹھتے تو چادریں دھونے لگتیں۔ اگر کسی کپڑے کو ہاتھ لگا دیتے تو سمجھتیں کہ یہ ناپاک ہو گیا ہے اسے دھو ڈالتیں۔ آہستہ آہستہ مراق اتنا بڑھ گیا کہ نوکر سے کہتیں لکڑیاں دھو کر روٹی پکانا۔ بچوں کو اپنے قریب نہ آنے دیتیں۔ بچے ماں کے پاس جانے کے لئے روتے۔ خود بھی روتیں لیکن بچوں کو

قریب نہ آنے دیتیں گھر کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتیں اسی اثناء میں کنور صاحب کا تبادلہ ملتان ہوگیا اور راؤ سلیمان بھی لاہور سے تبدیل ہو کر ملتان آگئے۔ کچھ دن کنور صاحب کے ہاں ٹھہرے۔ راؤ سلیمان پہلے تو خود ہی ان کی بیوی کے لئے دعا کرتے رہے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔

قبلہ سرکار ملتان تشریف لائے تو راؤ صاحب نے مریضہ کا حال بیان کیا اور دعا کے لئے عرض کی۔ آپ راؤ صاحب کے ساتھ مریضہ کو دیکھنے گئے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ بچوں کو بھی اپنے نزدیک نہیں آنے دیتی۔ قبلہ سرکار نے بستروں کی پیٹی کھلوائی۔ اور کمبل نکال کر مریضہ کو دیا۔ اس نے کمبل لے لیا۔ پھر بچوں کو ماں کے پاس لانے کا حکم دیا تو بچوں کو بھی پیار کرنے لگیں۔ اب ہر چیز کے ہاتھ لگانے لگیں۔ نہانا اور کپڑے بدلنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ (کبھی کبھار کپڑے بدلتی تھیں) اب نہانے اور کپڑے بدلنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور قبلہ سرکار کی دعا سے بالکل تندرست ہوگئیں۔

آپ کی کرامات کے سینکڑوں واقعات مشہور ہیں۔ کئی مریض آپ کی دُعا سے صحت یاب ہوئے۔ بعض اوقات آپ مریض کی صحت کے لئے دعا بھی کرتے۔ اور مریض کو بہت ہی معمولی قسم کی کوئی چیز استعمال کرنے کا حکم دیتے اور اسے شفا ہو جاتی۔

آپ کے ایک معتقد عبدالکریم کے نوجوان بیٹے کو مرگی کے شدید دورے پڑتے تھے ایک دن آپ نے عبدالکریم سے پوچھا "تم اپنے بیٹے کی شادی کیوں نہیں کرتے"۔ اس نے عرض حال سنایا کہ میرے بیٹے کو مرگی کے دورے دن میں کئی بار پڑتے ہیں اس نامراد مرض میں شادی کیسے ممکن ہے۔ آپ نے اس کے لئے بارہ گاہ ایزدی میں دعا کی۔ اور ایک تعویذ بھی عنایت فرمایا۔ علاوہ ازیں بیٹے کی جلد شادی کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ عبدالکریم نے بیٹے کی شادی کردی۔ اور وہ بفضل خدا آپ کی دعا سے

تندرست ہوگیا پھر زندگی بھر دورہ نہیں پڑا۔

دمہ کا ایک مریض حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ دو تولہ شہد دم کرالے اور اس میں دو تولہ مکھن ملاکر رات کو سوتے وقت چاٹ لیا کر۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور چند روز میں بفضل خدا اور آپ کی دعا سے صحت یاب ہوگیا۔

قبلہ سرکار کے ایک عقیدت مند محمد ابراہیم کا بیٹا گھر سے پانچ سو روپے چرا کر اپنے ایک ہندو دوست لڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ گیا۔ محمد ابراہیم پریشان حال روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ "فوراً دہلی جاؤ۔ چاندنی چوک میں تمہارا لڑکا جوتے کی دکان پر ملے گا۔ ایک پاؤں میں نیا جوتا ہوگا اور دوسرے میں ابھی جوتا پہننا ہوگا"۔ پھر لڑکے کے والد کو تاکید کی کہ وقت ضائع کئے بغیر فوراً دہلی چلا جائے وہ لڑکا دہلی سے بھی کہیں اور چلا جائے گا۔ چنانچہ ابراہیم اسی وقت دہلی گیا قبلہ سرکار نے چاندنی چوک میں جو دوکان بتلائی تھی وہ وہاں پہنچا تو لڑکے کو عین اس حالت میں جا پکڑا کہ ایک پاؤں میں نیا جوتا پہننے والا تھا ہندو لڑکا تو بھاگ گیا اور باپ اسے لے کر گھر آگیا۔ بعد میں لڑکے نے بتایا کہ وہ دونوں بمبئی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔

۱۹۸۵ء کا ذکر ہے کہ کیتھل کے ایک گھرانے میں خواتین کا آپس میں کچھ جھگڑا ہوگیا کوئی مرد اس وقت گھر پر نہیں تھا گھر کی ایک عورت نے لڑائی جھگڑے سے تنگ آکر شام پانچ بجے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ باہر کپڑے دھونے جا رہی ہے کچھ میلے کپڑے اور صابن لے کر باہر چلی گئی۔ تالاب پر جا کر کپڑے دھونے کا وہ وقت نہیں تھا مگر غصہ میں گھر کی کسی عورت نے اسے باہر جانے سے نہ روکا۔ رات کو اس کا خاوند گھر آیا اور اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا عصر کے وقت کپڑے دھونے کے لئے باہر گئی تھی ابھی تک نہیں آئی۔ اب پوچھ گوچھ شروع ہوئی تو ہمسائی نے بتایا کہ گھر

کی عورتوں کا آپس میں جھگڑا ہوا تھا اس پر وہ گھر سے کہیں چلی گئی ہے۔ جاتے ہوئے کسی نے اسے نہیں روکا۔ اب تو پریشان ہو کر سب ڈھونڈنے لگے مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔

قبلہ سرکار کے ایک مرید سلیمان صدیقی بھی گھر والوں کے ساتھ اسے تلاش کر رہے تھے۔ جب ہر طرف سے ناکامی ہوئی تو سلیمان صدیقی رات کے بارہ بجے قبلہ سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ قبلہ سرکار یہ بات سن کر مسکرائے پھر فرمایا "جاؤ گھر جا کر آرام سے سو رہو۔ صبح ہوتے ہی وہ خود گھر آجائے گی۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ صرف ایک رشتہ دار کی تھوڑی سی غلطی ہے ورنہ اتنا پریشان نہ ہونا پڑتا"۔ چنانچہ سب لوگ گھر آ گئے۔ صبح ہوئی تو وہ عورت خود گھر آگئی۔ وہ اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں چلی گئی تھی۔ مگر انہوں نے گھر والوں کو اطلاع نہ دی یہی وہ غلطی تھی جس کا اشارہ قبلہ سرکار نے کیا تھا۔

ایک بار قبلہ سرکار اپنے ایک مرید کی شادی پر اس کی بارات کے ساتھ ریاست جنید تشریف لے گئے۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ صاحب بھی ساتھ تھے دوپہر کا وقت تھا عقیدت مند بیٹھے تھے میاں سرکار جن کی عمر اس وقت پانچ یا چھ سال ہو گی۔ قبلہ سرکار کی آغوش مبارک میں سر رکھے سو رہے تھے کہ اچانک اٹھے اور کہنے لگے "یہاں سے چلیں۔ یہاں تو خوب ڈنڈا چلے گا اور فساد ہو گا"۔ قبلہ سرکار نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو آپ خاموش ہو گئے۔ حاضرین محفل میں سے کسی نے پوچھا کہ "صاحبزادہ صاحب نے کیا فرمایا ہے" تو آپ بات ٹال گئے۔ پھر کسی نے عرض کی "کسی چیز کی ضرورت ہے تو ہم حاضر کریں" قبلہ سرکار نے فرمایا "نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، بچے ہیں سو کر اٹھے ہیں یونہی کچھ کہہ دیا ہے"۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہو گیا۔ عصر کی نماز پڑھ کر قبلہ سرکار نے ابراہیم صدیقی کو بلایا اور

فرمایا " صبح جلدی رخصتی ہو جائے ۔ تاکہ ہم صبح ہی صبح شہر کی حدود سے باہر نکل جائیں اسی میں بھلائی ہے"۔

قبلہ سرکار کے حکم کے مطابق لڑکی والوں نے صبح سویرے ہی بارات کو رخصت کر دیا شہر جیند سے دو فرلانگ جا کر بس روک دی گئی ۔ کیونکہ کچھ لوگ پیچھے تھے ان کا انتظار ہونے لگا ۔ کافی انتظار کے بعد بھی وہ نہ آئے تو ایک آدمی شہر بھیجا وہ شہر پہنچا ہی تھا کہ کسی نے کہا کہ شہر میں ہندو مسلم فساد ہو گیا ہے ۔ آپ شہر نہ جائیں تو وارد ہیں کہیں فساد میں مارے نہ جائیں ۔ چنانچہ اس آدمی نے آکر سارا ماجرا سنایا ۔ اس دن ہندو ہولی کا تہوار منا رہے تھے ۔ کسی ہندو نے ایک مسلمان پر رنگ پھینک دیا جس سے ہندو مسلم فساد شروع ہو گیا ۔

کیتھل سے امرت نرائن اگروالی لکھتے ہیں "میری بیوی شریمتی کرشنا دیوی ۱۹۴۷ء میں سخت بیمار ہوئی ۔ اسے بیماری میں سکتہ ہو گیا ۔ سب نے سمجھ لیا کہ فوت ہو گئی ۔ لوگ کریا کرم کی تیاری کرنے لگے ۔ میاں صاحب (قبلہ سرکار) کو میری بیوی کے انتقال کی خبر ملی تو آپ میرے مکان پر تشریف لائے اور میری مردہ بیوی پر کچھ پڑھا اور ایک تعویذ دیا ۔ تعویذ اس کے بازو پر باندھا ہی تھا کہ وہ فوراً اُٹھ بیٹھی اور باتیں کرنے لگی اس کے بعد وہ کافی عرصہ زندہ رہی"۔

ڈیرہ غازی خان اب تو ڈویژن ہے پہلے ضلع ہی تھا ۔ لیکن پسماندہ ضلع ہونے کی وجہ سے ضلع کے باوجود یہاں ریلوے سٹیشن نہیں تھا ۔ تمام آمدورفت بسوں اور موٹروں کے ذریعے ہوتی تھی ۔ آبادی میں اضافے آمدورفت کی مشکلات اور ضروریات زندگی کی ترسیل میں دقت کے پیش نظر ریلوے سٹیشن کا شدید احساس ہوا چنانچہ حکومت نے اس طرف توجہ دی ۔ اور ۱۹۶۰ء میں شہر کے مشرقی حصے میں نہر کے ساتھ ساتھ سٹیشن بنانے کے لئے سروے مکمل کر لیا گیا ۔ اس جگہ کے انتخاب میں

بعض بااثر افراد کی رائے بھی شامل تھی۔

شہزادہ سلطان احمد اور عبدالواحد خاں وغیرہ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے تذکرہ کیا کہ جو جگہ سٹیشن بنانے کے لئے منتخب کی گئی ہے وہ گنجان آباد علاقہ ہے۔ سٹیشن ایسی جگہ ہونا چاہیئے۔ جہاں آبادی نسبتاً کم ہو تاکہ مستقبل میں شہر کی وسعت کے لئے گنجائش ہو۔ اور شہر کی آبادی اور رونق میں ہمہ جہت اضافہ ہو۔ چند دن کے بعد آپ سیر کو گئے تو فرمایا "شہزادہ صاحب اس جگہ سٹیشن بنے گا اور ریلوے لائن کا روٹ یہ ہوگا" اس پر شہزادہ سلطان احمد نے کہا "سرکار تمام فیصلے ہو چکے ہیں اور بااثر افراد اس فیصلے سے متفق ہیں نئی جگہ سٹیشن بننا بہت مشکل نظر آتا ہے"۔ آپ نے فرمایا "وقت آنے پر ایسا ہی ہو گا"۔ چنانچہ ۱۹۶۸ء میں دوبارہ سروے کیا گیا اور جو جگہ آپ نے بتلائی تھی اسی جگہ ریلوے سٹیشن کی عمارت بنائی گئی۔ اور لائنوں کا وہی روٹ ہے جس کی نشاندہی آپ نے کی تھی۔

۱۹۴۹ء کا ذکر ہے کہ ملتان کے شاہی قلعہ کی حالت بڑی خستہ اور خراب تھی۔ عمارت ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ لوگوں نے بھی قلعہ میں گندگی پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس زمانہ میں قبلہ سرکار ملتان میں قیام پذیر تھے روزانہ فجر کی نماز کے بعد اپنے خادم نیاز احمد کے ساتھ قلعہ کی سیر پر جانا آپ کا معمول تھا اور کبھی جمعرات کی صبح کو مزارات عالیہ (حضرت بہاء الدین زکریا رح اور حضرت شیخ رکن عالم رح) پر حاضری دیا کرتے تھے۔

قلعہ کی خستہ اور خراب حالت دیکھ کر آپ نے نیاز احمد سے فرمایا "نیاز احمد قلعہ کی یہ بے رونقی جو تم اب دیکھ رہے ہو۔ آئندہ برسوں میں نہیں رہے گی۔ اور یہاں سیر و تفریح اور زیارت کے لئے کثرت سے لوگ آیا کریں گے اور قلعہ پر دنیا

سیر کو آیا کرے گی مستقبل میں ان مزارات کی شان وشوکت زیادہ ہوگی۔ ان کے عرس بھی آج سے کہیں زیادہ شان وشوکت سے ہوا کریں گے۔" چنانچہ ۱۹۵۵ء میں ملتان کی کارپوریشن کے ایڈمنسٹریٹر میاں محمد شفیع کی کوششوں سے ملتان کا قلعہ ایک عمدہ سیر وتفریح کی جگہ بن گئے۔ اور پھر مزارات عالیہ کی تزئین وآرائش بھ تفریح اور تعمیر نو کا کام بھی شروع ہوا جو ۱۹۷۷ء میں مکمل ہوا۔ گورنر مخدوم سجاد حسین قریشی کی ہدایت پر ملتان کو مزید خوب صورت بنایا۔

آپ سیف زبان تھے جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا حکم خدا سے وہی ہو جاتا لیکن آپ بہت بردبار، حلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے۔ لوگوں کے لئے ہمیشہ کلمۂ خیر زبان سے نکالتے۔ کبھی کسی مخالف کو بھی سخت الفاظ سے یاد نہیں کیا۔ آپ بڑے صاحب فیض وصاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی کرامتیں اوائل عمری سے ظاہر ہونے لگ گئی تھیں۔ آپ ابھی چھ سال کے تھے کہ ایک بکری نے آپ کا نقصان کر دیا آپ نے فرمایا " جا تیری ٹانگ ٹوٹے گی"۔ بکری دو چار قدم ہی چلی تھی کہ وہ زمین پر گری اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

جے رام مہاجن. کا مکان آپ کے مکان سے ملحق تھا اس مہاجن نے اپنا مکان نئے سرے سے بنانا شروع کیا۔ اور کھڑکیاں آپ کے مکان کی طرف رکھ لیں آپ نے اپنی والدہ مکرمہ کے کہنے پر مہاجن مذکور کو ایسا کرنے سے منع کیا، مہاجن نے کہا "تم اپنی آنکھیں بند کر لیا کرو"۔ آپ نے فرمایا "تیری آنکھیں بند ہو جائیں گی"۔ دوسرے دن جب وہ مہاجن صبح کو اٹھا تو اندھا ہو گیا تھا۔ اور تمام عمر اندھا ہی رہا۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ اس واقعہ سے کیقل کے بے شمار لوگ واقف ہیں۔

نتھو تیلی آپ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا آپ نے فرمایا " تو سارا دن میرے ساتھ کیوں نہیں کھیلتا"۔ اس نے جواب دیا۔ " دن کے وقت میں کام پر جاتا ہوں شام

کو آتا ہوں تو آپ کے پاس آجاتا ہوں۔ اگر کام پر نہ جاؤں تو دو آنے نہیں ملیں گے اور میرا باپ مجھے مارے گا۔" آپ نے فرمایا "تجھے چار آنے ملا کریں گے دن بھر یہیں رہا کر"۔ دن ڈھلے اسے ہر روز کھیلتے کھیلتے زمین پر سے ایک چونی مل جایا کرتی۔ کئی روز بعد اس سے باپ نے پوچھا اب تو دو آنے کی بجائے چار آنے لاتا ہے یہ کیا بات ہے۔ اس نے سارا ماجرا کہہ سنا دیا۔ اس کے بعد وہ چار آنے ملنے بند ہو گئے۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب آپ کی عمر بارہ سال تھی۔

ڈاکٹر چراغ دین صدیقی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری اہلیہ سخت بیمار ہو گئی۔ بہت علاج کئے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا۔ آپ نے دعا کی۔ مجھے تسلی دی اور چند نقش پینے کے لئے دیئے۔ میری اہلیہ اس واقعہ کے چند روز بعد روبصحت ہو گئی۔ اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ وہ حاضر خدمت ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ حضرت نے دعا فرمائی۔ بحمداللہ تعالیٰ اب وہ صاحب اولاد ہیں۔

کیتھل کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ امرناتھ سیٹھ کے مکان میں اینٹیں آنا شروع ہو گئیں پہلے تو اس نے اسے کسی کی شرارت سمجھا مگر بعد میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھانے پینے کی اشیاء حتیٰ کہ کپڑوں میں بھی گندگی کی بو آنے لگی۔ تمام گھر سخت پریشان ہو گیا۔ مذکورہ سیٹھ امرناتھ نے اپنے چند احباب سے ذکر کیا اور ان کے مشورہ سے مختلف عاملوں سے رجوع کیا۔ مگر فائدہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے آپ سے رجوع کیا اور آپ کی توجہ سے ان کے گھر سے جنات کا اثر جاتا رہا۔ کیتھل شہر ہی کا واقعہ ہے کہ غلام حیدر نامی ایک شخص جیند سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو مرگی کے مرض میں مبتلا تھا۔ حکیموں، ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ کمال قادری کے کنوئیں پر جا

کر غسل کرو۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ چنانچہ اس نے حسبِ ارشاد عمل کیا اور شفایاب ہو کر ہنسی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔

آپ کا معمول تھا کہ دوسرے تیسرے عشرے اپنی والدہ ماجدہ کے مزار شریفؒ پر جو ڈیرہ غازی خان میں ہی حضرت نورنگ شاہ قادریؒ کے مزار مبارک کے احاطے میں واقع ہے۔ فاتحہ خوانی کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک روز آپ حسبِ معمول مزار شریف پر حاضر ہوئے کہ ایک اجنبی بلوچ روتا پیٹتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ " میری لڑکی اعضاء شکنی کے مرض میں مبتلا ہے اور اس کی وجہ سے سخت بے چین اور بے قرار رہتی ہے اس کی شفا کے لئے دعا فرما دیجئے۔" آپ نے فرمایا " یہ جسمانی عارضہ ہے کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر لو۔" بلوچ نے جواب دیا۔ " حضرت ہم ڈاکٹر کے پاس نہیں جایا کرتے ہیں۔" آپ نے یہ سن کر فرمایا " لڑکی کی والدہ کو کہو کہ وہ ہر روز نمازِ فجر اور نماز مغرب کے بعد " یا لطیف " گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر لڑکی پر دم کیا کرے اور پڑھتے وقت درد والی جگہ پر ہاتھ پھیرتی رہا کرے۔" خدا کے فضل سے وہ لڑکی چند روز میں شفایاب ہو گئی۔

راؤ سلیمان علی خان ریٹائرڈ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن آفیسر بیان کرتے ہیں کہ ایام ملازمت میں جو افسر میری مخالفت کرتا یا مجھ پر تشدد کرتا تھا میں حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کر دیتا تھا یا بصورت دوری خط کے ذریعے اپنا حال بیان کر دیا کرتا تھا ہمیشہ یہ ہوا کہ آپ کی دعا کی برکت سے ایسے افسر کا تبادلہ ہو جاتا اور وہ رسوا ہو کر نکلتا۔ اس قسم کے واقعات میری ملازمت میں اکثر و بیشتر دفعہ وقوع پذیر ہوئے۔ ایک مرتبہ جبکہ میں دلّی میں تھا ایک انگریز کمشنر نے مجھے بے حد تنگ کیا۔ میں نے کیتھل خط لکھا جس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا " راؤ صاحب مطمئن رہو کسی کا قلم تمہارے خلاف نہیں چل سکے گا۔" چنانچہ افسر مذکور کی سخت مخالفت کے باوجود مجھے کوئی نقصان

نہیں پہنچا۔ اور مذکورہ افسر ذاتی کام کے سلسلے میں ولائت چلا گیا۔ الغرض جس نے میری دل آزاری کا ارادہ کیا وہ ذلیل وخوار ہوا۔ غلام محمد بٹ ٹیکس انسپکٹر ڈسٹرکٹ کونسل ڈیرہ غازی خان کا بیان ہے کہ ان کا تعلق حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی کیتھلی رح سے ۱۹۴۸ء سے ہوا۔ اس وقت وہ ڈسٹرکٹ کونسل میں ملازم تھے کہ تھوڑے عرصے بعد ان کے عملے میں تخفیف کی گئی تو انہیں بھی ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ انہوں نے دوبارہ بحالی کے لئے بہت کوشش کی لیکن ہر دفعہ ناکامی ہوئی۔ آخر آپ سے رجوع کیا اور آپ کی دعا سے ملازمت پر بحال ہوئے ان ہی غلام محمد کا بیان ہے کہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لئے نوابزادہ سردار محمد خاں لغاری مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ضلع ڈیرہ غازی خان کی ایک نشست سے انتخاب لڑ رہے تھے۔ اپنے مدمقابل میاں فیض حسین صحرائی اور قاضی عبیداللہ صاحب کے مقابلے میں ان کی پوزیشن کافی کمزور تھی اور وہ اسی پریشانی کے عالم میں اپنے ماموں سردار تگیہ خان لغاری، غلام یزدانی اور پارٹی کے دوسرے ارکان کے ہمراہ حضرت علی احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "میں حضرت میاں غلام حسین نقشبندی قادری رح لعل عیسن کروڑ کا مرید ہوں۔ اس طرح آپ سے بھی نسبت ہے میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری کامیابی کی دعا فرمائیں"۔ آپ نے دعا فرمائی دعا قبول ہوئی۔ اور انتخاب میں نواب صاحب موصوف کو نہ صرف کامیابی ہوئی بلکہ وزارت بھی مل گئی۔

دعا کے بعد نوابزادہ موصوف نے آپ کو ایک کثیر رقم نذرانہ کے طور پر پیش کی تھی لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ غلام محمد بٹ ہی کا بیان ہے کہ جب پنجاب میں میاں محمد ممتاز دولتانہ کی وزارت ٹوٹی تو نوابزادہ محمد خان لغاری بھی وزارت سے سبکدوش کر دیئے گئے اس کے بعد گورنر کے مشیروں کا تقرر ہوتا تھا نوابزادہ موصوف

خود لاہور میں رہے لیکن اپنے ماموں سردار تگیہ خان کو حالات سے آگاہ کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کروانے کے لئے لکھا۔ چنانچہ سردار تگیہ خان اور سردار اعظم خان لغاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "حضرت آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ الیکشن میں کامیاب ہونے کے علاوہ وزارت تک پہنچ گئے تھے اب گورنر کے مشیروں کا تقرر ہونا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیے" آپ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نوابزادہ موصوف مشیر بن گئے۔

غلام محمد بٹ نے لکھا ہے کہ نوابزادہ موصوف کا تعلق حضرت سید علی احمد شاہ کے ساتھ آپ کی زندگی کے آخری لمحات تک رہا۔ نوابزادہ موصوف کی وزارت کے دن تھے کہ حضرت سید علی احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے پیشاب کی پتھری کے سلسلے میں آپریشن کرایا۔ اتفاق سے نوابزادہ موصوف بھی ڈیرہ غازی خان آئے ہوئے تھے۔ جب انہیں واقعہ کا علم ہوا تو وہ خود عیادت کے لئے تشریف لائے اور ہسپتال کے عملے کو آپ کے علاج پر پوری توجہ دینے کی ہدایت کی۔

غلام محمد بٹ نے ہی لکھا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لئے علاقہ روجھان سے سردار معین اعظم خان مزاری نے انتخابات لڑا۔ ان کے مدِمقابل غلام قادر کو شکست ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد غلام قادر کو کسی نے قتل کر دیا لیکن سردار میر بلخ شیر خان مزاری اور ان کے ایک قریبی کے رشتہ دار سردار جلال الدین خان مزاری کو مقدمہ میں ملوث کر لیا گیا۔ ان دونوں نے اپنی ضمانتیں کرالیں۔ مقتول پارٹی نے ضمانتیں منسوخ کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب مزاری صاحب کو یقین ہو گیا کہ اب ضمانتیں یقیناً منسوخ ہو جائیں گی۔ تو سردار نجم الدین خان مزاری اور سردار میر بلخ شیر خان کے ماموں سردار غوث بخش خان مزاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سردار غوث بخش خان مزاری نے عرض کیا کہ میں حضرت غوث اعظمؓ کا

ماننے والا ہوں اور آپ ان کی اولاد ہیں۔ دعا فرمایئے کہ ضمانتیں منسوخ نہ ہوں اور یہ مصیبت بھی ٹل جائے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ چنانچہ مخالفین ہزار کوشش کے باوجود ضمانتیں منسوخ نہ کروا سکے۔ بلکہ مقدمہ میں بھی ہر دو صاحبان بری ہو گئے اس کے بعد سردار میر بلخ شیر خان مزاری بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

غلام محمد بٹ نے ان واقعات کا تذکرہ بھی کیا ہے جن کے تحت انہیں محکمہ فوڈ گرین سے علیحدہ ہو جانے کے بعد حضرت علی احمد شاہ کی دعا سے ڈسٹرکٹ کونسل ڈیرہ غازی خان میں ملازمت ملی وہ مزید لکھتے ہیں کہ تقریباً دو سال گذر جانے کے بعد انہیں مستقل ملازم کے حقوق نہ دیئے گئے۔ اس ضمن میں انہوں نے کئی تجربہ کار آڈیٹروں سے مشورہ کیا۔ لیکن ان سب کا جواب مایوس کن تھا۔ آپ سے دعا کرائی تو تھوڑے عرصے کے بعد نہ صرف ان کی دو سالہ مدت ملازمت کی توثیق ہو گئی بلکہ اس دوران کے تمام بقایا جات کی ادائیگی بھی ہو گئی۔

ایک مرتبہ آپ دہلی میں اپنے ارادت مند برکت اللہ خان سپرنٹنڈنٹ جیل کے یہاں مقیم تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک عورت روتی پیٹتی ہوئی حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ مقدمہ قتل میں ناحق پھانسی کی سزا ہو گئی ہے حضور دعا فرمائیں کہ میرا بیٹا بری ہو جائے۔ خان صاحب مذکور کا بیان ہے کہ آپ پر یکایک جذب کی کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا "جا خدا نے تیرے لڑکے کو بری کیا"۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔ جس روز پھانسی کی تاریخ تھی اس روز لڑکے کی والدہ اور وارث بے اختیار رو رہے تھے کہ دفعتاً لڑکا آکر اپنی ماں کے گلے سے لپٹ گیا۔ ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ لڑکے سے حقیقت حال دریافت کی گئی تو اس نے بتایا کہ میری مثل گم ہو گئی تھی بہت تلاش کی نہ ملی۔ یہاں تک کہ پھانسی کا وقت گذر گیا۔ اور مجھے بری کر دیا گیا۔ عورت مذکور آپ کے پاس آئی اور اپنے لڑکے

کا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "تجھے حکم خدا سے تعجب آتا ہے"۔

ایک دفعہ گیارہویں شریف کے موقع پر باہر سے آئی ہوئی ایک عورت نے موقع پاکر گھر سے ریشمی چادر اٹھائی۔ ہر طرف تلاش کے باوجود نہ ملی۔ آخر آپ تک بات پہنچی تو فرمانے لگے "کوئی بات نہیں۔ خود بخود آجائے گی"۔ چنانچہ جب عورت مذکور گھر پہنچی تو رات کو سوتے وقت تین چار مرتبہ چارپائی سے نیچے گرتی رہی۔ صبح اٹھی تو بدن پر سیاہ نشان موجود تھے۔ شوہر کے استفسار پر وجہ بتائی تو شوہر نے لعنت ملامت کی۔ اور دراقدس پر حاضر ہو کر معافی طلب کی اور چادر واپس کردی

دوسری عالمگیر جنگ کا واقعہ ہے کہ آپ کا ایک مرید عطا محمد جاٹ برما کے محاذ پر لڑ رہا تھا۔ اس نے چھٹی کی درخواست دی تو اسے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت قید کر دیا گیا۔ جیل میں ایک ہندو بھی موجود تھا۔ ایک روز تنگ آکر اس نے سفید کاغذ پر کچھ لکھوایا اور ہوا میں اڑا دیا۔ اور کہا " میں اپنے مرشد کو اپنی قید سے متعلق رہائی کے لئے درخواست بھیج رہا ہوں"۔ اگلے روز کوئی اعلیٰ فوجی انسر آیا۔ حوالات میں فوجی قیدیوں کو دیکھ کر متعلقہ حکام سے پوچھ گچھ کی۔ تو اسے معلوم ہوا کہ انہوں نے جنگ کے دوران رخصت کا مطالبہ کیا تھا۔ اس فوجی انسر نے کہا۔ ان کا مطالبہ حق بجانب ہے اگر یہ لڑنے سے انکار کریں تو پھر قید کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ رہا کر دیا گیا۔ اور یہ دو ماہ کی رخصت پر وطن آیا اور سب سے پہلے آپ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ "عطا محمد! پھر چھٹی کسطرح ملی"۔ گویا آپ پر سب کچھ روشن اور واضح تھا۔

ایک مرتبہ آپ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کے آستانہ عالیہ کی زیارت کے لئے اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ وہاں کے دوران قیام، آپ کے ایک مرید عبدالکریم کی گھوڑی گم ہو گئی۔ وہ پریشانی کے عالم میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا کہ ایک مجذوب

کے پاس سے گزرا تو اس نے کہا۔ "کیا تمہارے مرشد کے کہنے سے تمہاری تسلی نہیں ہوئی کہ بیل مل جائے گی"۔ جاوہ مشرق کی طرف کھیت میں چر رہی ہے۔ اپنے پیر کو میرا اسلام کہنا"۔

عبدالواحد خان صاحب تقسیم ملک کے بعد مالی مشکلات سے دوچار تھے کیونکہ ابھی مہاجروں کے معاملات کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سید علی احمد شاہؒ ان کے یہاں تشریف لائے تو عبدالواحد کو خوشی ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی تواضع کی فکر ہوئی کیونکہ اس وقت بقول ان کے " ہمارے گھر میں چائے اور دودھ کے علاوہ تواضع کے لئے کچھ نہ تھا۔" چینی نہ ہونے کی وجہ سے میں پریشان ہوا کہ حضرت قبلہ آکر بیٹھ گئے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا " خان صاحب ہر روز میٹھی چائے پیتے ہیں آج تو ہم نمکین چائے پیئں گے"۔ اور اس طرح حضرت قبلہ نے بذریعہ کشف روحانی میری مشکل کو معلوم کر لیا۔

آپ کا ایک مرید شیخ گل محمد عرف لالہ بیوپاری راجن پور میں دوپہر کے وقت سویا ہوا تھا کہ اس کی جیب سے مبلغ پانچ ہزار روپے ایک پٹھان نے نکال لیے اسی وقت آپ نے خواب میں فرمایا کہ" جلدی اٹھ کھڑا ہو۔ تیری رقم چور لے جا رہا ہے"۔ اسی وقت آنکھ کھلی اور وہ باہر گیا تو چور ان نوٹوں کو گن کر اپنی جیب میں ڈال رہا تھا فوراً پکڑ کر نوٹ چھین لیے۔ اور اس کو لعنت ملامت اور ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دیا۔ شیخ گل محمد مذکور کا بیان ہے کہ ڈیرہ غازی خان میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ " لالہ پھر پیسے کیسے ملے"۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔

ایک شخص نے دن دہاڑے قتل کر دیا۔ شبہ میں دوسرا پکڑا گیا۔ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا۔ کہ اس کی پریشان حال والدہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور

التجا کی کہ دعا کیجئے۔ میرا بے گناہ بیٹا بری ہو جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "درود شریف سوا لاکھ بار پڑھا کر" اور دعا کی۔ اس نے ہدایت پر عمل کیا۔ اور اس کا لڑکا بری ہو گیا۔

بھوپال میں نواب بھوپال کے اتالیق مولوی محمد صدیق کی لڑکی کو عرصۂ دراز سے آسیب کی تکلیف تھی۔ انہوں نے ہندوستان میں تقریباً سب جگہ قسمت آزمائی کی مگر کسی جگہ سے لڑکی کو فائدہ نہ ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لڑکی برہنہ رہنے لگی۔ والدین نے تنگ آکر زنجیر سے باندھنا شروع کر دیا۔ ان ہی دنوں مولوی مذکور کے بھائی محمد یوسف گورنمنٹ ہائی سکول کیتھل میں بطور سیکنڈ ماسٹر تبدیل ہو کر آئے۔ کچھ دنوں بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بھتیجی کا تمام واقعہ بیان کیا آپ نے تسلی دی اور فرمایا مولوی صاحب کو لکھ دو۔ آپ کی لڑکی تندرست ہو جائے گی۔ لڑکی کے کان میں کہیں کہ علی احمد شاہ نے کہا ہے کہ "اس لڑکی کو اس حکم کے ملتے ہی چھوڑ دے"۔ اس کے علاوہ پینے کے لئے تعویذ عنایت فرمائے۔ اگلے ہی ہفتے بھوپال سے خط آیا کہ لڑکی بفضل خدا ٹھیک اور تندرست ہو گئی۔ کوئی بہت عالم فاضل جن اس پر مسلط تھا۔ جاتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ "قطب زماں کو میرا سلام عرض کریں۔ اب میں قطعی نہیں آؤں گا۔ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہوں"۔ اس کے بعد مولوی محمد صدیق مع اہل کنبہ اظہار تشکر کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی داستان غم سنائی۔ اور کہا کہ اگر یہاں سے یہ فیض حاصل نہ ہوتا تو ہمارا سارا خاندان تباہ ہو جاتا۔ بعد ازاں جن کا سلام پیش کیا۔ مولوی صاحب موصوف نے نواب بھوپال حمید اللہ خان سے وظیفہ مقرر کرانا چاہا۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ ہمارے بزرگوں کے مسلک کے خلاف ہے۔ ہم نہیں لیں گے۔

ماسٹر غلام قادر بیان کرتے ہیں کہ میرے ہیڈ ماسٹر شاد محمد ملازمت سے سبکدوش

ہونے پر مالی مشکلات کی وجہ سے بے حد پریشان تھے ۔ اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی تھی ۔ مایوسی میں ایک روز کہنے لگے میں تنگ آچکا ہوں ۔ میں نے ان کی ڈھارس بندھائی ۔ اور انہیں حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا ۔ چنانچہ ہم دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اور مدعا بیان کیا آپ نے تسلی دی اور فرمایا "فکر نہ کریں ۔ خدا مسبب الاسباب ہے ۔ کوئی ذریعہ کوئی صورت نکل آئے گی" ۔ نماز پڑھنے کی تاکید کی ۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں حکومت کی طرف سے ملازمت کی مدت عمر میں اضافہ ہونے کی وجہ سے انہیں دوبارہ ملازمت مل گئی ۔

خان محمد سرور خان ڈائریکٹر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن بہاولپور لکھتے ہیں کہ آپ کے منہ سے نکلی ہوئی بات خالی نہ جاتی ۔ آپ کا فیض آپ کے وصال کے بعد بھی بدستور جاری ہے ۔ خان موصوف نے اپنے مکتوب میں ان فیوض و برکات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اور ان کے خاندان کے دیگر افراد نے آپ سے حاصل کئے وہ لکھتے ہیں کہ آپ کی دعا کی برکت سے انہوں نے اپنے بڑے سے بڑے دشمن پر غلبہ پایا ۔ ان کے بہنوئی خان صدیق احمد خان سینئر سول جج کے ہاں شادی کے بعد گیارہ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ۔ تمام ڈاکٹر اور اطباء جواب دے چکے تھے آپ کی دعا کی برکت سے ان کے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہوئی ۔ محمد سرور خان نے اپنے چند ایسے دوستوں کا ذکر بھی کیا ہے جنہوں نے ان کی طرح آپ کی دعا کی برکت سے زندگی کے مشکل مراحل طے کئے ۔ ان میں شیخ عبدالعزیز ہیڈ کلرک کی شادی ۔ ان کی اولاد نرینہ کی پیدائش اور ان کا ایک بڑے سنگین مقدمے سے رہائی پانا اور خان صاحب مذکور کے ایک ماتحت حق نواز کا سب انسپکٹر ہوجانا قابل ذکر ہے ۔

تھانہ روجھان ضلع ڈیرہ غازی خان کے سب انسپکٹر پولیس عنایت محمد بٹ نے

اپنی ایک تحریر میں ان فوائد کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے آپ کی ذات سے حاصل کئے انہوں نے لکھا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے اولاد نرینہ سے بہرہ یاب ہوا۔ اور ان واقعات کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ کس طرح سب انسپکٹر کی تربیت کے لئے ان کا نام بھیجا گیا اور کس طرح تربیت کے دوران پیش آنے والی مشکلات آپ کی دعا کی برکت سے حل ہوئیں۔

عبدالسلام احسان نے حاجی بندو خان (مہاجر پوناہانہ ضلع گوڑگاؤں) کی زبانی ایک روایت لکھ کر بھیجی ہے کہ ۱۹۵۵ء میں مجھے حج کا شوق پیدا ہوا۔ میں نے حضرت سید علی احمد شاہ کی خدمت میں اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اور عرض کیا کہ دعا فرمایئے۔ آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور پہلی ہی دفعہ قرعہ میں میرا نام نکل آیا۔ آپ کی دعا سے سفر میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اس طرح حاجی صاحب موصوف کے گھر کے قریب ایک پلاٹ تھا۔ جو متروکہ جائیداد ہونے کی وجہ سے نیلام ہونے والا تھا۔ حاجی صاحب موصوف غریب آدمی تھے۔ اس پلاٹ کو نیلام میں خریدنے کی سکت نہ رکھتے تھے کیونکہ نیلامی میں اس کی قیمت بڑھنے کا اندیشہ تھا۔ حاجی صاحب موصوف نے آپ سے اپنی یہ مشکل بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربانی کرے گا۔ کامیابی ہوگی پریشان نہ ہوں۔ چنانچہ جب مذکورہ پلاٹ نیلام ہوا تو ہزاروں افراد نے نیلامی میں حصہ لیا۔ لیکن حاجی صاحب موصوف نے ایک بولی دی اور وہ پلاٹ ان کے نام معمولی قیمت پر چھوٹ گیا۔

عنایت محمد بٹ اے۔ ایس۔ آئی نے بیان کیا ہے کہ میں روجھان میں تعینات تھا کہ مجھے میرے ایس۔ ایچ۔ او نے چالان کے چند کاغذات چیک کرانے کی غرض سے ڈیرہ غازی خان دفتر پولیس میں عبداللطیف خان نیازی پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر کے پاس بھیجا جب میں دوپہر کے وقت ضلع کچہری کے قریب پہنچا تو انسپکٹر مذکور

سائیکل پر سوار اپنے گھر کو جاتے ہوئے ملے۔ میں نے انہیں روک کر کاغذات کی چیکنگ کیلئے وقت مانگا۔ اس پر وہ ناراض ہو گئے اور درشتی و بدکلامی سے پیش آئے۔ مجھے اس کا صدمہ ہوا۔ اور میں کاغذات چیک کرائے بغیر واپس آ گیا اور کاغذات ایس۔ ایچ۔ او کے سپرد کر دیئے کہ وہ خود یہ کام کرا لے۔ اس واقعہ کے تیسرے روز عبداللطیف نیازی انسپکٹر مذکور اپنے مجسٹریٹ کے ہمراہ راجن پور میں مقدمات کی سماعت کے سلسلے میں گئے۔ اتفاقاً میری شہادت بھی مجسٹریٹ موصوف کی عدالت میں تھی اور انسپکٹر صاحب نے مجھے دیکھا تو وہ عدالت کی کاروائی چھوڑ کر میری طرف بڑھے۔ مجھ سے بغلگیر ہو کر کہنے لگے کہ "مجھے معاف کر دو"۔ میں حیران تھا کہ ان میں یہ اچانک تبدیلی کس طرح پیدا ہو گئی۔ یہ تو اپنی درشتیٔ طبع اور برہمی مزاج کے لئے مشہور ہیں۔ انہوں نے بعد میں بتایا کہ جس روز وہ مجھ سے سختی سے پیش آئے تھے اس روز دوپہر کا کھانا کھا کر وہ اپنی بیٹھک میں سو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ شیر پر سوار ان کے کمرے میں داخل ہو گئے اور فرمایا کہ "عنایت محمد اپنا عزیز ہے"۔ کیونکہ وہ میرے اصل نام سے واقف نہ تھے۔ آخر ایک اے۔ ایس۔ آئی نے انہیں میرا پتا بتایا۔ اس کے بعد انہوں نے پتہ کیا کہ عنایت محمد کس بزرگ کا مرید ہے۔ وہ پتہ کرتے کرتے آستانۂ قادریہ کمالیہ سکندریہ پر پہنچے۔ وہاں صاحبزادہ حضرت میاں مقبول محی الدین گیلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنا خواب سنایا۔ اور حضرت سید علی احمد شاہؒ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ صاحبزادہ موصوف نے جب آپ کا فوٹو دکھایا۔ تو انسپکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ مجھ پر رعب طاری ہو گیا کہ یہ تو وہی بزرگ تھے جو شیر پر سوار ہو کر مجھے تنبیہہ کرنے آئے تھے۔

ہمیں ڈاکٹر نذیر احمد شہید سابق رکن قومی اسمبلی پاکستان کے قاتل شاہ نواز خان کے بارے میں ایک روایت موصول ہوئی ہے کہ اس کے بھائی حافظ محمد نواز سدوزئی نے لکھا

ہے کہ اس مقدمہ کی تاریخ فیصلہ سے پہلے حضرت سید علی احمد شاہؒ کے مزار پر حاضر ہوا نفل پڑھتے ہی غنودگی طاری ہوگئی ۔ اسی وقت آواز آئی کہ اگست کا انتظار کرو میری آنکھ کھل گئی ۔ اور میں یہ واقعہ سنانے کے لئے میاں سردر بودلہ کے مکان پر پہنچا اگلے روز شاہنواز بری ہوگیا ۔ لوگ میری اس بات پر ہنستے تھے کہ تم تو کہتے تھے کہ فیصلہ اگست میں ہوگا ۔ فیصلہ تو آج ہی ہوگیا ۔ لیکن اگست کے مہینے میں شاہنواز خان پولیس کے ہاتھوں مارا گیا ۔ چنانچہ اب یقین ہوگیا کہ صحیح فیصلہ تو یہی تھا کہ جس کی طرف اشارہ ہوا تھا ۔

حافظ نظام الدین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ قبرستان میں تشریف لے گئے میں ہمراہ تھا ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ میرے والد محترم کی بھی قبر پر تشریف لے جائیں ۔ لیکن ہیبت و جلال کے سبب کچھ عرض نہ کر سکا ۔ آپ جب فارغ ہوئے تو میرے والد کی قبر کی طرف رخ کیا ۔ نزدیک جاکر فرمایا "یہی تمہارے والد کی قبر ہے" میں نے تصدیق کی ۔ فاتحہ سے فراغت پاکر آپ واپس تشریف لائے ۔ راستے میں مجھے خیال ہوا کہ والد کی زیارت کے بارے میں کچھ فرماتے تو اطمینان ہو جاتا ۔ آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا " اللہ تعالیٰ نے اسے بسبب عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بخش دیا ہے" ۔ میں آپ کی اس روشن ضمیری کو دیکھ کر حیران ہوا اور یقین محکم ہوگیا کہ اصحاب القلوب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں ۔

مولوی عبدالحمید خان کے پاس ایک کتاب کا قلمی نسخہ تھا ۔ جسے وہ بڑی احتیاط سے رکھتے تھے ۔ آپ نے مطالعے کے لئے مستعار طلب کیا ۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ جب میں مذکورہ نسخہ لے کر آرہا تھا ۔ تو مجھے خیال آیا کہ یہ بزرگوں کی نشانی ہے

۱ ۔ از تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی ص نمبر ۲۰۳

حضرت کہیں رکھ کر بھول نہ جائیں۔ جب میں نے یہ نسخہ خدمت میں پیش کیا تو آپ نے تبسم کناں فرمایا " مولانا کتاب بڑی نایاب ہے۔ ایسا نہ ہو کہیں یاد نہ رہے۔ خود ہی یاد سے دو چار دن کے بعد لے جانا۔" آپ کے اس ارشاد پر مجھے بے حد ندامت ہوئی اور عرض کی کہ " اس قدر عجلت کی کیا ضرورت ہے۔"

وصال کے بعد

عبدالرحمان خان مرحوم ضلع میرٹھ کے جاگیردار تھے بڑے زندہ دل اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے۔ قبلہ سرکار سے انہیں بے حد عقیدت تھی خود قبلہ سرکار بھی انہیں مل کر بہت محظوظ ہوتے تھے۔ آپ کے وصال کا انہیں بے حد قلق ہوا کہ ابھی شناسائی ہوئی تھی کہ اور اتنی جلدی یہ بابرکت صحبت ختم ہوگئی اور وہ ہستی بچھڑ گئی جو ہر غم کا مداوا کرتی تھی۔ جو سکون قلب کا باعث تھی۔ خاں صاحب کا بیان ہے کہ شب و روز اسی غم میں گزر رہے تھے کہ ایک رات خواب میں قبلہ سرکار کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ " جو تعلقات قائم ہو جاتے ہیں وہ ٹوٹتے نہیں۔" اس خواب سے خان صاحب کی ڈھارس بندھی۔

قبلہ سرکار کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی خان صاحب کے پوتے تشکیل (جس کی عمر پانچ سال کی تھی) کے کان میں درد ہوا۔ وہ درد سے بڑا بے چین تھا رات کے وقت درد کی وجہ سے نیند بھی نہیں آرہی تھی۔ اس کی تکلیف دیکھ کر خاں صاحب بھی سخت پریشان تھے۔ اسی پریشانی میں آنکھ لگ گئی خواب میں قبلہ سرکار کی زیارت ہوئی۔ خان صاحب نے عرض کیا " سرکار تشکیل کے کان میں درد ہے کان میں دوا بھی ڈالی ہے۔ مگر افاقہ نہیں ہوا"۔ قبلہ سرکار نے تشکیل کو دم کیا اور فرمایا " درد ابھی ٹھیک ہو جائے گا"۔ اور خان صاحب کی آنکھ کھل گئی دیکھا

کہ بچہ جو کچھ دیر پہلے کان کے درد سے بے حال تھا۔ بڑے سکون سے سو رہا تھا
شادن لنڈ سے کچھ عورتیں اور مرد، ڈیرہ غازی خان میں رہنے والے ایک
عزیز (جو ٹرانسپورٹ میں ملازم تھے) کے ساتھ میاں سرکار کے پاس حاضر ہوئے
ان کے عزیز نے میاں سرکار سے ان لوگوں کا تعارف کرایا کہ ہم لوگ فقہ جعفریہ سے
تعلق رکھتے ہیں اور شادن لنڈ سے آئے ہیں۔ پھر ایک اٹھارہ بیس سال کے نوجوان
کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ کارخانہ دار ہیں اس لڑکے کی والدہ صوم و صلوٰۃ کی
پابند اور بڑی نیک خاتون ہیں۔ دو سال پیشتر یہ کربلا گئی تھیں وہاں انہوں نے
حضرت عباس علمدارؓ کی منت مانی تھی ان کا کام بفضل خدا ہو گیا۔ اب منت آتارنا
تھی مگر عراق ایران کی جنگ کی وجہ سے عراق کے ویزے بند ہیں۔ اس لئے یہ
وہاں نہیں جا سکیں اس کا انہیں بے حد قلق تھا۔ اسی پریشانی میں انہیں زیارت
بھی ہوئی اور بشارت بھی۔

حضرت عباس رضؓ نے خواب میں فرمایا "ڈیرہ غازی خان میں دربار قادریہ پر جا
کر تم ہماری منت آتار دو۔ وہ ہمارے نور نظر ہیں۔ ہم میں اور ان میں کوئی فرق
نہیں"۔ انہوں نے مجھے یہ خواب سنایا اور پوچھا کیا "ڈیرہ غازی خان میں دربار
قادریہ کے نام سے کوئی مزار شریف ہے"۔ میں نے انہیں بتایا کہ "یہ حضرت مخدوم
سید علی احمد شاہ قدس سرہٗ کا مزار مبارک ہے میں نے بھی ایک دو دفعہ وہاں
حاضری دی ہے۔ آپ کو بھی وہاں لے چلوں گا چنانچہ میں انہیں لے کر آپ کی
خدمت میں حاضر ہوا ہوں"۔ پھر نیچے تہہ خانے میں جانے کی اجازت چاہی میاں
سرکار نے بخوشی اجازت دے دی۔ اس خاتون نے نیچے جا کر منت اتاری تو اسے
سکون اور چین نصیب ہوا۔

حاجی بندو خان بیان کرتے ہیں "کہ آپ اپنی حیات میں فرمایا کرتے تھے

کہ فیض روحانی کا سلسلہ سینہ بسینہ چلتا ہے آپ کے وصال کے بعد تین چار ماہ بعد خواب میں دیکھتا ہوں کہ آپ مزار شریف سے آٹھ دس اصحاب کے ہمراہ مکان کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر مشرقی جانب سے مکان کا دروازہ کھولا اور صاحبزادہ میاں مقبول محی الدین کو آواز دی۔ پھر آپ نے صاحبزادہ موصوف کو گلے سے لگایا۔ خوب بھینچا اور میری جانب مخاطب ہو کر فرمایا "اب تو تمہاری تسلی ہو گئی ہے کہ روحانیت کا سلسلہ سینہ بسینہ چلتا ہے" اس کے بعد اسی طرح مزار شریف کی طرف واپس تشریف لے گئے۔ بعد ازاں میری آنکھ کھل گئی"۔

از تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی ص نمبر ۲۱۶

ارشاداتِ عالیہ

دِل کی آبادی

ایک روز ارشاد فرمایا

اولیا اللہ باوجود کمالات اور اعلیٰ مراتب و مقامات کے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ انہیں ہر لمحہ اپنے مالکِ حقیقی کی خوشنودی کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اس لئے ہر دم اور ہر لحظہ اسی کی رضا جوئی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کا حضرت امام احمد بن حنبل رح بہت ادب کیا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت امام رح کے شاگردوں نے عرض کیا کہ "آپ بشر حافی رح کا اتنا ادب کیوں کرتے ہیں جبکہ وہ علم و فضل میں آپ سے کمتر ہیں"۔ حضرت امام رح نے فرمایا کہ "میں کتاب کا عالم ہوں اور بشر علوم باطنی کے عالم ہیں"۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے بغرض امتحان ایک سوال سجدۂ سہو کے متعلق دریافت کیا حضرت بشر حافی رح نے فرمایا! "بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو اور سہو ہو جائے یہ امر قابل تعجب ہے"۔ پھر آپ رح سے زکواۃ کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ رح نے فرمایا! "ہم اتنا رکھتے ہی نہیں کہ جس پر زکواۃ فرض ہو"۔

بشر حافی رح کو حافی (ننگا پاؤں چلنے والا) کا لقب یا خطاب بارگاہِ خداوندی سے اس لئے ملا تھا کہ جب حضرت بشر حافی رح تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے "زمین کو ہم نے بچھونا بنایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں"۔ تو حضرت پر یکایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور بے ساختہ زبان سے نکلا کہ "بشر کی کیا مجال

کہ اللہ کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتا پہن کر چلے"۔ اس کے بعد آپؒ نے کبھی جوتا نہیں پہنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی یہ قدر فرمائی کہ زمین کو حکم دیا کہ جدھر سے بشر ننگے پیر نکلیں اے زمین! تو گندگی کو نگل جایا کر۔

انسان کا نفس ہی اس کو سرکشی پر ابھارتا ہے۔ جس نے اس پر قابو پالیا اس نے گویا تمام برائیوں پر قابو پالیا۔ بزرگان دین اور اولیاء اللہ کس طرح اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہیں اس سلسلہ میں قبلہ سرکارؒ نے ایک موقع پر یہ حکایت بیان فرمائی۔

ایک بزرگ تنہائی میں بیٹھے ہوئے اکثر کہا کرتے تھے "نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا۔ پھر میں تیرا کہا کیوں مانوں"۔ یہ خبر ایک روز شہر کے قاضی تک جا پہنچی۔ قاضی نے ان کو طلب کیا اور سختی سے پوچھا کہ "تم کس سے گفتگو کیا کرتے ہو"۔ انہوں نے کہا کہ "میرا نفس بڑا سرکش ہے جب یہ سرکشی کرتا ہے تو میں اپنے نفس سے یہی کہتا ہوں کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا پھر تیرا کہا کیوں مانوں"۔ اللہ کے بندے اپنے نفس کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔

صبر

صبر کے بارے میں ایک بار فرمایا کہ صبر و اطمینان کا مدار ظاہری اسباب پر نہیں بلکہ قلب اور صرف قلب پر ہے اور اطمینان قلب اللہ کے ذکر کے بغیر میسّر نہیں آتا کیونکہ خالق نے اس کی غذا صرف اپنی یاد ہی رکھی ہے ارشادِ ربانی ہے

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

خوب غور سے سن لو کہ دل کو اطمینان صرف میری ہی یاد سے مل سکتا ہے۔
بڑے بڑے لوگ دنیاوی افکار کی بناء پر اس دولت سے خالی ہیں مگر ایک

بوریہ نشین سکون واطمینان کے ساتھ زندگی گزارتا ہے کیونکہ اس کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی پر راضی ہوتا ہے تو اس کی رضا کا پرتو اس مقبول بندے پر بھی پڑتا ہے۔ جس کے فیض سے اس کے پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں رہتے۔

صبر انسان کو کتنے بلند مقام تک پہنچا دیتا ہے اس سلسلہ میں آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی بیوی بڑی تندمزاج تھی اور شیخؒ کی زندگی کو تلخ کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی طالب دور دراز سے آپؒ کی زیارت کو حاضر ہوا۔ اس وقت آپؒ جنگل تشریف لے جا چکے تھے۔ اس نے دروازہ پر دستک دی آپؒ کی اہلیہ نے کہا "کیوں آئے ہو؟" طالب نے بڑے احترام سے آپؒ کا نام لیا اور عرض کیا کہ زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ شیخ خرقانیؒ کی بیوی نے پہلے تو آپؒ کو بہت برا بھلا کہا پھر اس نو وارد سے کہنے لگیں

"احمق ہوتے ہو جو اتنا طویل سفر کیا۔ میں ان کو جانتی ہوں۔ ویسے بھی مجھ سے زیادہ شیخ کی حقیقت سے کون آگاہ ہو سکتا ہے"۔

لیکن اس آدمی کے بے حد اصرار پر بتلانا پڑا کہ آپ جنگل کو گئے ہیں۔ اس نے آزردہ ہو کر جنگل کی راہ لی۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ شیر پر بیٹھے۔ لکڑیوں کا ایک گٹھا لادے اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا لئے آرہے ہیں آپؒ نے طالب حق کی اس افسردگی کو پالیا۔ اور فرمایا "کچھ غم نہ کر۔ حق تعالیٰ نے مجھے اپنی بیوی کی بدمزاجی پر صبر کرنے سے ہی یہ درجہ عطا فرمایا ہے"۔

ع گر نہ صبرم می کشیدے بار زن
کے کشیدے شیر نر بیگار من۔

اگر میرا صبر بیوی کا بار نہ کھینچتا تو یہ شیر نر کب میری بیگار اٹھاتا)

عشقِ الٰہی

عشقِ الٰہی کے بارے میں آپؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے اس کی محبت شرطِ اول ہے اور وصول الی اللہ کے دو طریقے ہیں۔

طریقۂ زہد :- اس میں بہت دیر لگتی ہے۔

طریقۂ عشق :- بہت جلد منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ تمام غیرِ حق کو جلا ڈالتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں

؎ جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

عاشق اللہ کے راستے کو بہت جلد طے کر لیتا ہے کیونکہ عشق معرفتِ الٰہی کا زینہ ہے۔

؎ عشق آں شعلہ کہ چوں برافروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہو جائے تو معشوق کے علاوہ سب کو جلا دیتا ہے۔

اقبالؔ

برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن پاکیزہ ہستیوں کو اپنی محبت عطا فرمائی ہے ان سے پوچھو اس میں کیسی لذت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

الرحمٰن فاسئل بہٖ خبیر ۔

(رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو)

گر تو او رامی نہ بینی در نظر

فہم کن اما با اظہار اثر رومیؒ

ترجمہ :۔ اگر تم خدا کو اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو تو خدا کی مخلوقات پر غور کرو ۔ اثر کو دیکھ کر موثر کے وجود کا یقین کرو ۔ کیونکہ بغیر کسی موثر کے کسی اثر کا رو برو کے ساتھ محال ہے ۔

اہل اللہ کو اپنے پروردگار کی محبت میں جو لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے اس سے دنیا کی حقیقت ان پر ظاہر ہو گئی ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق میں اولیاء اللہ دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں ۔

حضرت ابراہیمؒ بن ادہمؒ نے اپنی محدود سلطنت چھوڑی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خشکی ، تری یعنی لامحدود سلطنت کا مالک بنا دیا ۔ ایک روز حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دریا کے کنارے بیٹھے اپنی گدڑی سیتے رہے تھے کہ اچانک وزیر کا وہاں سے گزر ہوا اس نے آپؒ کو مفلسی کی حالت میں گدڑی سیتے ہوئے دیکھا تو سوچا کہ کتنی نادانی ہے کہ انہوں نے حکومت اور تخت و تاج کو چھوڑ کر گدائی اختیار کی ۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے مسکرا کر اپنی زنگ آلود سوئی دریا میں پھینک دی اور حکم دیا کہ " اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ " ۔ اس حکم کا سننا تھا کہ ہزاروں مچھلیاں پانی کی سطح پر ابھریں ہر مچھلی کے منہ میں ایک ایک سنہری سوئی تھی ۔ آپؒ نے فرمایا کہ " مجھے اپنی سوئی چاہیئے " ۔ اس پر ایک مچھلی کے منہ میں وہی زنگ آلود سوئی دیکھ کر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے وہ لے لی اور وزیر کی طرف دیکھا ۔ وہ ایک آہ بھر کر قدموں پر گر پڑا ۔ آپؒ نے پوچھا " دل کی سلطنت بہتر ہے یا ملک کی سلطنت بہتر تھی " ۔

ے سرمدؔ غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

ترجمہ:۔ اے سرمد! اللہ تعالیٰ کے عشق کا غم اہل ہوس کو نہیں دیا جاتا۔ جس طرح پروانے کا سوزِ غم مکھی کو نہیں دیا جاتا۔ محبوب سے قرب حاصل کرنے کے لئے ایک عمر چاہیئے۔ یہ دولتِ قربِ سرمدی ہر کس و ناکس کو عطا نہیں کی جاتی۔

ے اسرارِ محبت را ہر دل نہ بود قابل
در نیست بہر دریا زر نیست بہر کانے

ارشاد فرمایا کہ عشق الٰہی ان لوگوں کا حصّہ ہوتا ہے جو محض ذاتِ حق سے محبت رکھتے ہیں حضرت ابن فارض ایک جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہیں جنت میں عالیشان محل دکھلایا گیا۔ جو ان کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ بزرگ موصوف نے بے ساختہ بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کی "خداوندا اگر میری محبت کا صلہ تیرے نزدیک یہی ہے تو میں نے فقط تیری رضا کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا نہ کہ جنت کی طلب اور خواہش کے لئے"۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آئی ایک تجلی ظاہر ہوئی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت سرمد شہید فرماتے ہیں۔

ے سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد

ے یا تن برضائے دوست می باید دار
یا قطع نظر زیار می باید کرد

ترجمہ :۔ اے سرمدؔ زیادہ شکوۂ محبت بیکار ہے۔ اس کو مختصر کر اور اب دو میں سے ایک کام کر گزرنا چاہیئے۔

سرمد غمِ عشق بو الہوس را ندہند
سوزِ غم پروانہ مگس راند ہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمدؔ ہمہ کس راندہند

اس سلسلہ میں آپؒ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ تھے جو اللہ تعالیٰ سے خاص محبت طلب کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جنگل سے گزر رہے تھے کہ اچانک قبولیت کا وقت آگیا اور انؒ کی طلب پوری ہوگئی۔ پھر کیا تھا وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور بزبانِ حال فرمایا۔

یا رب چہ چشمۂ محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم
حضرت سرمدؔ

اے میرے رب تیری محبت کا چشمہ بھی کیسا ہے کہ اس چشمہ سے پیا تو تھا ایک قطرہ اور دریا کا دریا آنسوؤں کی صورت میں بہہ گیا۔ مولانا رومؔ فرماتے ہیں۔

اے دریغا اشک من دریا بدے
تا نثار دلبرِ زیبا شدے۔

اے کاش میرے آنسو دریا ہو جاتے یہاں تک کہ وہ بہتے ہوئے محبوبِ حقیقی کے پاس پہنچ جاتے اور محبوب ہو جاتے۔

ایک مجلس میں عشق پر گفتگو ہوئی تو آپؒ نے فرمایا۔ عاشقوں کی گفتگو حق تعالیٰ کی محبت میں کبھی بظاہر خلافِ ادب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس کا منشاء بے ادبی نہیں ہوتا۔ اور یہ واقعہ بیان کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مجذوب چرواہا تھا اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار تھا۔

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا۔

وہ مجذوب چرواہا زبانِ محبت سے جنابِ باری تعالیٰ میں عرض کر رہا تھا "اے میرے ربّ تو کہاں ہے۔ اگر تو مل جائے تو میں تیری نوکری کروں اور تیری گدڑی سیا کروں اور تیرے بالوں میں کنگھی کیا کروں۔ اگر تیرے سر میں جوئیں پڑ جائیں تو نکالا کروں اور اگر کبھی تو بیمار ہو جائے تو میں تیری تیمارداری کروں۔ اگر میں تیرا گھر دیکھ پاؤں تو صبح و شام اپنی بکریوں کا دودھ تیرے گھر لایا کروں اور تیرے ہاتھوں اور تیرے پاؤں کو دباؤں اور سوتے وقت تیری خواب گاہ میں جھاڑو دیا کروں۔ اے اللہ! تجھ پر میری تمام بکریاں قربان ہوں"۔

اس راہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا۔ آپؑ نے جب اس مجذوب کی یہ التجا اور سرگوشی سنی تو فرمایا "او بے ادب تُو کافر ہو گیا۔ دودھ تو وہ پیتا ہے جس کو نشو و نما کی ضرورت ہو۔ گدڑی وہ پہنتا ہے جو محتاجِ جسم ہو"۔ چرواہا اس جلیل القدر پیغمبر کی باتوں سے سہم گیا۔ اور گھبرا کر عرض کی۔

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی
وز پشیمانی تو جانم سوختی
جامہ را بدرید و آہے کرد
سر نہاد اندر بیاباں و برفت

ترجمہ، اور خوفزدہ ہو کر اپنا جامہ پھاڑ لیا۔ غلبۂ حزن و ملال اور ندامت سے ایک آہ کی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ تب حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی آئی

وحی آمد سوئے موسیٰؑ از خدا
بندۂ مارا زما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی
یا برائے فصل کردن آمدی

(باری تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے میرے بندے کو مجھ سے جدا کر دیا۔ آپ کا کام تو بندوں کو حق تعالیٰ سے ملانا ہے۔ نہ کہ جدا کرنا) ہر فرد کو میں نے علیحدہ علیحدہ سیرتیں عطا فرمائی ہیں۔ ہر ایک کو الگ الگ صلاحتیں عطا کی ہیں اس نادان چرواہے کے نزدیک یہی کلمات میری تعریف میں تھے۔ آپ جیسے ذی شعور اہل علم وعقل کے لئے وہ کلمات ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں ہم ظاہری قیل وقال کو نہیں دیکھتے ہم تو دل کا حال اور اخلاص دیکھتے ہیں۔ اے موسیٰؑ عقل مندوں کے لئے اور آداب ہیں اور جو میرے عشق میں سوختہ جاں ہیں ان کیلئے اور آداب ہیں۔

قبلہ سرکار نے فرمایا کہ محبت کی کمی سے اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ عقل خام یا ناقص ہے تکبر سکھاتی اور چون وچرا میں مبتلا کرتی ہے۔ بندے کا کام بندگی کرنا ہے۔ اعتراضات وشبہات اسی وقت سر اٹھاتے ہیں جب تک محبت پیدا نہ ہو۔ ورنہ محبت تو محبوب کی اطاعت وفرمانبرداری سے ہی فرصت نہیں لینے دیتی۔

ما آنچہ خوانده ایم فراموش کرده ایم
الّا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

جو کچھ ہم نے پڑھا تھا وہ سب بھلا دیا۔ اب صرف محبوب کا ذکر اور اس کی تکرار ہے۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس۔

ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا۔ ہم سے مہر و وفا کی حکایت کے علاوہ کچھ نہ پوچھ۔

محض عقل کا راستہ خطرناک ہے۔ قصور شیطان سے بھی ہوا اور حضرت آدمؑ سے بھی ہوا۔ لیکن شیطان نے چوں و چرا کی۔ اعتراض کیا۔ یعنی عقل کا راستہ اختیار کیا امرِ الٰہی کا ادب نہ کیا اور مردود ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے قصور اور خطا کی کوئی تاویل نہ کی اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہہ کر اعتراف کیا کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اگر آپ ہمیں نہ بخشیں گے تو ہم خسارے میں رہیں گے۔ اعترافِ خطا کیا اور محبوب ہوئے۔ اس مضمون کو حضرت مولانا رومؒ یوں فرماتے ہیں۔

داند آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی ابلیس و عشق از آدم است۔
رَبَّنَا اِنَّا ظلمنا گفت و آہ
یعنی آمد ظلمت و گم گشتہ راہ

اور جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل پیرا ہو کر یعنی اپنی ہر خطا اور قصور پر ندامت کے آنسو لے کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ اقبالؔ اس مضمون کو اپنے اچھوتے انداز میں بیان کرتا ہے۔

ے موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے۔

ایک روز فرمایا ایاز محمود کا غلام تھا۔ ایاز نے اپنی خدمت سے محمود کے دل میں ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ محمود اس کو اپنا محبوب و مقرب سمجھتا تھا محمود نے جب ایاز کو خریدا تھا تو اس وقت ایاز کے پاس صرف ایک پرانی گدڑی اور بوسیدہ سی پوشاک تھی۔ ایاز نے وہ گدڑی اور بوسیدہ پوشاک احتیاط سے ایک مقفل کمرے میں رکھی

ہوئی تھی وہ ہر روز رات کے وقت اس کمرے میں آتا۔ اپنی گدڑی اور بوسیدہ پوشاک کو دیکھتا اور پھر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا۔ "اے ایاز! ایک دن وہ تھا تو اس بوسیدہ گدڑی میں یہاں آیا تھا اور آج تو مقرب سلطان ہے۔ بادشاہ کی تجھ پر بہت زیادہ عنایت ہے۔ اپنی حقیقت کو یاد رکھ۔"

ارکین سلطنت بادشاہ کے خصوصی التفات اور ایاز کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے سبب حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ انہیں موقع ہاتھ آگیا۔ مشہور کر دیا کہ ایاز شاہی خزانہ سے مال و زر چرا کر جمع کر رہا ہے اور روزانہ رات کے وقت کمرے میں تنہا جاتا ہے۔ سلطان محمود کو بھی خبر کر دی گئی۔ سلطان نے حکم دیا کہ آدھی رات کو کمرے کی تلاشی لی جائے۔ حاسد بہت خوش تھے کہ آج رات ایاز کا بھرم کھل جائے گا۔ چنانچہ کمرہ کھلوا کر تلاشی لی گئی تو پرانی گدڑی اور بوسیدہ پوشاک کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ بالآخر ناکام و نامراد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محمود نے ایاز سے پوچھا "اے ایاز! اس قدر اہتمام و حفاظت سے اس گدڑی اور پوستین کو کیوں اٹھا رکھا ہے۔" ایاز نے عرض کی۔ "اے بادشاہ! میں اس گدڑی اور پوستین کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں اور اپنے نفس سے کہتا ہوں "اے ایاز! یہ سب نعمتیں اور عزت و تکریم بادشاہ کی عنایت کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ تو وہی ہے جو اس سے قبل تھا۔" اس کے بعد حضرت قبلہ سرکار نے فرمایا "اگر انسان اپنی پیدائش پر غور کرے تو کبھی تکبر سے کام نہ لے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ کی سب سے بڑی دلیل خود انسان کا اپنا وجود ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ "اے انسان تو خود ایک کتاب مبین ہے یعنی تو اللہ کی پہچان اپنے اندر لئے ہوئے ہے خواجہ غلام محی الدین جالندھری پیر قادری رح کا شعر ہے۔

ے اپنی آپ کتاب پڑھو ایسی کوئی تلاوت نہ ہی
نفس اپنے پر حاکم ہونا ایسی اور شجاعت نہ ہی ۔

ارشاد فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو سمجھنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان تندہی سے اس کی یاد میں مصروف رہے احکام الٰہی پابندی سے بجالائے ۔قرآن و سنّت کا پابند ہو۔ خوفِ خدا ہر وقت اپنے دل میں رکھے ۔کثرت سے درود شریف اور استغفار کا ورد کرے ۔ عبادات اور مجاہدات سے اپنے آپ کو سنوارے ،عشق رسول ؐ سے اس کا دل سرشار ہو ۔معرفتِ الٰہی سے نفس کی پہچان ہے تزکیۂ نفس سے دل زندہ ہوتا ہے ۔ اور دل میں روشنی پیدا ہوتی ہے ۔ روشنی سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے ۔جس قدر قلب کو جلا ملے گی اتنا ہی قلب صاف ہوگا اور اتنا ہی انوارِ الٰہی کی شعاعیں جلوہ ریز ہوں گی ۔انسان کی ساری زندگی اس کے قلب کے گرد گھومتی ہے اور قلب و روح کی آبادی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے ۔ دل اللہ کا گھر ہے اگر گھر کا مالک گھر میں نہیں ہو گا تو یہ گھر ویران اور غیر آباد ہو جائے گا ۔جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں اللہ انہیں بھلا دیتا ہے ۔جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا ۔ اپنی پہچان اللہ تعالیٰ کی یاد سے میسّر آتی ہے ارشاد ربّانی ہے ۔

"فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ"

ترجمہ :۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۔

دراصل اللہ تعالیٰ کی یاد کا چراغ روح میں تیل کا کام دیتا ہے اور قلب کے شیشے کو فانوس کی طرح چمکا دیتا ہے ۔اس سے تمام باطن روشن ہو جاتا ہے ۔ اور اس روشنی سے ذاکر کو اپنی خامیاں نظر آنے لگتی ہیں ۔ اس کے برعکس اگر اپنے اندر تاریکی اور اندھیرا ہو تو پھر انسان دوسروں کے عیب دیکھتا ہے اور اپنے آپ سے غافل رہتا

ہے۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ؔ پاس اگر تو نہیں شہر ہے ویران تمام

تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ وکو۔

قبلہ سرکار نے مولانا روم کے حوالے سے ایاز کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے ارشاد فرمایا کہ بدن بدن سلطان محمود کی نظروں میں ایاز کی مقبولیت دیکھ کر امراء ایان سے حسد کرنے لگے اور اس پر طرح طرح کے الزامات تراشنے لگے۔ سلطان محمود نے حاسدوں کے سامنے ایاز کی جانثاری، ایثار، محبت اور وفاداری واضح کرنے کے لئے ایک دن بہت سے بیش بہا موتی اور جواہرات اپنے سامنے بکھیر دیئے۔ اور اعلان کیا کہ جو جس موتی ہیرے پر ہاتھ رکھ دے گا وہ اسی کا ہے۔ ہر ایک نے جواہرات اور موتیوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ جب ایاز کو حکم ہوا تو وہ اٹھا اور بادشاہ کے اوپر ہاتھ رکھ کر کہا "میں تو صرف آپ کو ہی چاہتا ہوں"۔ یہ واقعہ سنا کر قبلہ سرکار نے فرمایا "عارفینِ حق کی شان یہی ہے کہ وہ تمام جہان سے مستغنی ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے خواہاں رہتے ہیں"۔ سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

بسو دائے جاناں رجاں مشتغل

بذکر حبیب از جہاں مشتغل

بیادِ حق از خلق بگریختہ

چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

ترجمہ:۔ محبوب حقیقی کی محبت میں ایسے سرگرم ہیں کہ اپنی جان سے بھی بے پراہ ہیں اور سارے جہان سے بے پراہ ہیں اور سارے جہان سے بے پراہ ہو کر ذکر حبیب میں لگے رہیں گے۔

یادِ حق میں مخلوق سے بھاگے ہوئے ہیں۔ اور ساقیٔ ازل پر ایسے مست ہیں

کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا۔ اور منعم حقیقی کی ذات پر ہر وقت ٹکٹکی بندھی ہوتی ہے۔

سلطان محمود کے پاس ایک بیش بہا جام تھا ایک دن سلطان نے اراکینِ دولت کو حکم دیا کہ اس جام کو توڑ دو۔ سب نے عذر کیا کہ حضور ایسی نایاب چیز توڑنا مناسب نہیں۔ آخر ایاز کو اشارہ کیا۔ اس نے بلا تامل جام کو چور چور کر دیا۔ اہل دربار نے اس کو ملامت کی کہ آہ ایسی نایاب چیز تو نے ضائع کر دی۔ ایاز نے جواب دیا "تو نے پیالے کی نایابی کو مدِ نظر رکھا اور میں فرمانِ شاہ کا پابند ہوں"۔ بادشاہ نے بھی بظاہر ناراضگی سے پوچھا کہ "تم نے پیالہ کیوں توڑا؟" جبکہ تمام اہلِ دربار نے اتنا قیمتی جام توڑنے کی جرأت نہیں کی"۔ ایاز نے دست بستہ عرض کیا "کہ حضور قصور ہو گیا۔ معاف فرمائیں"۔ بادشاہ نے اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس کی فرمانبرداری نے ہی اس کو دلداری کا رتبہ دیا ہے۔ جس پر تم سب حسد کرتے ہو۔

ے گناہ اگرچہ اختیارِ ما نبود حافظؔ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہ من است ۔

قبلہ سرکارؒ نے عشق الٰہی کے بارے میں حضرت شمس تبریزؒ کا واقعہ سنایا۔
ایک دفعہ حضرت شمس تبریزیؒ نے دعا کی کہ اللہ مجھے ایسا بندہ عنایت فرما جو میری آتشِ محبت کا متحمل ہو سکے۔ اور میں عشقِ الٰہی کی امانت اس کے سپرد کر سکوں۔ دعا قبول ہوئی۔ آپؒ روم کی طرف روانہ ہوئے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ پر نظر پڑی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپؒ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ درس اور وعظ وغیرہ چھوٹ گیا اور آپؒ کی صحبت میں سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ اپنے شیخ سے دم بھر کی جدائی کا تحمل بھی جاتا رہا۔ مولانا روم ایک غزل میں فرماتے ہیں۔

ے نہ تنہا من دریں میخانہ مستم

ازیں مے ہمچوں من بسیار شد مست

ازیں مے جرعۂ پاکان چشیدند

جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ شد مست

چوں برمن شمس تبریزیؒ نظر کرد

تو ملاؔ بر سرِ بازار شد مست ۔

ترجمہ ۔ میں اکیلا ہی اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست نہیں ہوں بلکہ اس میں مجھ جیسے بہت سے مست ہیں چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ حضرت شیخ شبلیؒ اور حضرت عطارؒ سب کے سب مست ہو گئے ۔ جب مجھ پر حضرت شمس تبریزیؒ نے نظر ڈالی تو یہ مُلاّ رومی بر سرِ بازار مست ہو گیا ۔ پھر فرمایا ۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد ۔

مولانا روم نے اپنے شیخ کی صحبت میں رہ کر اس آتشِ عشق کو جذب کر لیا جس کے متعلق آپؒ کے شیخؒ نے دعا مانگی تھی ۔ پھر علوم و معارف کا مولانا رومؒ پر ایسا اثر ہوا کہ آپ نے تقریباً بیس ہزار اشعار کی مثنوی لکھی جس کا ہر شعر الہامی شان رکھتا ہے ۔ اس کے علاوہ آپ کا ایک دیوان بھی ہے ۔ اس میں پچاس ساٹھ ہزار اشعار موجود ہیں ۔ بعض لوگ غلطی سے اس کو حضرت شمس تبریزیؒ کا دیوان سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ انہوں نے از راہ عقیدت مقطع میں شمس تبریزیؒ کا نام رکھا ہے ۔

حضرت قبلہؒ اولیاءُ اللہ کی دشمنی اور ایذا رسانی کے بارے میں اکثر فرماتے کہ اہل اللہ سے دشمنی نہیں رکھنی چاہیے ۔ ان کو ایذا پہنچانے والے بہت جلد اللہ کی ناراضگی کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد ۔

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رسوا نہیں کرتا جبتک وہ کسی صاحبِ دل کو اذیت نہیں پہنچاتی ۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھی کو چھیڑنا مگر ہاتھی کے بچے کو مت چھیڑنا کیونکہ وہ اپنی تکلیف تو برداشت کرسکتا ہے لیکن اپنے بچے کی تکلیف کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد یہ واقعہ بیان کیا۔

ایک دفعہ جنگل میں ایک بارات نے قیام کیا۔ باراتیوں میں سے کوئی شخص بوجہ ضرورتِ بشری ذرا دور نکل گیا۔ راستے میں ایک ہاتھی کا بچہ سویا ہوا تھا اس نے تلوار سے اُسے قتل کردیا۔ اور خود رفع حاجت کے بعد واپس آکر سو رہا۔ ہاتھی نے جب اپنے مقتول بچے کو دیکھا تو بہت غضبناک ہوا۔ اور بُو سونگھتا ہوا قاتل کی تلاش میں وہاں آ پہنچا جہاں بارات ٹھہری ہوئی تھی اور قاتل کی گردن مروڑ دی۔ نہ صرف یہ بلکہ بدن کو بھی چیر کر پھینک دیا۔ اس کے بعد آپؒ نے فرمایا۔ اہل اللہ کے اہل وعیال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حلیم ہے۔ لیکن جب کوئی اس کے مقبول بندے کو اذیت پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آجاتا ہے۔ اور اس کو رسوا کردیتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے۔

" جو میرے ولی سے عداوت رکھتے ہیں۔ میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں"۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ کیتھل کا راجہ مذہبی اعتبار سے بہت متعصب تھا۔ ایک دفعہ اس نے وہاں کے حضرت مخدوم امان اللہؒ عرف پیر مخدومؒ صاحب کی قبرؒ کے اوپر چوکی لگا کر اشنان کیا۔ اسی وقت اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ بہت گھبرایا اور نواب کنج پورہ کو چونکہ رسمِ دوستی تھی پیام بھیجا کہ آپ کے شہر میں مسمّی رام سینی

ایک گرد کیمیا گر رہتا ہے۔ اس سے ایک چاول بھر اکسیر لے کر بھجوائیے تاکہ میں اس مرض سے نجات پاؤں۔ نواب نے بصد مشکل اس فقیر سنیاسی سے قدرے اکسیر لے کر بھجوائی۔ راجہ کو وہم پیدا ہوا کہ نہیں معلوم اکسیر اصلی ہے یا نہیں؟ پہلے امتحان کرنا چاہیئے۔ چنانچہ تانبے پر وہ اکسیر موافق ترکیب ڈالی گئی تو وہ تانبا سونا بن گیا۔ تب راجہ کو یقین ہوا کہ راجہ نے نواب سے دوبارہ اکسیر بھجوانے کی استدعا کی۔ کیمیا گر کو عالم خواب میں جناب پیر مخدوم صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ راجہ کو مزید اکسیر نہ دی جائے۔ کیونکہ راجہ کو بے ادبی اور گستاخی کے سبب سزا دی گئی ہے۔ نواب صاحب نے سنیاسی سے دوبارہ اکسیر منگوائی تو اس نے بصد ادب نواب سے استدعا کی کہ راجہ غضب الٰہی میں مبتلا ہے۔ میں اس کے لئے ہرگز دوا نہ دوں گا۔ اگر آپ کو اپنی ریاست کا گھمنڈ ہے تو میں آج ہی یہاں سے نقل مکانی کر جاتا ہوں۔ نواب نے اسے تسلّی دے کر کہا کہ اگر یہ بات ہے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے۔ ہم کو کیا غرض ہے۔ راجہ ہے تو اپنے گھر کا۔

اس کے بعد جناب قبلہ رحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر کیسے کیسے ظلم ہوئے۔ لیکن نتیجۃً یزید یا یزید کو کوئی سزا نہیں دی۔ اور مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اِدھر جناب مخدوم صاحبؒ نے راجہ کو فوراً اس کی گستاخی اور بے ادبی پر گرفت کر کے اس کی گستاخی کا مزا چکھا دیا۔ کیا مخدوم صاحب حضرت امام حسینؑ سے زیادہ کامل تھے؟ پھر فرمایا کہ نہیں بلکہ حضرت امام عالی مقام رضؓ مرد میدان تسلیم رضا تھے۔ اور یہ بزرگ رضا اور تسلیم میں ناقص تھے۔

یہ واقعہ سنا کر آپؒ نے مولانا رومؒ کا یہ شعر پڑھا۔

؎ از خدا خواہم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از لطیف رب۔

ترجمہ:۔ ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کیونکہ بے ادب لطف رب سے محروم ہوگیا۔

؎ بے ادب تنہا نہ خود را۔ داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ترجمہ۔ بے ادب تنہا خود کو تباہ نہیں کرتا بلکہ سارے جہاں میں تباہی کی آگ لگا دیتا ہے۔

شیخ کا ادب

ارشاد فرمایا۔ آج کل نقشبندی تذکروں میں حزم و احتیاط اور حفظ مراتب کا خیال نہیں رکھا جاتا جبکہ حضرت مجدد صاحب رح نے آداب مریدین پر ایک جامع کتاب تحریر فرمائی ہے۔ مگر بعض لوگ عقیدت کے جوش میں تجاوز کر جاتے ہیں جس سے ان بزرگوں کے مشائخِ عظام کی اہانت کے پہلو نکل آتے ہیں۔ افسوس ان تذکرہ نگاروں نے تدبر اور تفکر سے کام نہیں لیا۔ اور اصطلاح صوفیہ سے ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً نقشبندیہ سلسلہ میں خواجۂ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے رہبر و رہنما ہیں اور سلسلۂ قادریہ میں حضرت مجدد صاحب رح حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہی رح کے دامن سے وابستہ ہیں۔ مگر بعض تذکرہ نگاروں نے لاپرواہی سے کام لیتے ہوئے کئی جگہ امام ربانی رح کو ان سے افضل و برتر بیان کیا ہے۔ اور ان کو اس طرح پیش کیا ہے کہ بے چارہ قاری الجھن میں پڑ جاتا ہے کہ کہیں حضرت مجدد الف ثانی رح ہی ان کے پیر نہ ہوں۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رح سر تا پا اپنے مشائخ کی محبت میں محو تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی عظمت و بزرگی کا اس سے بڑھ کر

کیا بیان ہوگا۔ کہ حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

"ہم کو حضور ختمی مرتبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت با برکت میسر نہیں آئی۔ مگر شکر ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی صحبت کی سعادت سے ہم محروم نہ رہے۔"

پھر ایک جگہ اعترافِ نعمت کے طور پر اپنے مرشد زادوں کو تحریر فرمایا "کہ یہ ناچیز از سرتا پا آپ کے والدِ محترم یعنی خواجہ باقی باللہ رح کے احسانات میں غرق ہے جن کی توجہ اور عنایت سے اڑھائی ماہ کی قلیل مدت میں اس عاجز کو نقشبندی سلسلے کی نسبت حاصل ہوگئی۔"

ملفوظاتِ نقشبندیہ میں حضرت مجدد الف ثانی رح اپنے قادری مرشد حضرت شاہ سکندر کیتھلی رح کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں "کہ سورج کو جبکہ وہ پورے عروج پر ہو اچھی طرح دیکھ سکتا ہوں مگر حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ کے قلب پر باوجود کوشش بسیار نظر نہیں ٹھہرتی۔"

ایک مرتبہ امام ربانی رح کے سب سے چھوٹے صاحبزادے کھیلتے ہوئے آئے اور حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ کی گود میں آکر بیٹھ گئے۔ مرشد امام ربانی رح نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور توجہ دی۔ اس پر امام ربانی رح نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا آج سے میں اس بچہ کو نام لے کر نہیں پکاروں گا کیونکہ یہ بادشاہوں کی گود میں بیٹھ چکا ہے۔ یہ صاحبزادے شاہ جیو کے نام سے مشہور ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد صاحب رح کے خاص مریدوں نے عوارف المعارف پڑھنی شروع کی اور آپ رح سے استدعا کی کہ اس کی شرح فرمائیں۔ چنانچہ آپ رح نے اس کتاب کے ایک ایک جزو کی شرح نہایت فصیح و بلیغ عربی میں لکھی لیکن پھر فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کی شرح لکھنی چھوڑ دی ہے۔ اس خوف سے

کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مقام پر کوئی ایسی بات آجائے جس سے اس کے مصنف کا ادب ہاتھ سے جاتا رہے۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ سے اختلاف کے باوجود ان کے احترام کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ عمر کے آخری حصہ میں حضرت مجدد صاحبؒ، شیخ اکبرؒ سے متفق[1] نظر آتے ہیں۔ محض تعبیر کا فرق باقی رہا۔

ارشاد فرمایا۔ ایک مرتبہ سید برکت علی نقشبندی نے دربار قادری کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کر کے وضاحت چاہی کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا "شیخ احمد! ہمارے کتے گرمی کی شدت سے بیتاب ہیں، ذرا انہیں نہلائیں"۔ حضرت مجددؒ حسبِ ارشاد کتوں کو نہلا کر واپس لائے۔ آپؒ بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا شیخ احمد! جس اخلاص اور محبت سے تو نے ہمارے کلب صاف کئے ہیں ہم نے تمہارا قلب صاف کیا۔ امام ربانی اس واقعہ کے متعلق یوں قمطراز ہیں "خدائے تعالیٰ از شستن سگانِ شاہ سکندرؒ آں قدر دربارۂ من عنایت فرمود کہ در مدت العمر گا ہے ندیدہ بودم[2]"۔

قبلہ سرکار نے فرمایا ایسے واقعات تمام لوگوں کی فہم سے بالا ہیں یہ تو وہی سمجھ سکتے ہیں جو اس کے اہل ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خواجہ خضرؑ کے واقعہ کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے ان کے وجود سے گاہ گاہ ایسے امور سرزد ہوتے ہیں۔ جو

۱۔ دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ شرائف غوثیہ کے مصنف حضرت شاہ غلام قادر بٹالویؒ متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

بظاہر خلافِ شریعت نظر آئیں گے مگر وہ عین مصلحتِ خداوندی کے تحت دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں اور مولانا رومؒ کا شعر پڑھا

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

در نوشتہ یکساں آید شیر و شیر

آپؒ نے فرمایا حضرت شیخ ابو سعید گنگوہیؒ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا ان کے مرشد حضرت شیخ نظام الدین بلغیؒ نے کتوں کی دیکھ بھال ان کے سپرد کی تھی پھر آپؒ نے خواجہ محکم الدین اویسیؒ کا واقعہ بیان فرمایا کہ کسی شخص نے حضرت سے دریافت فرمایا کہ حضرت یہ مدارج کمال آپ کو کس طرح حاصل ہوئے تب حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کتا بھوک پیاس کے مارے بے حال ہو رہا ہے۔ مجھ سے اس کی مصیبت نہ دیکھی گئی۔ اسے نہلا کر اپنے حجوں کے ثواب کے عوض ۷ت روٹیاں حاصل کیں اور اس کتے کو کھلائیں اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے بدلے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی۔

قربِ الٰہی

ارشاد ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اکثر قربِ الٰہی کے بعض ایسے واقعات گزرتے تھے کہ آپؐ بجز ذاتِ پاک کسی کو نہ پہچانتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں آپؐ اس وقت قربِ الٰہی کی وجہ سے تجلیات میں محو تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو نہ پہچان سکے اور دریافت فرمایا "تم کون ہو؟" عرض کیا "عائشہ" پھر فرمایا "کون عائشہ" عرض کیا "ابوبکر کی بیٹی"۔ پھر بھی وہی کیفیت بدستور رہی اور فرمایا "ابوبکر کون ہیں؟" عرض کیا "ابو قحافہ کے فرزند ہیں"۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا "ابو قحافہ کون ہیں؟" حضرت عائشہؓ پر دہشت کا غلبہ ہوا اور وہاں سے چپکے سے واپس لوٹ گئیں۔ بعد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وہ تمام ماجرا حضورؐ سے کہہ سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اے عائشہ! میرے اور میرے اللہ کے درمیان بعض مخصوص اوقات ہوتے ہیں اس وقت مجھے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے کہ اس مقام میں نہ تو کسی نبی مرسل کی رسائی ہوتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کی۔ اللہ اللہ"۔

علامہ اقبالؒ نے جو عبدیت اور عبدہٗ کا فرق بیان کیا ہے وہ حقیقت ہے

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
آں سراپا انتظار او منتظر

اس درجہ قربِ الٰہی کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عبدیت یہ تھی کہ آپؐ بکثرت استغفار فرمایا کرتے تھے۔

آپؒ نے کسی مرید کے اس سوال پر کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت

پچاہنا کس وجہ سے تھا جبکہ انبیاء علیہ السلام کی ذات معصوم ہوتی ہے۔ فرمایا "قرب کے درجات ہوتے ہیں۔ جن کی کوئی حد نہیں وہ لامحدود ہوتے ہیں نبوت اور ولایت کے درجات قرب ختم نہیں ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کا استغفار فرمانا کسی معصیت اور گناہ کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپؐ قربِ الٰہی کے جس اگلے درجے میں قدم رنجہ فرماتے تو بعد کا درجہ کمتر اور حقیر معلوم ہوتا تھا پس آپؐ اس چیز کو ذنب سے تعبیر فرما کر استغفار فرماتے۔"

ایک مرتبہ آپؒ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ سے محبت کیسے پیدا ہوتی ہے آپؒ نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حضرت حاجی محمد شیر میاں قادریؒ کی خدمت میں پہلی بھیت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں کیسے پیدا ہوتی ہے؟" حضرت حاجی محمد شیر میاں صاحبؒ نے فرمایا "اپنے دونوں ہاتھوں کو ملو۔" کچھ دیر کے بعد پھر فرمایا "ابھی اور ملو۔" پھر فرمایا "کیا اس رگڑ سے کچھ گرمی پیدا ہوئی؟" اس نے کہا "جی ہاں" تب حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "اسی طرح کثرتِ ذکر اور تکرار ذکر سے کچھ گرمی پیدا ہوتی ہے اور اسی رگڑ اور گرمی سے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔"

کام میں لگا رہنا ہی ایک دن منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ شروع میں خواہ ترقی کا اندازہ ہو نہ ہو (یعنی کچھ نفع نہ معلوم ہو لیکن یہ امر یقینی ہے کہ نفع ضرور حاصل ہوتا ہے) عدم احساس عدم نفع کی دلیل نہیں۔ بچے کی نشوونما روزانہ غیر محسوس طریقے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ ماں باپ اور دوسرے لوگوں کو احساس نہیں ہوتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک مدت گزرنے کے بعد اس کی ترقی اور نشوونما سب کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ یہی حال باطنی ترقی کا ہے ہر روز کا نفع محسوس

نہیں ہوتا۔

خِلوت معَ اللہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ خلوت اختیار کرے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے مغفرت طلب کرے اور بکثرت استغفار کرے ۔صوفیائے کرام بڑی پابندی سے یا قولاً ایسی مجالس کا اہتمام کرتے ہیں اور خاص خاص اوقات خلوت کے لئے مخصوص رکھتے ہیں اور اس میں ذکر وفکر میں مشغول رہتے ہیں۔ حدیث نبوی ہے

واذکرُ اللہ ذِکراً کثیراً ۔

انسان کا ازلی دشمن

قبلہ سرکار اکثر شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے بزرگوں کی حکایات سناتے ۔ارشاد ہوا۔غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ شیطان نے روشنی کی صورت میں ظاہر ہو کر کہا " اے عبدالقادر! تو ہمارا بہت مقبول بندہ ہے ۔ اب تجھے کثرتِ عبادت اور اس قدر نماز روزہ کی پابندی کی ضرورت نہیں ہے"۔ آپؓ نے لاحول پڑھا۔ اسی وقت وہ نور چھٹ گیا اور شیطان نے آواز دی کہ" اے عبدالقادر تو اُس دفعہ بھی بچ گیا۔ دراصل تجھ کو تیرے علم نے بچالیا"۔ آپؓ نے فرمایا "مردود مجھ کو میرے علم نے نہیں بلکہ میرے ربّ نے بچایا ہے"۔

حضرت امیر معاویہؓ سوئے اتفاق سے ایک دن فجر کے وقت بے خبر سوتے رہے تو شیطان نے جگادیا حضرت امیر معاویہؓ نے پوچھا " تو کون ہے جو آج مجھے جگانے کے لئے آیا ہے۔ تجھے پہلے نہیں دیکھا"۔ شیطان نے کہا " میں ابلیس ہوں"۔

حضرت نے پوچھا " یہ کام تو تیرے فرائض میں شامل نہیں ہے بلکہ تُو تو لوگوں کو نماز اور عبادت سے غافل کرنے والا ہے۔ تجھے اس نیکی کا خیال کیوں آیا"۔ شیطان نے جواب دیا۔ " بات تو یہی ہے کہ میں نیکی اور بھلائی سے لوگوں کو غافل کرتا ہوں۔ لیکن آپ کو نماز کے لئے جگانے میں میری یہ حکمت ہے کہ آپ کو زیادہ ثواب نہ ہو"۔ ایک مرتبہ آپ کی نماز قضا ہو گئی تھی تو آپؓ اس قدر روئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو ستر نمازوں کا ثواب بخش دیا تھا۔ اب بھی اگر آپ سوتے رہتے اور نماز قضا ہو جاتی تو آپ کو اس کا بہت افسوس ہوتا اور کثرت گریہ کے سبب نماز کی قضا کے علاوہ ندامت و توبہ اور استغفار کا مزید ثواب آپ کو ملتا۔ اس لئے میں نے آپ کو جگا دیا۔ تاکہ صرف ایک ہی نماز کا ثواب ملے۔ اور آپ کو زیادہ ثواب نہ ہو"۔

حضرت مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی کے دفترِ دوم میں اس واقعہ کو تفصیل سے درج کیا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ شیطان ہر قسم کے مکر و فریب سے گمراہ کرتا ہے کیونکہ یہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔

جرعۂ مے ریخت ساقیٔ الست
بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرہ مست
آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

ترجمہ:۔ ساقیٔ الست بربکم نے عالمِ ارواح میں اپنی محبت کی شراب کا جو جُرعہ خاک پر ڈال دیا تھا اس کے فیض سے ہر ذرۂ خاک مست ہو گیا اور اس دیوانگی اور محبت میں اس خاکی پتلے نے اس امانت کا بار اُٹھا لیا۔ جس کے بار سے ہفت آسمان اور زمین کانپ اُٹھے

کسی نے حضرت ذوالنورین مصریؒ سے پوچھا تھا کہ " کیا آپ کو روزِ ازل الستِ

بِرَبِّکُمْ اور ارواح کا قالو بلیٰ کہنا یاد ہے"؟ آپؒ نے فرمایا" وہ مجھے بخوبی یاد ہے اور وہ آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے"۔ اہل اللہ اس کی لذت اور کیفیت کو نہیں بھولتے۔ جس نے اپنی حقیقت کو سمجھ لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ۔

ارشاد ہوا۔ حق تعالیٰ کی دلیل خود انسان کا وجود ہے۔ اگر انسان اپنی پیدائش پر غور کرتا رہے تو یقیناً اپنے رب کی معرفت حاصل کرے گا۔ حضرت علی شیر خداؓ فرماتے ہیں کہ انسان تو خود ایک کھلی کتاب ہے۔ یعنی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ایک دفتر لئے ہوئے ہے۔ پیر قادری خواجہ غلام محی الدین جالندھریؒ کا ایک شعر ہے

؎ اپنی آپ کتاب پڑھو ایسی کوئی تلاوت ناہیں
نفس اپنے پر حاکم ہونا ایسی اور شجاعت ناہیں۔

زندگی کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن پاک کی آیت

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝

(اور میں نے جن اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔) کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے لیعبدون کی تفسیر لیعرفون سے فرمائی ہے۔ اکابر صوفیائے نے بھی اس کی تشریح کا یہی مفہوم لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بتلادیا ہے کہ ہم نے جنات اور انسانوں کو اپنی معرفت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔

کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ۝

"میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا" حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں

؎ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ بخواں۔

جز عبادت نیست مقصود جہاں ۔

ترجمہ :۔ میں نے جن اور انس کو اپنی عبادت کے لئے یعنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے اور جن اور انسان کی تربیت اور ان کی حیات کی حفاظت اور بقا کے لئے ساری کائنات پیدا کی گئی ۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک اجنبی مسافر بے سرو سامانی میں بھوکا پیاسا صحرا نوردی کرتے ہوئے ایک پر فضا مقام پر پہنچا ۔ جہاں اس کو ایک عالیشان محل نظر آیا ۔ جونہی وہ دروازہ پر پہنچا تو ایک دربان نے اس کا خیر مقدم کر کے اندر داخل ہونے دیا ۔ وہ اس محل کے ہر کمرے میں آرام و آسائش کی چیزیں دیکھ کر بے حد متعجب اور خوش ہوا ۔ محل کو سنسان پا کر اس کو اپنے محسن کے متعلق تجسس ہوا کہ کس نے یہ نعمتیں فراہم کی ہیں اس نے دربان سے پوچھا کہ یہ بے غرض احسان کرنے والا کون ہے ؟ دربان نے کہا " اگر تم نہیں جانتے تو کسی اہلِ علم سے معلوم کر لو ۔ جو یہاں کے کسی کمرے میں مقیم ہے ۔" پھر فرمایا ۔ انسان کا جسم بھی ایک محل ہے ۔ جس کے اندر بے شمار حکمت کے خزانے پوشیدہ ہیں ۔ مولانا رومؔ فرماتے ہیں ۔

اے خدا احسان تو اندر شمار[1] ؎
می نتانم بازباں صد ہزار

---

[1] اے خدا آپ کے احسانات بے شمار ہیں ۔ سو ہزار زبان سے بھی ان کو شمار نہیں کر سکتا ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

ترجمہ :۔ اگر تم نہیں جانتے تو کسی اہلِ علم سے معلوم کر لو ۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو تلاش کرا اور جب کوئی باخبر بندہ مل جائے تو اس کی معیت میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ رحمٰن کی شان کسی باخبر سے پوچھو اور خود ہی پھر ان کی پہچان بتائی کہ رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں ۔

ع مردِ حق کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور ۔

ع کب نگاہِ باطنی سے چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا ۔

اولیاء اللہ کے اجسام تو اس عالم میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ان کی ارواح عالم قدس میں متصل ہوتی ہیں ۔ اور اس اتصال سے دوسرے لوگ بے خبر رہتے ہیں ۔

ایک مرتبہ قبلہ سرکار نے فیض کے سلسلہ میں صوفی برکت علی کو فرمایا " جب میں لوگوں سے گفتگو کرتا ہوں ۔ تم اس وقت بھی میرے قلب کی طرف متوجہ رہا کرو لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے بھی میرا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے " ۔ پھر یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ

ایک روز شاہ بھیکؒ نے بابا سیتل پوریؒ کی خدمت میں جو کہ شاہ کمال قادریؒ سے فیض یاب تھے یہ شعر لکھ کر ارسال کیا ۔

ے چلتے چلتے جگ گیو اور بھیک دورلے دور
خرچی نبڑی پگ تھکے جا کوئی کہیے حضور۔

اس کے جواب میں بابا سیتل پوریؒ نے یہ شعر تحریر فرمایا

جن بٹین تم جات ہو ان بٹین ہے دور
ست نام سیتل پوری جو سُن مکھ رہیں حضور

مطلب یہ ہے کہ راہِ سلوک تو ایک طویل راہ ہے جس پر جوں کی مانند چلنا پڑتا ہے۔ راہ کا اُتار چڑھاؤ۔ گاؤں گاؤں میں منزل و مقام کرنا صعوبتِ سفر اور عقوبت رہ گزر عجائباتِ منازل اور طلسمات راہ کی سیر دیکھنا اور اس طور سے سفر طویل اور منزل مقصود بعید ہو جاتی ہے۔ مگر مردِ کامل کے فیض سے یہ منازل ایک لمحہ میں طے ہو جاتی ہیں۔

ے قال رابگذار و مرد حال شو
پیش مردِ کامل پامال شو۔ مولانا رومؒ

قضا و قدر

قضا و قدر کے سلسلہ میں ایک شخص نے وضاحت چاہی۔ آپؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ وہ کسی کو کافر اور جہنمی بنا کر پیدا نہیں کرتا۔ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد انسان جو اعمال و افعال اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتے ہیں حق تعالیٰ کو پہلے ہی اس کا علم ہوتا ہے بس اس علم کا نام تقدیر ہے ناسمجھ لوگ علمِ الٰہی کو امرِ الٰہی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کا امر نہیں فرمایا کہ فلاں کافر ہو جائے۔ علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے اور برے، نیک و بد میں امتیاز کا شعور دیا ہے۔ اور انسان کو بتا دیا ہے

کہ یہ کام برا ہے اور یہ اچھا ہے۔ اچھے کام کرو گے تو جنت میں جاؤ گے، برے کام کرو گے تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ پھر اسے اختیار دے دیا جو چاہے راہ اختیار کرلے۔ اب انسان دنیا میں آکر اپنے ارادے اور اختیار سے نیک وبد اچھے اور برے میں نمایاں فرق دیکھ سکتا ہے۔

تقدیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تقدیرِ معلق اور دوسری تقدیرِ مبرم۔ تقدیر مبرم بغیر کسی شرط کے ہوتی ہے۔ اور تقدیر معلق مشروط ہوتی ہے۔ بعض تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی خاص شرط پر معلق رکھتا ہے۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے جب وہ شرط علم الٰہی کے مطابق وجود میں آجاتی ہے تو اس کو مٹا دیا جاتا ہے مثلاً کسی کو جہنمی لکھ دیا گیا ہے۔ اور علم الٰہی میں یہ قضا مشروط تھی کہ جب ہمارا فلاں بندہ اس کے لئے دعا کرے گا تو اس کی تقدیر کو مٹا کر جنتی کر دیا جائے گا اور جب وہ خاص بندہ دعا کرتا ہے تو اس کی تقدیر میں جہنم کی بجائے جنت لکھ دی جاتی ہے۔ پس تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا۔ انسان جو کچھ اپنے ارادے سے خیر وشر کرتے ہیں انہیں کو اللہ نے لکھوا دیا ہے۔ علم الٰہی سے کائنات کا ایک ذرہ بھی غائب یا پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ پس تقدیر کے اس مفہوم کی بنیاد پر کوئی بھی خیر وشر پر مجبور نہیں۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا واقعہ بیان فرمایا کہ

حضرت علی شیرِ خدا نے مسئلہ جبر وقدر کے متعلق ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا " ایک پیر اٹھاؤ"۔ اس نے اٹھالیا۔ پھر فرمایا کہ " دوسرا بھی اٹھاؤ"۔ اس نے مجبوری کا اظہار کیا۔ پھر فرمایا کہ یہی تقدیر ہے سمجھ لو کہ بندہ اتنا مختار اور اتنا مجبور رہے۔

قضا اور قدر کے سلسلہ میں مزید گفتگو ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا کہ انسان اشرف

المخلوقات ہے کیونکہ یہ اچھے اور بُرے میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جانوروں کے مقابلے میں یہی فرق انسانوں کو امتیاز بخشتا ہے۔ بادیٔ النظر میں دیکھا جائے تو بے شمار ایسے افراد نظر آتے ہیں۔ جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی اخلاقی اور قانونی پابندیوں سے قطع نظر گناہ آلود زندگی گزارتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ اولیاء اور خاصانِ خدا کا ہر فعل رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپؓ نے ایک کافر کو جنگ کے دوران زیر کرلیا اور اس کے اوپر بیٹھ گئے۔ دشمن نے آپؓ کے روئے اقدس پر تھوک دیا آپؓ نے فوراً اس کو چھوڑ دیا۔ کافر کو سخت حیرت ہوئی اور پوچھا کہ آپ نے اپنی گرفت اور میری گستاخی کے باوجود مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں تجھے اللہ کی رضا کے لئے قتل کرنا چاہتا تھا۔ جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوا۔ اگر اس حالت میں میں تجھ کو قتل کرتا تو اپنے نفس کیلئے یہ کام کرتا اور وہ عمل اخلاص سے یکسر بعید ہوتا۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

ع از علیؓ آموز اخلاصِ عمل
شیرِ حق را دان منزہ از دغل

ع گفت من تیغ از پئے حق میزنم
بندۂ حقم نہ مامور تنم

آپؓ کی اس عظمت کو دیکھ کر وہ مسلمان ہوگیا۔

ذکرِ الٰہی

ایک بار ایک ذی علم نے آپؒ سے وضاحت چاہی کہ اللہ ھو کا ذکر جو مشائخ تعلیم کرتے ہیں وہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں کہیں ثابت نہیں ہوتا؟ آپؒ نے فرمایا " صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیضیاب ہوا کرتے تھے اور آپؐ کی صحبت فیض سے انہیں نسبت عطا ہو جاتی تھی ۔ ایمان کے ساتھ جو شخص حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تھا وہ اسی وقت صاحبِ نسبت ہو جاتا تھا ۔ بعدازاں حصول نسبت کے لئے اہل اللہ نے ذکرِ کثیر تجویز کیا ۔ کیونکہ ذکر مفرد ذکر مرکب کی نسبت جلد راسخ اور پختہ ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

" واذکرُ اللہَ ذِکراً کثیرا "

ترجمہ :۔ اور اپنے اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو ۔"

ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ ذکر کرتا ہوں مگر اس کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے ۔ حضرتؒ نے فرمایا " کیا یہ کم ہے کہ تم اللہ کا ذکر کرتے ہو ۔ جب پہلا لفظ اللہ کہنا شروع ہوتا ہے تو تب ہی دوسری بار اللہ کا نام منہ سے نکلتا ہے اگر بارہ گاہِ خداوندی میں یہ قبول نہ ہوتا تو اس کے ذکر کی توفیق بھی میسر نہ آتی ۔ ذکرِ حق یعنی جب تم اس کو یاد کرو گے تو اس ذکر کی برکت اور پاکیزگی تم کو بھی پاک کر دے گی ۔ ذکر کا نور جب تمہارے اندر پیدا ہو جائے گا ۔ دل کی سیاہی دور ہو جائے گی ۔ ذاکر کو ذکر کی پابندی کرنی چاہیئے ۔"

ایک طالب علم نے عرض کیا کہ اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو کیا کیا جائے ۔ آپؒ نے فرمایا کہ اَعُوذُ باللہِ مِنَ الشیطٰنِ الرَّجیم ۔ سات بار پڑھ کر اپنے

بائیں طرف قلب پر ٹھنکا دے۔

ارشاد ہوا کہ بعض لوگ ذکر میں کیفیات کے بہت جلد منتظر رہتے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس راہ میں ذکر کی پابندی ہی اصل کامیابی ہے۔ خواہ اسے لطف حاصل ہو یا نہ ہو، سود مند ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ قبلہ اللہ اللہ کرتا ہوں مگر نفع نہیں ہوا۔ آپؒ نے فرمایا "یہ توفیق کیا کچھ کم ہے کہ تو اللہ کا نام لیتا ہے" بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں۔ ہماری زبان ناپاک ہے اور اسی زبان سے اللہ کا پاک نام لیتے ہیں۔ پس حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ذکر حق پاک ہے۔ جب تم اس کا ذکر کرو گے تو اس نام کی برکت تم کو بھی پاک کر دے گی کیونکہ "ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتا ہے"۔

ارشاد ہوا کہ جن بزرگوں کے سپرد دین کی خدمت ہوتی ہے وہ قطب الارشاد کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اور دین کے علاوہ دنیاوی امور کے لئے بھی نافع اور باعث برکت ہوتے ہیں۔ مجذوب کی صحبت سے کچھ نفع حاصل نہیں ہوتا وہ تو وہی کچھ کرتا ہے جس کا اسے حق تعالیٰ سے حکم ہوا ہے۔ سالک اس کے برعکس ہوتا ہے یہ نافع اس طرح ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں حدیث شریف ہے کہ قضاء الٰہی نافذ ہونے کے بعد بھی دعا کی برکت سے واپس ہو جاتی ہے اس تقدیر کا نام تقدیر معلق ہے۔ علم الٰہی میں اس قسم کی قضا مشروط ہوتی ہے۔ کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا فلاں برگزیدہ بندہ فلاں مصیبت زدہ کے حق میں دعا نہ کرے گا اس کی مصیبت دور نہ ہو گی۔ مثلاً فلاں بندہ جب دعا کرے گا تو یہ بلا اور مصیبت فلاں بندے پر نازل نہ ہو گی۔ پھر آپؒ نے حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہیؒ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ

ایک مرتبہ حضرت شاہ سکندرؒ لاہور تشریف فرما تھے۔ آپؒ نے منادی کرا دی کہ جسے

لڑکے کی خواہش ہو وہ نذر نیاز لے کر حاضر ہو جائے ۔ ہزاروں حاجت مند نذر نیاز لے کر حاضر ہوئے ۔ ان میں ایک بڑھیا بھی شامل تھی ۔ آپؒ نے لوحِ محفوظ میں دیکھا کہ اس بڑھیا کے نصیب میں اولاد نہ تھی ۔ مگر جب آپؒ نے دعا کی تو کچھ دنوں کے بعد کشف ہوا تو دیکھتے ہیں کہ اب لوحِ محفوظ میں وہ بڑھیا بامراد صاحبِ اولاد ہے ۔"

ایک مرتبہ ارشاد ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ

یَا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اتقوا اللہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ۝

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ۔ تم اللہ سے ڈرو اور صادقین (یعنی اولیاء اللہ) کے ساتھ ہو جاؤ ۔

اولیاء کرام ہمیشہ کی طرح آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے ملت اسلامیہ تصوّف سے کبھی بیگانہ نہیں ہو سکتی ۔ صوفیائے کرام کو پہچاننے کے لئے شریعت کو معیار بنائیں ۔ صوفیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے ہی حال میں مست اور مگن ہو کر شریعت سے بے گانہ نہ ہو جائیں ۔ تصوّف نے امن اور سلامتی کو فروغ دیا ہے ۔ مغربی ممالک میں سلامی تصوّف سے دلچسپی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ تصوف نے انسانیت کو اخوت اور محبت کا درس دیا ہے ۔

ارشاد فرمایا ، ہمیں کسی ازم اور نئے عقیدہ کی ضرورت نہیں ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کتاب وسنّت سے اپنے سینوں کو منور کریں ۔ اور اس کی پیروی کر کے دین ودنیا کی فلاح حاصل کریں ۔ صوفیاؒ کا مسلک ہے کہ بنی نوع انسان سے محبت کریں اور دکھ سہہ کر بھی لوگوں کو سکھ دیں ۔

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ ۔

ساری مخلوق اللہ کے عیال میں شامل ہے۔ پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کے عیال یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کریں۔

نماز

ایک روز ارشاد ہوا کہ دنیا کی خواہشوں نے مسلمانوں کو خدا سے غافل کر دیا ہے۔ اور ہم نے دنیاوی تعلقات سے اس درجہ وابستگی اختیار کر لی ہے کہ نماز سے جو تمام برائیوں کو دور کرنے والی ہے اور خداوند قدوس سے قریب کرنے والی ہے۔ انتہائی غفلت برتتے ہیں۔ نماز خدا کی وہ اہم عبادت ہے جو کسی حالت میں معاف نہیں اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور خدا کے حکم کو ایک مرتبہ ٹال دینے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہو گیا۔

تارک الصلوٰۃ دن میں کتنی مرتبہ اپنے رب کے حکم کو ٹالتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں نماز ادا کرے اور رحمت خداوندی کا موجب بنے۔ جو مومن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے تو اس کے رکوع وسجود کو بخوبی ادا کرتا ہے تو اس کی نماز نہایت بشاش اور نورانی ہو گی۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور نماز اپنے نمازی کے لئے دعا کرتی ہے۔

دعا کی مقبولیت

دعا کی مقبولیت کے بارے میں تاخیر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ تاخیر مقبولیت بے قراری کے سبب نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کو دعا کرنے والے کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے۔ آواز میں حسن کے ساتھ دل کی شگفتگی اپنا اثر کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ کوئی بدصورت مانگنے والا کسی کے دروازے پر آکر اپنی مکروہ آواز میں صدا دے تو مالک مکان اسے جلدی خیرات دے کر فارغ کر دیتا ہے تاکہ اس کی آواز دوبارہ سنائی نہ دے اور اگر سائل خوش الحان ہو تو پھر خیرات دیر سے ملتی ہے کیونکہ مانگنے والے کا شیریں لب و لہجہ اور حسنِ طلب ہی توقف کا باعث بن جاتا ہے۔

سنگرور کے مولوی غلام احمد اجرودری نے ایک دفعہ عرض کیا کہ فقیری کس چیز کا نام ہے؟ فرمایا "فقیری نام ہے اپنے آپ کو مٹانے کا۔" مٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام ارادوں کو اپنی تمام خواہشات کو اپنے مالک و مولا کے تابع بنا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم فرماتے ہیں "تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک اپنی تمام خواہشات کو اللہ کی مرضی کے تابع نہ کر دے۔" جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں۔

ے منتہائے سالک راہ فنا
نیستی از خود بود عین البقا

یہ سن کر مستان پر گریہ طاری ہوگیا۔ کہتا تھا کہ راہِ سلوک اور تصوّف کا حاصل یہی ہے کہ انسان خود کو مٹا دے۔ مرنے سے پہلے مرجانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ طالب اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کے تابع بنائے۔

ارشاد فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کوئی شخص محض اپنے اعمال سے نہ بخشا جائے گا"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا آپؐ بھی نہیں"؟ فرمایا "ہاں میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کا اپنے متعلق یہ ارشاد فرمانا ہمارے لئے سبق ہے۔ اور ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ کوئی شخص محض اعمال سے نہ بخشا جائے گا۔

انسان کو اپنے نیک اعمال پر کبھی مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ ہمارے اعمال درحقیقت جزائ کے قابل نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم ناقص ہیں۔ ہماری ذات میں احتیاج اور ضعف داخل ہے ورنہ دیکھا گیا ہے کہ بعض نادان نماز روزہ تہجد اور نوافل کی ادائیگی کے بعد خود کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے علاوہ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ پندار میں مبتلا ایسے لوگوں کے لئے شیخ سعدیؒ نے اپنے مرشد حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے خیالات کی روشنی میں کہا ہے۔

خیالاتِ نادان خلوت نشین
بہم برکند عاقبت کفر و دین۔

اگر کوئی شخص مخلوق کو برا اور بدعمل سمجھ کر نفرت کرے یہ نہایت برا شخص ہے اور تکبر میں مبتلا ہے۔ کاملین اپنے آپ کو کبھی کسی سے افضل نہیں سمجھتے تھے اسی سبب سے وہ فرشتوں پر فوقیت لے جاتے تھے۔

ع ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

ترجمہ:۔ وہ لوگ ملائک پر اسی لئے شرف رکھتے تھے کہ اپنے آپ کو کتے سے بھی بہتر نہ سمجھتے تھے۔

اس لئے حضرت مولانا روم رح فرماتے ہیں۔

ع قال را بگذر مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

ہر قوم میں نبی مبعوث ہوئے۔

ارشاد ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

" دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم چاہتے تو تمام مخلوق کے مکانات سونے چاندی کے بنا دیتے لیکن ہمارے بندے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے "۔

میر سید شوکت حسین ترمذی سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے سوال پر فرمایا "آپ کا خیال صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے ہیں جن میں

ہنود بھی شامل ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ "ہم نے ہر قوم ہر امت اور قریہ میں رُشد و ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج (مراد آبادیؒ) نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ ہندوؤں میں رام چندر اور کرشن جی پیغمبر گزرے ہیں۔ وہ موحّد تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اور ملک ایسا نہیں جس کی برائیوں کی اصلاح کے لئے خدائے واحد نے مختلف اوقات میں اپنا کوئی نبی یا رسول نہ بھیجا ہو۔ شری کرشن موحّد تھے اور نبیوں کے عظیم سلسلہ سے تھے۔ انبیاءِ کرام کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ خواہ وہ کسی بھی ملک میں مبعوث ہوئے ہوں۔ ان کا کام توحید کی تعلیم و تبلیغ رہا ہے۔ ان کے بعد اگر قوم اس تعلیم کو فراموش کردے تو پھر بھی توحید کے نشانات بگڑی ہوئی تعلیمات میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ شری کرشن جی مہاراج قدم قدم پر توحید کی تعلیم دیتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر گیتا کا ادھیائے ۱۸ اشلوک نمبر ۶۲/۶۱ جس میں ارجن کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں "ایشور ہی دنیا میں موجود ہے اور ہر انسان میں اس کا نور جلوہ گر ہے اور وہ سارے سنسار کو اپنی قدرت سے چلا رہا ہے۔ اے ارجن! تمام خیالات کو چھوڑ کر خدائے واحد کے چرنوں میں چلا جا ____ جہاں تجھے دائمی اطمینان حاصل ہوگا۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میں بندار بن گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں کے درختوں اور پودوں سے محبت کی بو آرہی ہے۔ یہ کرشن جی کے عشق و محبت الٰہی کا اثر ہے جو ابھی تک باقی ہے۔

آپؒ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے ہیں جن میں ہندستان

بھی شامل ہے۔ مشہور محدث اور مؤرخ دیلمی متوفیٰ ۵۰۷ ھ نے اپنی مشہور کتاب فردوس الانبیاء اور تاریخ ہمدان میں ایک حدیث کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ کَانَ فِي الهند نبیاً اسوالّلون اِسْمَهٗ کَاهِنا۔

بلاشبہ اس فقرہ کو محدثین کے معیار پر حدیث کہنا دشوار ہے لیکن اس سے یہ امر تو ثابت ہوتا ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ الخ اہل علم میں یہ خبر شہرت رکھتی تھی کہ ہندوستان میں ایک پیغمبر ہوا ہے جس کا نام کاھِنا (کنہیا کرشن) تھا۔ مولوی وحید الزماں شاہ جہاں پوری تفسیر وحیدی میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ کے قول کی روایت کرتے ہیں کہ ہندوستان میں رامچندر اور شری کرشن پیغمبر گزرے ہیں۔ اور یہ سب مؤحد تھے بشمول گوتم بدھ۔ انبیاء خواہ کسی ملک یا خطہ میں مبعوث ہوئے ہوں۔ بحیثیت ایک ہادی کے ان کا سب سے پہلا کام توحید الٰہی کی تعلیم اور اس کا قیام ہوتا ہے۔ ان کے بعد اگر قوم بدبختی سے اصلی تعلیم کو بگاڑ دے۔ پھر بھی انوار توحید کے نشانات اس بگڑی ہوئی تعلیم میں نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر گیتا کے اشلوک ۶۱۔ ۶۲ جس میں ارجن کو مخاطب کر کے وحدانیت کی تعلیم دی ہے۔

"ایشور ہی دنیا میں موجود ہے اور ہر انسان میں اس کا نور موجود ہے اور وہ اکیلا سارے سنسار کو اپنی قدرت سے چلا رہا ہے۔ اے ارجن تمام خیالات کو چھوڑ کر اسی خدائے واحد کے چرنوں میں چلا جا، جہاں تجھے دائمی اطمینان حاصل ہوگا۔"

فضائلِ غوثیہ

آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ ایک روز حضرت پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے خاص مریدوں کے ساتھ مدرسہ کی چھت پر کھڑے تھے۔ بخارا کی طرف رخِ انور تھا۔ فرمایا کہ ایک سو ستاون سال بعد اس شہر میں ایک شخص قلندر مشرب پیدا ہوگا اس کا نام بہاء الدین نقشبند ہوگا اور ہماری نعمت خاص سے اس کو حصّہ ملے گا۔ چنانچہ فرمانِ اعلیٰ کے مطابق حضرت خواجہ نقشبند بخارا میں پیدا ہوئے۔ بالغ ہوئے۔ انہیں اللہ اللہ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور حضرت خواجہ میر کلالؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ حضرت خواجہ میر کلالؒ نے تصورِ اسم ذات تعلیم کیا۔ حضرت خواجہ نقشبند بہت مدّت محنت و مشق کرتے رہے۔ مگر اسم ذات دل پر نقش نہ ہوتا تھا۔

ایک دن حضرت بہت گھبرائے اور جنگل کی راہ لی۔ اثنائے سفر حضرت خواجہ خضرؑ سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ خضرؑ نے آپؒ کو وہی تعلیم دی جو حضرت میر کلالؒ نے دی تھی اور تاکید کی کہ تم بغداد چلے جاؤ۔ وہاں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے روضۂ اقدس پر حاضری دو۔ تمہارا مقصد تمہیں حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے بغداد شریف پہنچ کر روضۂ اقدس کی زیارت کی اور یہ شعر پڑھا

یا دستگیرِ عالم دستم مرا بگیر
دستم چناں بگیر کہ گویند دستگیر

یہ شعر سن کر حضرت غوثِ اعظم دستگیرؒ کا دستِ مبارک قبر شریف سے باہر آیا اور اسم ذات اللہ کی شکل پر انگلیاں بنا کر نقش کر گیا۔ اور فرمایا

اے نقشبندِ عالم نقشم مرا بہ بند
نقشم چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

حضرت غوث اعظمؒ کے دستِ مبارک کو دیکھتے ہی اسم ذات حضرت خواجہ کے دل پر نقش ہو گیا اور آپؒ جس چیز کی طرف دیکھتے اسی چیز پر اسم ذات نقش ہو جاتا۔ اس روز سے آپؒ کا لقب خواجہ نقشبند عالم میں مشہور ہو گیا۔

صوفی سید برکت علی نوحی مرید حضرت مولانا رکن الدین نقشبندیؒ کے سوال پر کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادِ گرامی "قَدَمِی ھٰذَا عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ" سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ حضور کا قدم مبارک اول آخر تمام اولیاء کرام پر ہے یا اس سے مراد اولیائے عصر ہی ہو سکتے ہیں؟ آپؒ نے ارشاد فرمایا! حضرت غوث اعظمؒ کے اس فرمان پر تمام اولیاء اللہ نے اتفاق کیا ہے کہ صحابہ کرام، آئمہ اہل بیت اور تابعین کے سوا اولیاء اولین و آخرین نے آپؒ کو اپنا سردار مانا ہے۔ آپؒ کی آمد کی خبر اہل روحانیت کو برسوں پہلے مل چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں اکابرینِ امت نے آپ کی آمد کی خبر دی ہے اور ہر سلسلہ و طریقہ کے سر حلقہ نے آپؒ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ نے خود کو غوث اعظمؒ کا نائب فرمایا ہے آپؒ مبدا و معاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جس طرح سورج کا پرتو پڑنے سے چاند منور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مجدد الف ثانیؒ پر بھی تمام فیوض و برکات حضرت غوث اعظمؒ کی بارگاہ سے فائز ہو رہے ہیں۔ مقام اقطاب پر پہنچ کر رسول خدا[۹] نے مجھے قطب ارشاد کی خلعت سے سرفراز فرمایا۔ بعد ازاں عنایاتِ خداوندی سے ترقی کرتے کرتے اصل تک پہنچا۔ اس آخر عروج میں حضرت غوث اعظمؒ محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ الاشراق کی روحانیت سے مدد پہنچی

ایک اور موقع پر حضرت مجدّد صاحبؒ نے فرمایا کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانۂ مبارک سے تا قیامت جتنے اولیاء اولیاء اللہ، ابدال، اقطاب غوث یا مجدّد ہوں گے۔ وہ سب فیضانِ ولایت حاصل کرنے میں حضرت غوثِ اعظمؒ کے محتاج ہوں گے۔ بغیر ان کے وسیلے کے قیامت تک کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا۔ جب سید صاحب نے امام ربانیؒ کا مکتوب نمبر ۱۲۳ جلد نمبر ۲۴۸ کا بغور مطالعہ کیا تو ان کی غلط فہمی دور ہوگئی۔ اور کہا حضرت مجدّد صاحبؒ نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ حق ہے پھر حضرت قبلہ سرکار نے حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کا مندرجہ ذیل واقعہ سنایا۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کے چند ارادت مند زیارت کی خاطر تونسہ شریف جا رہے تھے کہ ایک قادری مرید بھی حضرت خواجہ کی زیارت کے لئے ان کے ہمراہ ہوگیا۔ اثنائے گفتگو حضرت غوث الاعظم دستگیرؓ کے فرمان قَدَمِی ھٰذا عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ پر بحث چھڑ گئی۔ طالب مرید قادری نے کہا حضرت سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قدم جملہ اولین و آخرین اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے لیکن حضرت خواجہ تونسویؒ کے مریدوں نے کہا۔ نہیں آپؒ کا قدم صرف اپنے زمانے کے اولیاء اللہ کی گردنوں پر تھا۔ آج کل حضرت خواجہ تونسویؒ غوثیت کے مقام پر فائز ہیں۔ ان کا قدم بھی اس زمانے کے اولیاء اللہ کی گردن پر ہے اور حضرت پیران پیر دستگیرؒ کا قدم ہم اپنے پیر خواجہ تونسویؒ کی گردن پر ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ جس وقت وہ لوگ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو طالب قادری نے یہ مسئلہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کی کہ "آپ کے مرید یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کی گردن پر حضرت غوثِ اعظمؒ کا قدم نہیں ہے۔ آپ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے پوچھا کہ کیا حضرت غوث اعظم دستگیرؒ کا قدم مبارک محض اولیاء اللہ کی گردن پر ہے یا اس میں عام لوگ بھی شامل ہیں؟ مرید قادری نے عرض کی کہ نہیں یہ فرمان محض اولیاء اللہ کے لئے ہے عوام اس سے مستثنیٰ ہیں اس پر حضرت خواجہ تونسویؒ نے غصہ کے عالم میں فرمایا کہ "ایہہ بھڑدی دے میں کوں ولی نہیں جانڑدے۔ اس واسطے میڈی گردن اُتے حضرت پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دا قدم نہیں مندے"۔

یعنی یہ ناسمجھ مرید مجھے اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل نہیں کرتے۔ اگر ولی سمجھتے تو ضرور میری گردن پر بھی حضرت غوث اعظمؒ کا قدم تسلیم کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجھے عام آدمی اور ولایت سے عاری سمجھتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس باطنی دولت اور روحانی نعمت ہوتی ہے وہ ہرگز ایسا کلمہ زبان سے نہیں نکالتے۔

ارشادات برائے رزق

ایک روز ایک امیر آدمی آیا جو دولت کی وجہ سے دنیا دی الجھنوں اور جھگڑوں میں پھنسا ہوا تھا اس نے عرض کی کہ دعا فرمائیں کہ میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ فرمایا! خیرات کیا کرو۔ مفلس اور نادار لوگوں کی امداد کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم فرمائے گا۔

ایک شخص نے رزق کی فراخی کے لئے دعا کی درخواست کی تو جواب میں فرمایا "رزق کی تلاش مت کرو۔ رزق تمہیں خود بخود تلاش کرے گا۔ پھر اس کو "یا رزاق" پڑھنے کی ہدایت کی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "دنیا ایک گزرگاہ ہے۔ یہ رہنے بسنے اور سونے کا مقام نہیں اس میں سلامتی سے گزر جانے کا خیال رکھو۔"

فراخی رزق کے بارے میں آپؒ نے فرمایا "کثرتِ اسبابِ معاش پر فراخیٔ رزق کا دارومدار نہیں۔ چنانچہ ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ ایک شخص معمولی کاروبار سے امیر بن جاتا ہے اور دوسرا شخص متعدد کاموں میں الجھ کر بھی پریشان ہی رہتا ہے۔ بہت سے اہلِ ہنر روزی کے سلسلہ میں سرگردان اور پریشان نظر آتے ہیں اور بے فکر اور نادان اس فکر سے آزاد ہیں۔ شیخ سعدیؒ کے ایک شعر کا مفہوم "کہ دنیا کی محبت ایمان کو دل سے نکال دیتی ہے۔ جو دنیا کے دام میں گرفتار ہوا۔ وہ مصیبت میں پھنس گیا۔ جس نے اس سے محبت کی وہ اس کا غم بن گیا۔ دنیا اور آخرت کی محبت دل میں یکجا نہیں رہ سکتی جس طرح آگ اور پانی ایک برتن میں نہیں رہ سکتے۔" بالکل صادق آتا ہے۔

رزق اور اس کی تنگی و فراخی کا معاملہ مشیت ایزدی کے تابع ہے۔ علمِ الٰہی میں جس کے لئے جتنا رزق مقدر ہے اس کو مل جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کو روزی کی تنگی اور پریشانی ہو تو وہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جائیں اور بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کی روزی فراخ کر دی جائے تو وہ طغیانی اور کفر میں مبتلا ہو جائیں۔" چونکہ ہر ایک کا مزاج اور طبع الگ الگ ہے۔ جیسا جس کا مزاج بنایا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ پیش آتا ہے۔ دنیا میں کوئی آرام میں ہے تو کوئی تکلیف میں مبتلا ہے۔ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ جدا اور الگ ہے۔ جس طرح ہسپتال میں بہت سے مریض آتے ہیں مگر ہر مریض کا نسخہ الگ ہی ہوتا

ہے۔ غذا بھی اسی مناسبت سے ملتی ہے۔ جس کے ساتھ جو معاملہ ہے وہی عین حکمت ہے۔ خواہ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

ہے بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است

بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است۔

پھول کے کان میں کیا بات کہ دی کہ وہ ہنس رہا ہے

اور بلبل سے کیا کہہ دیا گیا کہ وہ رو رہی ہے۔

اقوال

۱۔ صحبتِ اولیائے وہ فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ جو کتابوں کے ڈھیر سے حاصل نہیں ہوتے۔

۲۔ وہ دل عرفان کا متحمل نہیں ہوتا جس میں دنیا کی حرص اور جاہ و مرتبہ کی خواہش ہو۔

۳۔ سلوک کی اصل بنیاد دل کی صلاحیت کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں تکبر کفر کے برابر ہے۔

۴۔ علمائے ظاہر کا علم وسیع ہوتا ہے اور علمائے باطن کا عمیق۔

۵۔ مرتبہ اسی کا بلند ہے جس کو علم اور عمل دونوں کی توفیق ہوئی۔

۶۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اُسے سوال کی حاجت نہیں اور جس نے اس کی معرفت حاصل نہیں کی۔ وہ حاجت مند ہی رہے گا۔

۷۔ جس نے شہرت کو اچھا جانا اس نے خدائے قدوس کو نہ جانا۔

۸۔ جس نے خواہشات نفسانی کو ترک کیا وہ واصل بحق ہو گیا۔

۹۔ متکبر کبھی معرفت الٰہی کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔

۱۰۔ درویش وہ ہے جو دنیا اور آخرت کی رغبت نہ کرے کیونکہ یہ ایسی چیز نہیں کہ ان کا دل سے تعلق ہو۔

۱۱۔ طالب کو چاہیئے کہ دنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دے۔

۱۲۔ آپؒ نے فرمایا تین چیزوں کا سہارا نہ لینا۔ اوّل دولت، دوم اولاد اور سوم احباب کا۔

۱۳۔ صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ کے سوا تمام چیزوں سے خالی ہو۔

۱۴۔ دل کو آرام اس وقت مل سکتا ہے یا تو خود ذکر کرے یا پھر ذکر کرنے والوں کی صحبت میں جا کر بیٹھے۔

۱۵۔ راہ خدا میں جو کچھ دینا ہے وہ اپنی زندگی ہی میں دے دو۔

۱۶۔ جو شخص تم سے مانگتا ہے وہ دراصل تم پر احسان کرتا ہے اس وجہ سے کہ ایک پیسہ تم سے مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر تم کو سات سو تک دیتا ہے۔

۱۷۔ دل اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے لئے پیدا کیا ہے۔ پریشانیوں کے لئے نہیں۔

۱۸۔ ایک مرغی ایک انڈے کو گندا کر دے تو ہزار قابل مرغیوں کے نیچے اگر اس انڈے کو رکھا جائے تو اس میں بچہ پیدا نہیں ہو گا۔

۱۹۔ جو شخص بندہ کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔

۲۰۔ سبز رنگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رنگ ہے۔ کالا رنگ حضرت عیسیٰؑ کا رنگ ہے۔ اور سفید رنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے۔

۲۱۔ عقیدہ ایسا دستور العمل ہے۔ جس کا معیار تقویٰ ہے۔

۲۲۔ خدا کا کلام خدا ہی کے لئے پڑھا جائے۔

۲۳۔ ابتلاء ایک شرف ہے اسی لئے خاصان خدا اس میں مبتلا کئے جاتے ہیں

۲۴ نفس اللہ تعالیٰ کا مخالف ہے اور نفس کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی دوستی ہے

۲۵ زیادہ شکم سیری مانع عبادت ہے۔

۲۶ درویش وہ ہے جس کا دل غنی اور بدن صابر ہو۔

۲۷ گمنام رہنا پسند کر کہ اس میں ناموری کی نسبت امن ہے۔

۲۸ خدا کا دوست وہی ہے جو مخلوق پر مہربان ہو۔

۲۹ عبادت خلوت میں ہی ہوتی ہے۔ بجز فرائض کے کہ ان کا ظاہر کرنا اشد ضروری ہے۔

۳۰ دنیا عالم اسباب ہے یہاں پر فعل سے پیشتر سبب کا ہونا قدرت کی حکمت عملی ہے۔

۳۱۔ دل کو دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے باز رکھو کیونکہ اس کا وصل جدائی ہے

۳۲ خوشی کو دائمی اور ابدی خیال نہ کر کیونکہ جس کو زمانہ خوش رکھتا ہے اس کو زمانے نے کئی رنگ دیئے ہیں۔

۳۳ قناعت کر کیونکہ قناعت میں بھی غنا ہے۔

۳۴۔ فقیر جو کچھ کہے اسے حقیر نہ سمجھ۔

۳۵ فقیر وہ ہے کہ اس کی خاموشی فکر کے ساتھ اور اس کی گفتگو ذکر کے ساتھ ہو۔

۳۶ اتنا کھا کہ ہضم کر سکے۔

۳۷ ہر وقت باوضو رہا کرو۔

۳۸ اہل اللہ مال پاکر متواضع ہوتے ہیں اور اہل دنیا مغرور، وہ شکر گزار

اور یہ غافل ۔

۳۹ ۔ امراء میں سے برے وہ ہیں کہ جو عالموں سے دور ہوں اور عالموں میں وہ برے ہیں جو امراء کے قریب ہوں ۔

۴۰ دنیا کی محبت ایمان کو دل سے نکال دیتی ہے ۔ جو دنیا کے دام میں گرفتار ہوا وہ مصیبت میں پھنس گیا ۔

۴۱ سچ بولنے میں راحت ہے ۔

۴۲ جو شخص کرامت دکھانا اپنا شعار بنا لے وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے

۴۳ ایک مردِ خدا کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ وہ سُنتِ رسول ﷺ کے مطابق زندگی گزارے ۔

۴۴ عمل کے لئے ذکرِ الٰہی کافی ہے ۔ مذکور تک خود پہنچا دے گا ۔

۴۵ گناہوں سے ایسے بچا جائے جیسے بچھو اور سانپ سے بچا جاتا ہے ۔

۴۶ فقراء کو ناخوش رکھ کر خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ناممکن ہے ۔

۴۷ جن کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلائے ان کو خود بخود آداب سکھا دیتا ہے ۔

۴۸ ذکر کی کامیابی میں دیر ہو جانے پر مایوس نہیں ہونا چاہیئے ۔ بعض سالکوں پر دیر سے فیضان جاری ہوا ۔

۴۹ انسان کی ہلاکت خود پسندی میں ہے ۔

۵۰ درود شریف بکثرت پڑھا کرو ۔

۵۱ کلمہ لا الہ الا اللہ تمام اذکار سے افضل ہے ۔

۵۲ عروج چار چیزوں سے حاصل ہوتا ہے کثرتِ ذکر ۔ اتباعِ شریعت ۔ تقویٰ اور رابطۂ شیخ ۔

۵۳ سالک کے لئے چار چیزیں لازم اور ضروری ہیں ۔ قلتِ کلام ۔ قلتِ نوم

قلتِ طعام اور قلتِ اختلاط ۔

۵۴ شیخ کے بغیر خدا کا رستہ نہیں ملتا ۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے مگر استاد سے پڑھنا پڑتا ہے ۔

۵۵ جھوٹے وعدوں سے بچو ۔

۵۶ دنیا میں رہ کر اس سے بے تعلق رہنا کمال ہے ۔ جیسے مرغابی پانی میں رہنے کے باوجود اپنے خشک پروں سے اڑتی ہے ۔

۵۷ جتنا ملے اس پر خدا کا شکر ادا کرو ۔ اور نہ ملنے پر صبر اختیار کر ۔

۵۸ حرص کو چھوڑنے کا نام قناعت ہے ۔

۵۹ شیخ کا اتباع مرید کے لئے ضروری ہے مگر غیر شرعی امور میں نہیں ۔

۶۰ عمل میں خلوص اور بے ریائی ضروری ہے ۔

۶۱ سجادہ نشین بننے پر فخر نہ کرنا بلکہ بندگانِ خدا کی خدمت کرنا ۔

۶۲ دنیاداری اور سرمایہ داری سے پیار نہ کرنا ۔ بلکہ توکل کو اختیار کرنا ۔

۶۳ ظاہری شکل و صورت ہی کو معیارِ نیکی نہ سمجھ بیٹھنا ۔

۶۴ رضائے مصطفےٰ ؐ میں ہی قربتِ خداوندی ہے ۔

۶۵ مشائخ کو اپنا مقام خود پہچاننا چاہیئے ۔ دنیاداری کی خاطر سرمایہ داروں یا حکمرانوں کے گرد طواف نہیں کرنا چاہیئے ۔

۶۶ سرمایہ داروں یا حکمرانوں کی تخت نشینی کے بجائے بوریہ نشینی کو دلکشی کا باعث ہونا چاہیئے ۔

۶۷ دل کی مثال کھیتی کی سی ہے اور ذکر بیج ہے ۔ شیخ کی توجہ پانی اور شریعت پر عمل باڑ کی مانند ہے ۔ جس طرح بیج زمین میں نظر نہیں آتا اور کچھ عرصہ کے بعد پھوٹتا ہے ۔

۶۸ توکل اور استغنا بوریہ نشینوں کے لئے سرمایۂ حیات ہے۔

۶۹ شیخِ کامل دنیا داروں کے لئے تائید غیبی ہے۔

۷۰ جستجو اور صدقِ کامل سے تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔

۷۱ کسی نے پوچھا! پیر کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟
فرمایا! پیر اپنے باصفا باطن، تقویٰ، عمل و کردار، علم و انکساری کے باعث منفرد نظر آتا ہے۔ وہ مخلوقِ خدا کو محترم اور خود کو حقیر سمجھتا ہے۔

۷۲ فقیر وہ ہے کہ دنیا اس کے پیچھے اور خدا اس کے سامنے ہو۔

۷۳ جس نے حق پر بھروسہ کیا وہ کامیاب ہوا۔

۷۴ بندہ کو بندگی لازم ہے۔ مالک کے حکم میں سستی کرنا بندگی کے منافی ہے

۷۵ جو شخص باوضو رہتا ہے وہ امن میں رہتا ہے۔

۷۶ جو چیز بندے کو اپنے رب سے دور رکھتی ہے۔ اس سے دور رہنا تقویٰ ہے،

۷۷ قناعت یہ ہے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے اسے طلب نہ کیا جائے اور جو شے تمہارے پاس ہے اس سے بے نیاز رہا جائے۔

۷۸ قضا اور قدر پر صبر کرنا تصوّف ہے۔

۷۹ جو کچھ غیب سے حاصل ہوتا ہے اس پر سچے دل سے راضی ہو جانا ایمان ہے

۸۰ فقیر پر جذب کی حالت میں بھی شریعت کا احترام لازم ہے۔

۸۱ صبر کرو۔ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۸۲ پیر وہ ہے جس کے قلب میں وسعت، سلوک میں عفو و درگزر ہو اور ملتِ اسلامیہ کا خیر خواہ ہو۔

۸۳ جس کے ساتھ بھی ہو سکے حسن سلوک سے پیش آؤ اور اس کی مدد کرو۔ اور اگر کچھ نہیں کر سکتے تو پھر اس کیلئے دعا کرو۔ کوئی زیادتی کرے تو اس سے بدلہ

نہ لو بلکہ معاف کر دو۔ کیونکہ معاف کرنا اللہ کو بے حد پسند ہے۔

۸۴ اپنا دل کشادہ رکھو۔ کیونکہ کشادہ دلی میں آسانی ہی آسانی ہے۔

۸۵ ہر بات میں افسروں یا امیروں پر تکیہ نہیں کرنا چاہیئے۔

۸۶ آدمی جس علاقہ میں زندگی بسر کرتا ہے وہی اس کا وطن ہے۔

۸۷ نجات علم سے نہیں عمل سے ہے۔

۸۸ فقیروں کی یاری شاہوں سے ممکن نہیں۔

۸۹ فاقہ نعمتِ فقر کی مرغوب غذا ہے۔

۹۰ جو شخص برائی سے بچتا ہے یعنی تقویٰ اختیار کرتا ہے اس پر اللہ کی طرف سے حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر اقبال کا یہ شعر پڑھا

ع قدرت کے مقاصد کے عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزاں قیامت میں بھی میزاں!

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ قبلہ سرکار شعر و سخن کا بڑا عمدہ
مذاق رکھتے تھے اور کبھی کبھار خود بھی اپنی اندرونی کیفیت کا
اظہار اشعار کی صورت میں فرماتے تھے اور فرمان تخلص کرتے تھے۔

نعت

کس شان سے آیا ہے تو جانِ جہاں ہو کر

خلاق دو عالم کی رحمت کا نشاں ہو کر

دنیائے فصاحت پر حیرت سی ہوئی طاری

جس دم تو ہوا گویا قرآں کی زباں ہو کر

ایماں کی حرارت نے باطل کو جلا ڈالا!

سینوں میں سمایا تو جب برق تپاں ہو کر

عیسیٰؑ کو بھلا ڈالا اعجاز بیاں ہو کر

قرآن ترا سالم اسلام ترا دائم!!

شہرت ہے تری قائم آوازِ سحر ہو کر

پرتو سے تری شاہا کونین ہوئی روشن

جب عرش پر تو چمکا لولاک کی شان ہو کر

وحدت کی جلا والے عصیاں کی دوا والے!

فرماں کے دل میں آ ایمان کی جاں ہو کر!

۱۹۳۲ء

پیغام عمل

اگر دنیا میں رہنا ہے حجازی شان کر پیدا
تو اے مسلم وہی پہلا سا پھر ایمان کر پیدا
رہے گی کب تلک آخر یہ آہستہ روی تیری
اب اس رفتار میں نئی اک شان کر پیدا
دکھا دنیا کو پھر شُستگانی اپنے فخر کی !!
تو ان ہاتھوں میں تابِ حیدرؓ و سلمانؓ کر پیدا
سکوتِ مرگ ہے طاری تیری ہستی پہ اے مسلم
ذرا اس بحرِ ساکن میں تو اب طوفان کر پیدا
دکھا اس کے کرشمے جو تری طاقت مسلّم ہے
دلوں میں اہلِ دنیا کے پھر ہیجان کر پیدا
ہے تیری زندگی خطرے میں جاگ اس خوابِ غفلت سے
یہاں پر زندہ رہنے کے تو اب سامان کر پیدا
مٹا دے امتیازِ بندہ و آقا مسلماں بن
محبت کی ہو خو جن میں وہ اب انسان کر پیدا
بدل جاتی ہیں تقدیریں نگاہِ مردِ مومن سے
تو اپنی آنکھ میں وہ امتیازی شان کر پیدا
جلا ڈالا ہے جس نے قیصر و کسریٰ کے خرمن کو
تو اپنے دل میں وہ سوزِ زندہ کر پیدا

چمک سے خیرہ ہو جائیں نگاہیں کفر و باطل کی
الٰہی بحرِ اسلامی میں وہ مرجان کر پیدا
دعا تجھ سے ہے اک ٹوٹے ہوئے دل کی خداوندا
کہ ہم میں پھر وہی محمود سا سلطان کر پیدا

۱۹۲۴ء

غزل

تری ایک سیدھی نظر چاہتا ہوں
میں اپنی دعا میں اثر چاہتا ہوں

نہ دنیا کی خواہش نہ عقبیٰ سے مطلب
مداوائے دردِ جگر چاہتا ہوں !!

میرے مہرِ انور کبھی لطف فرما !
کہ اس شامِ غم کی سحر چاہتا ہوں

بہت سختیاں ہیں نہ تنہا اُٹھیں گی
رہِ عشق میں راہبر چاہتا ہوں

تیرے چاہنے میں بڑی مشکلیں ہیں
یہ سب جانتا ہوں مگر چاہتا ہوں

ترے جور کی انتہا ہو چکی ہے
اب اپنی وفا کا ثمر چاہتا ہوں

محبت کا انجام کوئی بتا دے
میں اس مبتدا کی خبر چاہتا ہوں

محبت میں قربان یہ ناشکیبی
تری دوستی سے حذر چاہتا ہوں

غزل

دل کو یونہی خراب رہنے دے
عمر بھر اضطراب رہنے دے!

درد کیا ہے بلائے ہستی ہے
داغ دل آفتاب رہنے دے

موت ہے دل کی آرزو کا حصول
حسرتوں پر شباب رہنے دے

وقتِ آخر ہے کس لئے پردہ !!!
اب تو یہ اجتناب رہنے دے !!

تمہاری انجمن کے کیا نرالے ساز و ساماں ہیں
جو فرشِ راہ آنکھیں ہیں تو دل یکسر چراغاں ہیں

بہارِ گل تمہاری بزم میں آئے کہ نہ آئے
تمہارے گھر سے وابستہ گلستاں ہی گلستاں ہیں

امیر ہر دو عالم ہو تمہارے جیب و داماں ہیں
گہر ہیں لعل ہیں یاقوت ہیں ہیرے ہیں مرجاں ہیں

تمہارے کارواں کی گردِ راہ سے ساری دنیا میں
خدا کی شان ویرانے خیاباں در خیاباں ہیں!

قدم بوسیٔ جاناں کا شرف جن کو ہوا حاصل
ستاروں سے بھی بڑھ کر آج وہ ذرّے درخشاں ہیں

تمہارے سنگِ در کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا
زمانے بھر کے گلہائے عقیدت جس پہ قرباں ہیں!

دلوں میں ہے خیال ان کا نگاہوں میں جمال ان کا
چھپے بیٹھے ہیں پردے میں حقیقت میں نمایاں ہیں

وہ دل محوِ تماشا ہیں حریم ناز سے اپنے !!!
کہ دیوانے غم و آلام سے رقصاں ہیں خنداں ہیں

نگاہیں منتظر ہیں دیر سے برقِ تبسم کی !!!
خدا جانے وہ فرزانے کیوں نظروں سے پنہاں ہیں

متفرق اشعار

زہر غم جام دستِ زمانہ سے لئے جانے کا
داغ ہر روز نیا دل پہ لئے جانے کا !!
جو بھی افتاد پڑے اس کو سہے جانے کا
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

دنیا میں تیرے نام سے فرصت کبھی نہ ہو
تیرے سوائے غیر سے الفت کبھی نہ ہو
ہنگام نزع ہو کہ قیامت کا وقت ہو
کچھ ہو پر تیری یاد سے غفلت کبھی نہ ہو

جلنتے ہو جسے شیطان وہ سیہ کار نہ تھا
نام قطیر ہے جس کا وہ نکوکار بنا !!
وہ تھا مغرور عبادت پہ ملی اس کو سزا
یہ اطاعت میں نگوں سر تھا

جو مانگا اس نے دیا اور جو چاہا اس نے لیا
زہے کرم ۔ جو نہ حصّہ تھا وہ بھی اس نے دیا
وہاں یہ لطف و کرم اور یہاں یہ !!!
کہ اک بار ہی قربان نے نہ شکر کیا

دردِ دل کس سے کہیں تو ہی بتا تیرے سوا
ہے اگر اور کوئی تیرے سوا تو ہی بتا !!!

ہم نے جا کے درِ غیر پہ بھی دیکھ لیا
ہر جگہ تو ہی ملا دوسرا کوئی نہ ملا!

دل آتشِ عشق سے جب جلتا ہے
بجھتا نہیں اک بار جب یہ جلتا ہے
کیا شمع کو نسبت ہے دلِ قرباں سے
وہ شب کو فقط یہ روز و شب جلتا ہے!

درِ کریم سے بندے کو مدعائی ملی
جو ایک بار ہی چاہا ہزار بار ملا

منقبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التجا، آقا کے حضور

بے مثال و مثل ہے تو میرے ربّ العالمین
بندہ یہ عاجز ہے تیرا جس کو کچھ طاقت نہیں
کیا بیاں حمد و ثنا پوری تری کوئی کرے
شان ہے تیری وہ دِل ہیں جس سے ڈرتا ہی رہے
تجھ کو کہتے ہیں رحیم اور تجھ کو کہتے ہیں کریم !!
اور ذات پاک تیری ہے سمیع اور علیم
ہے تو ہی ستار اور غفّار اے پروردگار
تیرا ہی محتاج کُل عالم ہے ربّ کردگار
تیرا ہے محبوبؐ جو کہ رحمت اللعالمین
مدح کیا اس کی کروں وہ ہے شفیع المذنبینؐ
یا مزمل یا مدثر جس کو ہے تیرا خطاب
خود پکارا اس کو یاسین اور طٰہٰ سے شتاب
بندہ کی طاقت کہاں کہ مدح ہو ان کی ادا !
والضحیٰ والشمس جن کی شان میں وارد ہُوا
بے شمار ان پر درود اور بے شمار ان پر سلام
تیرا محبوب اور رسول پاک سچّا لاکلام !
پڑھ درود پاک ختم المرسلینؐ پر تو مدام !
اور ان کی آل پر اصحاب پر ہر دم سلام

شانِ مرشد کو بیاں میں کر سکوں جرأت کہاں
ہاں ارادہ ہے کہ اک شمّہ ذرا کر دوں عیاں
اے میرے آقا و مرشد راہبرِ دنیا و دیں
عرضِ خدمت کر رہا ہوں ہو کے دل میں شرگیں
چاند سی صورت پہ تیری میں ہوں صدقے اور نثار
اور ترے قدموں پہ قرباں ہو یہ میری جانِ زار
اے مری جانِ جہاں دل ہے یہ غم سے داغدار
میری جانب ہو توجّہ میں بہت ہوں بے قرار
ایک لمحہ کے لئے ہو غور میرے غمگسار
مونھہ سے اپنے کہہ رہا ہے آج کیا سینہ فگار
تو کہ بحرِ مہر و الفت ہے سخی ابنِ سخی
اور گھرانا تیرا عالی یا کمالی قادری
تیرا شیوہ دل نوازی میں ذلیل و خوار ہوں
میری دلداری کرو مانا کہ بدکردار ہوں
پہلے خدمت میں درودوں کا یہ ہدیہ پیش ہے
اک سلاموں کا بھی گجرا بیشتر سے پیش ہے
شکر کرتا ہے تیرے الطاف کا دل سے حضور
ہے کرم کا تیرے قائل عفو کر میرے قصور !!
سب غلاموں کی خطاپوشی ترا معمول ہے
حلم و رحمت ہے مجسّم بندۂ مقبول ہے !!!

ایک تو شاہ سکندرؒ کا ہے تو لختِ جگر
اس پہ طرہ شاہ کمالی کا بھی منظورِ نظر
سید غوث الوریٰ کی آنکھ کا تارا ہے تو
اور علیؓ مشکل کشا کا ماہ پارا بھی ہے تو
اور نواسہ مصطفٰے کا ایسا تو پُر نور ہے
جلوہ تیرے نور کا گویا کہ مثلِ طور ہے
شان اور رتبہ تیرا ظاہر کروں میں کس طرح
لکھ سکیا تعریف جب قاصر قلم ہے ہر طرح
اتنا کافی ہے تیری ہستی ہے ایسی شاندار
اور ہے اسلاف کے اخلاق کا آئینہ دار
تو ہے ان کی شان کا دنیا ئیں مظہر بالیقین
نام تیرے نام میں مضمر ہیں جن کے مہ جبین
اتنا بتلانا ہے کافی اس کو جو سمجھے اسے
ہے تو اسم با مسمیٰ پھر کوئی کیا کہہ سکے!
جو کرم حق نے کیا تجھ پر وہ سب ہیں مانتے
ہے خدا کا قرب جن کو وہ ہیں اس کو جانتے
عالم بالا سے اُترا نور تیرا خوب رُو!!!!
ہے منّور جلوہ اس کا اس زمیں پر چار سُو
کرتے ہیں تری نگہبانی ملک ہر دم مدام!
پھر رسائی کیا کرے تجھ تک بھلا تیرا غلام!

میری آنکھیں خیرہ کیں تیری ضیائے حسن نے
اک نظر جلوے کو تیرے جب گیا میں دیکھنے
چشمِ نرگس اب عطا کر دے مجھے بہرِ خدا
تاکہ میری حسرتِ دیدار پوری ہو ذرا !!
جبکہ میں خلد بریں سے ہر طرح ہوں بے نیاز
حوریں کرلیں اپنا قائل مجھ کو کیا ان کو مجاز
تیرے پاؤں کے برابر حسن جب ان کا نہیں
اپنا متوالا مجھے ہرگز وہ کر سکتی نہیں!

پیش کش :- سید رشید احمد قادری لاہور
۱۹۵۶ء

نذرانہ عقیدت

صفت تیری ہو کیا مجھ سے بیاں شاہ علی احمدؒ
کہ ہو روشن چراغِ خانداں شاہ علی احمدؒ
بزرگی پارسائی زہد و تقویٰ آپ پر نازاں
تم پہ ہیں قربان جانِ عاشقان شاہ علی احمدؒ
نیازِ غوث اعظم پر ہمیشہ جمع ہوتا ہے!
تیرے در پر گروہِ صوفیاں شاہ علی احمدؒ
تمہاری دیکھ کر صورت ہیں دل مسرور شاداں!
ہیں ٹھنڈی تم سے آنکھیں بے گماں شاہ علی احمدؒ
ہمارے سر پہ ان کو یا خدا تا دیر قائم رکھ
مبارک ہیں ہمیں شیخِ زماں شاہ علی احمدؒ
وزیر ان کی قدم بوسی کر دیوڑھی پہ تم چل کر
کہ ہیں مسند نشین خواجگان شاہ علیؒ احمد

بیاض سونی پتی

اے صوفیٔ گل پیرہن از گلستان کیستی
اے زینتِ باغ و چمن سروِ روانِ کیستی

اے دلبرِ شیریں ادا اے مہ جبین و مہ لقا
برہم زن آرام دل آرام جان کیستی

روشن ز تو بزم جہاں شہرت بہ ارض و آسماں
شاہ علی احمدؒ بگو از دودمانِ کیستی

بیتابیٔ جانِ حزیں دردِ دلِ اندوہ گیں
در حیرتم اے نازنیں در امتحاں کیستی

محبوبِ شیخ و برہمن زینت دہ صد انجمن
آخر بگو دلدارِ من اصل گمان کیستی!

اے رشکِ خورشید و قمر زلف و رخت شام و سحر
اے اخترِ تابندہ تر از آسمان کیستی

در دل نہاں چوں آرزو در گل عیاں چوں رنگ و بو
با این ہمہ شد بے نشاں آخر نشان کیستی

در سینہ شد پیکانِ تو زخمِ دلِ مہمانِ تو!
بر ہر دو شد احسان تو تیر کمان کیستی!

ہستم بہ زندانِ بلا از لطف تو نا آشنا
از بہر من جائے محن دار الامانِ کیستی

مسجودِ مومن گر توئی مقصودِ کافر نیز ہم
بر قلبِ اظہر کن عیاں تو قدر دان کیستی.

ضمیر الدین اظہر

نذرِ عقیدت

آکر نگاہِ شیخ میں سیرت بدل گئی
عادت بدل گئی ہے طبیعت بدل گئی

اک مشتِ خاک تھی کہ جو اکسیر ہو گئی
ان کے تصوروں سے تو صورت بدل گئی

سر پہ جو سایہ ہو گیا قطبِ مدار کا !
چرخِ ستم شعار کی حرکت بدل گئی

آئیں سکوں میں گردشِ لیل و نہار کی
اس درؒ کی حاضری سے تو قسمت بدل گئی

دشمن کی آنکھ سے بھی تبسّم ٹپک پڑا
لطف و کرم سے چشمِ عداوت بدل گئی

انوارِ عقل چھا گئے ظلماتِ نفس پر !!
محجوب ہو گئی تھی جو فطرت بدل گئی

اک رسم تھا وہ خشک سایہ سجدہ و رکوع
جس دن سے چشم تر ہوں عبادت بدل گئی

سید علیؒ وہ احمدِ گیلان ہیں قادری
کیتھل سے جن کی کیتھلی نسبت بدل گئی

میں خُلد کو نثار کروں ان کی زلف پر
زاہد تیری تو حور پہ نیت بدل گئی !

گویا اتر گیا وہ نگاہِ رسولؐ سے
مرشد کی جس کے دل سے عقیدت بدل گئی
اس سرکشی کو کوئی نہ طاقت دبا سکی
مجھ کو تو یار ان کی کرامت بدل گئی!
کعبے میں جس کی ضرب سے ٹوٹے تھے بت کبھی
دل کی بھی لاالٰہ سے حالت بدل گئی
گویا اس ارضِ پاک سے کافر نکل گئے
دل پر جو نفس کی تھی حکومت بدل گئی
بیعت سے انقلاب اک افضل بپا ہوا
الفت ہماری قبلۂ ہمت بدل گئی!

میری قسمت نے جب کی رہنمائی شاہ علی احمدؒ
ہوئی اس بزم میں اپنی رسائی شاہ علی احمدؒ

مبارک زہد و تقویٰ آپ کو اپنے بزرگوں کا !!
یہ دولت آپ کے حصہ میں آئی شاہ علی احمدؒ

دلوں کے آئینے تم نے کئے جو صاف ان سب میں
فضائے خلد دیتا ہے دکھائی شاہ علی احمدؒ

چراغِ خانداں تم ہو بزرگوں کے نشاں تم ہو !
خدا نے تم کو بخشی ہے بڑائی شاہ علی احمدؒ

زمانے کو رہے گی یاد ہستی آپ کی ہر دم !
بھلوں کو یاد رہتی ہے بھلائی شاہ علی احمدؒ

اسے پرواہ نہیں کچھ تختِ کسریٰ تاجِ قیصر کی
تیرے قدموں میں عزت جس نے پائی شاہ علی احمدؒ

تمہارے خلق نے مفتوں کیا ہے مجھ کو کچھ ایسا
کہ دل پہ شاق گزرے گی جدائی شاہ علی احمدؒ

محبت اس جماعت میں نظر آتی ہے حیرتؔ کو
تمہارا یہ اثر ہے کیمیائی شاہ علی احمدؒ

حیرتؔ پانی پتی

آئینہ تغزل

وہ نہیں اعلیٰ جو اعلیٰ بنے ادنیٰ ہو کر
وہ ہی اعلیٰ ہے جو ادنیٰ رہے اعلیٰ ہو کر

ابر رحمت میری جانب بھی ذرا سا ہو کر!
پھر تو مردہ بھی دکھا دے گا مسیحا ہو کر!!!

جائے حیرت ہے رہے دہر میں رسوا ہو کر
ایک عالم میں جو مشہور ہو تیرا ہو کر

کامل آزادیٔ حیثیت ہے میسر ہم کو!!
بس دل میں تخیّل ہے جو صحرا ہو کر

کون کہتا ہے کہ رسوائی و ناکامی ہے
کوئی دیکھے تو سہی حسن پہ شیدا ہو کر

ایک پُر لطف نظر سے تری اے پیر مغاں
غیر بھی اب تو نظر آتا ہے اپنا ہو کر

تُو ہے وہ چاند کہ جس چاند کے اے صلی علیٰ
طالب نور ہے خورشید بھی ذرّہ ہو کر

آنکھ وہ آنکھ ہے جس آنکھ میں تو پنہاں ہے
دل وہ دل ہے جو ہمیشہ رہے تیرا ہو کر

کاش ہو جائے مقدر میرا اتنا یاور
سر نہ اُٹھے میرا در پہ تیرے سجدہ ہو کر

قیس آبادی میں کیوں جائے ضرورت کیا ہے
اس کو صحرا ہی نظر آتا ہے لیلیٰ ہو کر !!!

بے نیازی بھی تو دیکھے کوئی اس کی حیرتؔ
وہ جو دریا کو لئے بیٹھا ہے قطرہ ہو کر !

جناب حیرتؔ وارثی رح

دربارِ علی احمدؒ

فردوس کا ٹکڑا ہے دربار علی احمدؒ
خوشبو سے معطر ہے گلزارِ علی احمدؒ

روضے کی زیارت سے ملتا ہے سکوں دل کو!
انوار کا مرکز ہے سرکار علی احمدؒ

توحید و رسالت کا مفہوم سمجھ لیجئے!!
دیوارِ دبستاں ہے دیوارِ علی احمدؒ

پُرکیف ہے نظارا سورج کی شعاعوں کا!!!
اک سروِ چراغاں ہے مینارِ علی احمدؒ

فرزندِ علی احمدؒ مقبول محی الدین!!!
سجادہ نشیں عالی دربار علی احمدؒ!

جاوید احسن

منقبت

فخرِ شاہ کمالؒ علی احمدؒ
شاہ سکندر کے لعل علی احمدؒ

گوہرِ مصطفیٰؐ دلبر مرتضیٰؓ!
نعمتِ ذوالجلال علی احمدؒ

جانِ غوثِ جلیؒ شان عبدالعلیٰ
خوش ادا خوش جمال علیؒ احمدؒ

حق تعالیٰ نے کی ہے عنایت تجھے
دولتِ لازوال علیؒ احمدؒ

تجھ سے متوکل وصابر و پاکباز
جگ میں ہیں خال خال علیؒ احمدؒ

آتی رہتی ہے کیتھل سے بادِ صبا!
پوچھنے تیرا حال علیؒ احمدؒ

ہادیٔ راہِ حق پیر روشن ضمیر
خوش سیر خوش خصال علیؒ احمدؒ

تیرے در کے غلاموں سے پوچھے کوئی
تیرا جود و نوال علیؓ احمدؒ

گلشن قادری کی ہے فصل بہار
تیرا عرس وصال علیؓ احمدؒ

تیرا مقبول مقبول مُحی الدّین !!
نیک و فرخندہ فال علیؓ احمدؒ

دُعا ارشاد کی ہے سلامت رہے
تیرا گھر تیری آل علیؓ احمدؒ

ارشاد

نوٹ۔ شعر ۲ میں یوم وصال بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

نور کی محفل سجی ہو رونقِ اسلام ہو
اور منور ہر در و دیوار و سقف و بام ہو

میر مجلس مصطفےؐ ہوں اور صحابہ گرد و پیش
رعبِ دینِ حق سے باطل لرزہ براندام ہو

حاضر مجلس ہوں جملہ صوفیائے قادری
غوث الاعظمؒ کے حوالے اہتمامِ عام ہو

ہوں مصاحب شاہ کمالؒ و شاہ سکندرؒ قادری
دفترِ رحمت میں شامل عاصیوں کا نام ہو

ابرِ رحمت جھومتا ہو میکشوں کا ہو ہجوم
بادۂ بغداد ہو یارب کمالی جام ہو

کرتے ہوں شاہ علی احمدؒ وہاں ساقی گری!
سیر ہو کر جائے حاضر جو بھی تشنہ کام ہو

نغمہ ہائے سرمدی ہوں دل کے تاروں سے بلند
عالمِ مستی میں رقصاں بندۂ بے دام ہو

مے ملے ساقی وہ ایسی مست نظروں سے ہمیں
جس کا آخر بیخودی ہی بے خودی انجام ہو۔

ارشاد کیتھلی

عقیدت کے پھول

واہ واہ قادریہ دربار سیّو لائی ڈیرہ وچ بہار سیّو

اک درد رنجانیاں آیاں نی !! موہنوں منگیاں مراداں پایاں نی

خوشی ہو گھراں ول دھایاں نی سب کہندیاں اے پکار سیّو

واہ واہ قادریہ دربار سیّو

نبی وحی تے حکم چلاؤندا سی شبیر نیزے تے سر چڑاؤندا سی

پیر روحاں نوں موڑ لیاوندا سی رب کرداسی اینہاں نوں پیار سیّو

واہ واہ قادریہ دربار سیّو

اک امت لئی بچے کہان والا دوجا نبی دا دین جگان والا !

تیجا کیتھلی محفل لگان والا دتہ رتبہ اے پروردگار سیّو

واہ واہ قادریہ دربار سیّو

پیر ڈبیاں بیڑیاں تار دا جی ! بڑا کرم اے رب غفار دا جی !

ساتوں آسرا تیرے دیدار دا جی کھلے کرم والی گلزار سیّو

واہ واہ قادریہ دربار سیّو

گلشن کیتھلی شاہ کمال والے نور سید سکندرؒ جمال دا اے

ہور ثانی نہ کوئی اودے نال دا اے فلک جھکدا اودے دربار سیّو

واہ واہ قادریہ دربار سیّو

پیر کیتھلی ڈیرے وچ آن وڑیا ! ربیع الثانی دا پیارا چن چڑیا !

علی احمدؒ دا جنہاں نے لڑ پھڑیا دستگیر کرے اونہوں پیار سیّو

واہ واہ قادریہ دربار سیّو

سب تے نظر علی احمدؒ پیر دی اے　　ہن ویکھو ایدی بہار سیتو
علی احمدؒ ہے روشن ضمیر میاں　　وڈی جدتے وڈا اے پیر میاں
مسعود احمد خورشید مقبول میاں　　ایناں نال رکھو حُسن پیار سیتو

واہ واہ قادریہ دربار سیتو

اساں عاجزاں تے مسکیناں اُتے　　بارا کھول دیو غمگیناں اُتے !!
نظر کرم دی ہووئے مسکیناں اُتے　　رو رو آکھدا دیدار سیتو

واہ واہ قادریہ دربار سیتو

الف ثانیؒ دا پہرہ سرہند اُتے　　ہند سندھ پنجاب سمرقند اُتے
دستگیر دا آسرا کنڈ اُتے !　　صفت کیتی اے پروردگار سیتو

واہ واہ قادریہ دربار سیتو

عبدالاحد دی آنکھیاں دا نور ہویا　　الف ثانی مجددؒ مشہور ہویا !!
شاہ سکندرؒ دی بیعت منظور ہویا　　ملک جھکدا اودے دربار سیتو

واہ واہ قادریہ دربار سیتو

دیدار علی شاہ

میں معتقد ہوں ان کا میں ان کا معترف
جو فخرِ خانوادۂ شاہ کمالؒ ہیں !
مقبولیت نہ کیوں انہیں حاصل ہو اے شہابؔ
مقبول بارگاہ شہ ذوالجلال ہیں

عارف کی شان شہِ علی احمدؒ میں تھی تمام
وہ وارثِ سکندرؒ و شاہ کمالؒ تھے
اب ختم بابِ کشف و کرامات ہو گیا
اس دور میں وہ آپ ہی اپنی مثال تھے

میرا سلام حضرت شاہ کمالؒ کو
میرا سلام شاہِ سکندرؒ کی آل کو
ڈیرہ کو جس نے ہمسرِ کیتھل بنا دیا
میرا سلام اس لب شیریں مقال کو
شہابؔ دہلوی

اب ڈیرہ غازی خان میں جمے گی محفل عرفاں والوں کی
اب وارث فقر و درویشی مقبول محی الدین ہوئے
جو فیض تھا جاری کیتھل میں جاری وہ رہے گا ڈیرہ میں!
جو لمحے غم کے طاری تھے وہ لمحے اب دو تین ہوئے

شہاب دہلوی

مثل خورشید زمانہ میں اجالا ہو جا
رنگ محفل تیرا مسعود دو بالا ہو جا
شاہ علی احمدؒ کا ہو جن کے سروں پہ سایہ
کیوں نہ مقبول دو عالم میں وہ اعلیٰ ہو جا

قاضی ظفر

۲۸۶

تم سا سید علی احمد کوئی ذی ہوش نہیں
متوکل بخدا صابر و خاموش نہیں

خون عشاق خدا تیری رگوں میں ہے رواں
تجھ سا اے عاشق اللہ کوئی مدہوش نہیں

تم سا صوفی نہیں مرشد نہیں کیتھل میں کوئی
سرخوش بادۂ عرفاں نہیں مدہوش نہیں

گفتگو تیری نہ ہووے پسند کیوں ارشادؔ!
تیری باتوں میں تصنع نہیں اور جوش نہیں

ارشاد کیتھلی

نذرانۂ عقیدت

ہو نگہِ کرم مجھ پر اے پیر علی احمدؒ
دنیا میں نہ ہو میری تحقیر علی احمدؒ

پھیلی ہے زمانے میں تنویر علی احمدؒ
مشہور دو عالم ہے توقیر علی احمدؒ

چاہے تو اشارے میں یہ خاک بھی ہو سونا
ہے تیری نگاہ میں وہ تاثیر علی احمدؒ

پل بھر میں بنائی ہے تقدیر زمانے کی!
میری بھی بنا دیجئے تقدیر علی احمدؒ

احسان کے کوئی سر پر گر کوہِ الم ٹوٹا!!!
کھینچے گا تیرے در کی زنجیر علی احمدؒ

احسان کیتھلی

(دستار بندی کے موقع پر)

میاں مقبول مقبولِ نظر ہے
گنہگاروں کی امید سحر ہے!

جمال غوث اعظمؓ نور یزداں!
علی المرتضیٰؓ کی سپر ہے

گل خوش رنگ گلزارِ کمالیؒ
دعائے شاہ سکندر کا ثمر ہے

شبیہ عبدالعلیؓ کی نور جاں ہے
علی احمدؒ کا یہ لخت جگر ہے!

عبث ہے ان سے ذکرِ حال احسانؔ
ہمارے حال کی ان کو خبر ہے

احسان کیتھلی

قصیدہ

بر ولادت فریدوں کمال گیلانی

مائل کرنالی

دعائے دل پہ کرم کو خیال آیا ہے
یہ مژدہ لے کے فریدوں کمال آیا ہے

خلوصِ دل کی وہ تاثیر تھی ہواؤں میں
جواب بن کے ہمارا سوال آیا ہے

کسی کو دعویٰ کہ خورشید آرزو آیا
کوئی یہ کہتا ہے ماہِ جمال آیا ہے

چمک اٹھے ہیں در و بام آستانے کے
کمال والوں کے گھر میں کمال آیا ہے

وفورِ شوقِ ادب سے جھکیں رہیں نظریں
سکندرؒ و کمالؒ جلال آیا ہے!!

نگاہ چرخِ تمنا پہ ہے جو دنیا کی
پیام عید کا لے کر ہلال آیا ہے!

اگر ستارہ ہے وہ آسمانِ رفعت کا
چمن میں حسن کے گل کی مثال آیا ہے

یہ قال والے اگر قال سے نہ مانیں گے
دلیل حال سے لانے کو حال آیا ہے

جبھی ہواؤں میں یہ ارتعاش ہے مائلؔ
جنابِ غوثِ معظمؒ کا لال آیا ہے!!

ہدیۂ تبریک بر ولادت باسعادت فریدوں کمال گیلانی

اللہ نے دکھائی ہے نومولود کی خوشی
آئی ہے گلستاں میں بہارِ شگفتگی

مقبول پر کریم نے کیا کرم کیا
نعمت عطا ہوئی فریدوں کمال کی

اللہ رے حسن ہے لبِ معصوم برگِ گل
عارض گلاب تازہ ہیں چہرہ ہے چاندنی

محسوس ہو رہا ہے کوئی میخانہ ہے حیات
چھائی ہوئی دلوں پہ ہے اک موجِ بیخودی

اک پھول کھل گیا چمنِ زندگی میں آج!
خوشبو سے کائنات یہ ساری مہک گئی!

پیشِ نگاہِ باب کے پھیلی ہے اک شعاع
گودی میں ماں کے اُتر آئی چاندنی

یارب! یہ گلشنِ علی احمد کا پھول ہے!
یارب ہمیشہ اس پہ رہے حسن و تازگی

یارب اسے سعادت و اقبال کر عطا
مولا ملے خضرؑ کی طرح اس کو زندگی

میری طرف سے تہنیتِ خاص ہو قبول
خادم مجھے بھی آج مسرت ہوئی دلی.

خادم کیتھلی

سید علی احمدؒ ساجنیا

پکھ مجھ پر بھی تو کیجئے دَیا سید علی احمد ساجنیا

تورے ہجر میں جی گھبراوت ہے !

توری یاد سے چین آجاوت ہے

تورے در پہ دھونی رماؤں گی میں بن کے توری جوگنیا

تورا پنگھٹ ایسا پنگھٹ ہے !!

ہر پنہاری جل بھرتی ہے .

میں پنیا بھرن کو آئی ہوں رکھ اپنے سر پر گاگریا

دل یاد میں دھڑ دھڑ دھڑکت ہے

تورے ہجر میں ہر دم تڑپت ہے

جوں ساون بھادوں برست ہے یوں چھم چھم برسے نینیا !

بیاض سونی پتی

احساسات

ذرہ کو تم نے مہر درخشاں بنا دیا
قطرہ پہ کی نگاہ تو طوفاں بنا دیا

ہر سمت مسکراتے ہیں رنگیں گلِ وفا
یوں ریگ زار رشکِ گلستاں بنا دیا

بس اک سکوں نواز نظر جب بھی ڈال دی
دردِ جگر کو آپ نے درماں بنا دیا

جس بے زباں پہ ڈالی توجہ حضور نے
اس بے زباں کو رشک سخن داں بنا دیا

ہر دل میں بو دیا کلمۂ طیب کا شجر پاک
ہر خارِ خشک کو گلِ خنداں بنا دیا

دوں گا کبھی حضور کے روضہ پہ حاضری
قدرت نے حاضری کا جو ساماں بنا دیا

پلکوں سے اپنی صاف کروں گا مزار پاک
اس در کا رب نے گر مجھے درباں بنا دیا

ہیں ڈیرہ غازیخان کی فضائیں جو نور ریز
ہر لمحہ اس کا تم نے ضو افشاں بنا دیا

چلتے ہیں دور جام طریقت کے رات دن
صحرا تھا جس کو تم نے خمستاں بنا دیا

بیاضِ سونی بیتی کوٹ ادو

نذرانہ

بے چاروں کا چارہ ہے مقبول محی الدیں
بے یاروں کا یارا ہے مقبول محی الدیں

ہر آنکھ کا تارا ہے مقبول محی الدیں
ہر قلب کو پیارا ہے مقبول محی الدیں

شامِ غمِ دوراں کے افلاک کی وسعت میں
پُر نور ستارا ہے مقبول محی الدیں

دکھ درد کے ماروں نے پایا ہے سکونِ دل
جب تم کو پکارا ہے مقبول محی الدیں

الحاد کے گلشن میں جو آگ لگا ڈالے
اک ایسا شرارا ہے مقبول محی الدیں

اخلاص و مروت سے ماحول کے چہرے کا
کیا رنگ نکھارا ہے مقبول محی الدیں

افکار کی کرنوں سے پھر شاہدِ فطرت کی
زلفوں کو سنوارا ہے مقبول محی الدیں

در پر ہے بیاضؔ آیا اک نظر کرم کیجئے
حالات کا مارا ہے۔ مقبول محی الدیں